

سیکرٹ ایجنٹ

اے حمید

ختم نبوت ﷺ زندہ باد

عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریمو و کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریمو و کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریمو و کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریمو و کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

کمانڈو عمران نے مڑ کر دیکھا۔
پیچھے ایک بھارتی فوجی سٹین گن پکڑے اس پر جھکا ہوا تھا۔
''کون ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟''۔
بھارتی فوجی نے پوچھا۔
لگتا تھا کہ یہ بھارتی فوجی کسی دوسری گشتی پارٹی کا ہے...... عمران نے جے ماتا بھدر کالی کا نعرہ لگا کر کہا۔
''ہم ماتا بھدر کالی کی تپسیا میں مگن تھے...... تم نے ہماری تپسیا بھنگ کر دی...... ہم تمہیں شراپ دیں گے''۔
بھارتی فوجی سیدھا ہو گیا...... سٹین گن کی نالی اس نے اوپر کر لی...... شراپ یعنی (بددعا) کے نام سے وہ کچھ ڈر گیا تھا...... اتنے میں پیچھے سے دو بھارتی سپاہی آ گئے...... ان میں وہ صوبیدار میجر بھی تھا جس نے کمانڈو عمران کو سادھو مہاراج کا چیلا سمجھ کر اسے وہاں بیٹھ کر تپسیا اور گیان دھیان کرنے کی اجازت دے دی تھی...... اس نے بھارتی سپاہی سے کہا۔
''ابے کیوں سادھو مہاراج کو تنگ کر رہے ہو...... یہ میری اجازت سے یہاں تپسیا کرنے بیٹھے ہیں''۔
اس کے ساتھ ہی بھارتی صوبیدار میجر نے کمانڈو عمران سے مخاطب ہو کر کہا۔
''اسے شما کر دیں مہاراج! یہ ہماری پٹرول پارٹی کا نیا رنگروٹ ہے''۔

عمران نے ایک ہاتھ اوپر اٹھایا اور سادھوؤں کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ ہم نے شما کر دیا...... ہم اسے شراپ نہیں دیں گے"۔

بھارتی صوبیدار میجر نے عمران کا شکریہ ادا کیا اور اپنی پارٹی کو لے کر وہاں سے چل دیا...... بھارتی سپاہیوں کے جانے کے بعد عمران نے سوچا کہ یہ گشتی پارٹی کتنا وقفہ ڈال کر ادھر سے گزرتی ہے...... یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا...... ابھی رات کا پہلا پہر ہی گزرا تھا...... عمران کے پاس پوری رات پڑی تھی...... وہ وہیں بیٹھا گشتی پارٹی کو جاتے دیکھتا رہا...... یہ کل چار بھارتی سپاہی تھے...... وہ گپھا کے چبوترے کے قریب سے ہوتے ہوئے اس ٹیلے کی طرف مڑ گئے تھے جس کے غار میں دونوں کشمیری مجاہد قید تھے اور جنہیں فرار کرانے کے لئے کمانڈو عمران نے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہوا تھا...... پٹرول پارٹی اندھیرے میں عمران کی نظروں سے اوجھل ہو گئی...... اب وہ یہ انتظار کرنے لگا کہ یہ پٹرول پارٹی دوسری بار وہاں سے کتنی دیر بعد گزرتی ہے۔

عمران کے اندازے کے مطابق کوئی آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ اسے دور سے بھارتی سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں...... وہ اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگا...... تھوڑی دیر بعد اسے وہی چاروں بھارتی فوجی اس پگڈنڈی پر آتے دکھائی دیئے جو جنگل کے کنارے سے ہوتی ہوئی آگے ٹیلے کی طرف چلی گئی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ یہ بھارتی گشتی پارٹی آدھ گھنٹے میں ایک چکر لگاتی ہے اور اس ٹیلے کے قریب سے ضرور گزرتی ہے جس کے غار میں کشمیری مجاہد قید تھے۔

ان حالات اور کوائف کی روشنی میں کمانڈو عمران کو اپنے ایکشن کا پلان بنانا تھا...... وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اس ایکشن میں وقت کا بہت اہم کردار ہے اور اسے ایک ایک منٹ کا خیال رکھنا پڑے گا...... پستول اور چاقو اس نے اپنے کپڑوں میں چھپایا ہوا تھا...... نائیلون کی مضبوط اور باریک رسی اور عورتوں کا بالوں میں لگانے والا سٹیل کا پن یہ دونوں چیزیں اس نے اپنی قریبی جھاڑی میں چھپائی ہوئی تھیں...... پستول

سے وہ کسی حالت میں بھی سوائے انتہائی ایمرجنسی کے کام نہیں لینا چاہتا تھا، کیونکہ یہ پستول فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند کا تھا اور اسے دلاری نے دیا تھا اور اس پر سائی لینسر نہیں لگا ہوا تھا...... اس کے فائر کا زوردار دھماکہ جس کی آواز اگنی میزائلوں کے سٹور کی بیرک میں مقیم سارے فوجیوں کو ہوشیار کر سکتی تھی...... کمانڈو عمران اپنے منصوبے کے مطابق صرف نائیلون کی باریک رسی سے ہی کام لینا چاہتا تھا۔

بھارتی فوجیوں کی پٹرول پارٹی جا چکی تھی۔

عمران اس پارٹی کے دوسرے چکر کے بعد اپنا ایکشن شروع کرنا چاہتا تھا...... اسے آدھ گھنٹہ مزید انتظار کرنا تھا...... گھڑی اس کے پاس نہیں تھی...... وہ صرف اندازے سے وقت کا حساب لگا رہا تھا...... رات گہری ہوتی جا رہی تھی...... وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ رات زیادہ گہری ہو جائے...... تیس یا پینتیس منٹ گزرنے کے بعد اسے ایک بار پھر دور سے بھارتی سپاہیوں کے ایک دوسرے سے ہنس کر باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں...... یہ پٹرول پارٹی کے سپاہی ہی تھے...... کچھ ہی دیر بعد عمران نے اندھیرے میں دیکھا کہ چاروں سپاہیوں کے سائے اندھیرے میں جنگل کے کنارے والی پگڈنڈی پر نمودار ہوئے اور آہستہ آہستہ چلتے ٹیلے کی طرف مڑ گئے...... جیسے ہی سپاہی اس کی نظروں سے اوجھل ہوئے...... عمران ایک دم اٹھا...... اس نے قریبی جھاڑی کے پاس جا کر وہاں سے نائیلون کی رسی اور ہیئر پن والا پلاسٹک کا لفافہ نکالا...... رسی اور ہیئر پن لفافے میں سے نکال کر جیب میں ڈالیں اور گپھا کے عقب سے ہو کر ٹیلے کی طرف چلنے لگا...... وہ بے حد احتیاط کے ساتھ جھک کر چل رہا تھا...... وہ چاروں طرف سے باخبر تھا اور اتنی احتیاط کے ساتھ قدم قدم چل رہا تھا کہ اس کے پاؤں کی آہٹ تک پیدا نہیں ہو رہی تھی...... وہ ان درختوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا جہاں سے اسے ٹیلا نظر آنے لگا تھا...... وہ ایک ایک سیکنڈ کا حساب رکھ رہا تھا...... یہ اس کی کمانڈو زندگی کا ایک اہم ترین مشن تھا جس کی الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی۔

جب اسے ٹیلے کے آس پاس گشتی پارٹی کے سپاہیوں کے سائے کہیں دکھائی نہ دیئے تو وہ اٹھا اور ٹیلے کی طرف بڑھا...... اندھیرے میں چھ سات درختوں کے قریب سے گزرنے کے بعد اسے ٹیلے کے سامنے ایک انسانی سایہ حرکت کرتا دکھائی دیا...... وہ غور سے اسے دیکھنے لگا...... یہ ان دو بھارتی سپاہیوں میں سے ایک سپاہی تھا جو ٹیلے کے غار کے باہر رات کو پہرہ دیتے تھے...... اسے دوسرا سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا...... عمران درختوں کی آڑ لیتا اندھیرے میں دبے پاؤں اور آگے ہو گیا...... اب اسے ٹیلے کے غار کا دہانہ دھندلا دھندلا دکھائی دینے لگا تھا...... اسی غار کے اندر دونوں کشمیری مجاہد بند تھے...... عمران حیران ہو رہا تھا کہ دوسرا سپاہی کہاں چلا گیا ہے، کیونکہ اس نے واضح طور پر دیکھ لیا تھا کہ وہاں صرف ایک ہی بھارتی فوجی تھا جو کندھے سے سٹین گن لٹکائے غار کے دہانے کے آگے ٹہل رہا تھا...... عمران کے پاس زیادہ سوچنے کا وقت نہیں تھا...... اسے جو کچھ کرنا تھا آدھ گھنٹے کے اندر اندر ہی کرنا تھا، کیونکہ اسے یقین تھا کہ آدھ گھنٹے بعد اپنا چکر پورا کر کے بھارتی گشتی پارٹی ادھر سے ضرور گزرے گی...... ایک بھارتی فوجی کو ختم کرنے کے لئے میدان صاف تھا، کیونکہ بہت ممکن تھا کہ دوسرا فوجی پیشاب وغیرہ کے لئے گیا ہوا ہو۔

کمانڈو عمران کی پیشہ وارانہ صلاحیتیں اس کے تجربوں کی روشنی میں پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں، جس طرف اندھیرے میں وہ چھپا ہوا تھا اس نے اسی طرف ایک پتھر اچھال کر گرایا...... اس سے جو آواز پیدا ہوئی اس نے بھارتی سپاہی کو ایک دم ہوشیار کر دیا...... اس نے سٹین گن سنبھال کر اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی...... کمانڈو عمران نے نائیلون کی رسی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور ایک ایسے زاویئے پر اندھیرے میں درختوں کے پیچھے گھات لگائے کھڑا تھا کہ جب بھارتی سپاہی اس طرف آئے تو وہ پیچھے سے اس کو دبوچ سکے...... جیسے ہی بھارتی سپاہی نے درختوں کی طرف الرٹ ہو کر دیکھا...... عمران نے ہلکی سی آواز کے ساتھ انگریزی میں کہا۔

"ہیلپ...... ہیلپ"۔

بھارتی سپاہی یہی سمجھا کہ اس کا ساتھی اس طرف رفع حاجت کے لئے گیا ہے اور اس نے آواز دی ہے...... وہ دوڑ کر درختوں کے درمیان آ گیا...... اس نے اپنے ساتھی سپاہی کا نام لے کر اسے آواز دی...... سٹین گن اس نے تان رکھی تھی...... کمانڈو عمران اسے دوسری بار اپنے ساتھی کو آواز دینے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا...... وہ بھارتی سپاہی کے پہلو میں آ گیا تھا...... بھارتی سپاہی ذرا سا جھک کر چل رہا تھا اور اس نے ایک بار پھر اپنے ساتھی کا نام لے کر اسے آواز دی...... یہ اس کی زندگی کی آخری آواز تھی...... کمانڈو عمران کے بازوؤں کے پٹھوں میں شیر کی طاقت سے بھی زیادہ طاقت آ چکی تھی...... اس نے پلک جھپکنے میں لپک کر نائیلون کی رسی بھارتی سپاہی کی گردن میں ڈالی اور اسے پوری طاقت سے کس کر ایک زوردار جھٹکا دیا...... یہ سارے کا سارا ایکشن ایک ہی وقت میں اور دو سیکنڈ میں مکمل ہو گیا تھا...... سب سے پہلے بھارتی سپاہی کے ہاتھ سے سٹین گن نیچے گری...... عمران نے پوری طاقت سے اس کی گردن نائیلون کی باریک رسی میں جکڑ رکھی تھی اور اسے جھٹکے دے رہا تھا...... بھارتی سپاہی کا جسم کانپنے لگا تھا...... پھر اسے ایک شدید جھٹکا سا لگا اور اس کی گردن عمران کے شکنجے میں ڈھلک گئی۔

عمران نے اسے چھوڑ دیا...... وہ گر پڑا...... عمران نے اس کی گردن کی ایک جانب الٹا ہاتھ رکھ کر دیکھا...... اس کے دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی...... عمران نے اسے وہیں چھوڑا اور ٹیلے والے غار کی طرف بڑھا...... اتنی دیر میں ٹیلے کی دوسری جانب سے نکل کر دوسرا بھارتی سپاہی سامنے آ چکا تھا...... عمران جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا...... بھارتی سپاہی اپنے ساتھی کو وہاں نہ پا کر کچھ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... اس کی گن اس کے کندھے سے ہی لٹک رہی تھی...... پھر اس نے اپنے ساتھی سپاہی کو آواز دی...... جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے ایک بار پھر آواز دی اور ساتھ ہی

سامنے والے درختوں کی طرف بڑھا...... عمران اس وقت اس کے دائیں جانب تھا اور صرف چند منٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں سانس روکے کھڑا تھا، جیسے ہی بھارتی سپاہی اس کے قریب سے گزرا اس نے چشم وزن میں اس کی گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر اتنی زور سے پیچھے کو جھٹکا دیا کہ بھارتی سپاہی لڑکھڑا کر دائیں پہلو کو گر گیا...... عمران بھی اس کے ساتھ ہی نیچے گرا اور اس کی گردن کا پھندا اس وقت تک کستا چلا گیا جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا...... دوسرے سپاہی کا بھی کام تمام کرنے کے بعد عمران اسے گھسیٹ کر لے گیا اور اندھیرے میں درختوں کے نیچے ڈال دیا۔

اس کے فوراً بعد وہ پنجوں کے بل دوڑ کر غار کے دہانے پر آ گیا۔

غار کے منہ پر لوہے کا جنگلا چڑھا ہوا تھا جس پر ایک طرف تالا لگا ہوا تھا...... عورتوں کے ہیئر پن کی مدد سے عمران مشکل سے مشکل تالا کھول لیا کرتا تھا...... اس کی اسے خاص طور پر ٹریننگ دی گئی تھی...... اس نے جیب سے ہیئر پن نکال کر پہلے ہی اپنی انگلیوں میں پکڑ لیا تھا...... جلدی سے اس نے ہیئر پن کے سرے کو تالے کے سوراخ کے اندر دہرا کر کے ڈالا اور جیسے ہی تالے کے اندر کا ایک کھٹکا ہیئر پن کی چمٹی میں پھنسا اس نے ایک جھٹکا دیا اور تالا کھل گیا...... اسے یہ تعجب ضرور تھا اور اندر سے کسی کشمیری مجاہد کی موجودگی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے...... ذرا سا جنگلا کھول کر وہ غار میں داخل ہو گیا اور جنگلے کو فوراً بند کر دیا...... ہیئر پن اس کے ہاتھ میں ہی تھا...... غار میں اندھیرا چھایا ہوا تھا...... اس اندھیرے میں اسے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز دو ایک بار سنائی دی...... اس نے جھک کر دیکھا...... جنگلے سے دس بارہ فٹ کے فاصلے پر اسے دو انسانی سائے زمین پر لیٹے ہوئے نظر آئے...... اس نے کشمیری زبان میں ان کو مخاطب کر کے ہلایا تو دونوں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور اندھیرے میں آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے...... کمانڈو عمران نے کشمیری میں پوچھا کہ ان کا تعلق کشمیر کے کس محاذ سے ہے...... دونوں مجاہدوں نے کارگل کا نام لیا...... اس کے فوراً بعد عمران نے ان

سے کشمیری میں ہی کہا کہ میں تمہیں فرار کرانے آیا ہوں...... فوراً میرے ساتھ باہر نکل چلو...... اسے معلوم ہوا کہ ان میں سے صرف ایک مجاہد کے سامنے کی جانب دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی...... بیڑیاں کسی کے پاؤں میں نہیں تھیں، جیسا کہ دلاری نے اسے بتایا تھا...... عمران وہاں رک کر ہتھکڑی کا تالا کھولنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا...... وہ دونوں کشمیری مجاہدوں کو ساتھ لے کر غار سے باہر نکلا...... جنگلے کو اسی طرح دوبارہ بند کیا اور انہیں اپنے ساتھ دوڑاتے ہوئے درختوں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

راستے کا تعین اس نے ذہنی طور پر پہلے سے کر رکھا تھا، جس طرف سے وہ خود آیا تھا یعنی جنگل کی پگڈنڈی کی طرف سے وہ اس طرف نہیں گیا تھا، کیونکہ اس طرف بھارتی فوجی پٹرول پارٹی سے آمنا سامنا ہو جانے کا خطرہ تھا...... وہ دوسری طرف کے درختوں اور جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا بس سٹاپ والی سڑک پر نکل آیا...... اس کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ اس علاقے سے جلد از جلد نکلنا تھا...... وہ اپنے ساتھ لالہ ٹیکم چند کی جیپ یا دلاری کی گاڑی نہیں لایا تھا...... وہ انہیں اپنے ساتھ لانا بھی نہیں چاہتا تھا...... ان گاڑیوں سے ان کی نشان دہی ہو سکتی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ملٹری انٹیلی جنس انہیں اپنی زد میں لے، کیونکہ ابھی عمران کو ان لوگوں کے ساتھ ہی رہنا تھا اور اپنا سب سے اہم مشن مکمل کرنا تھا جس کی خاطر وہ وہاں آیا تھا۔

سڑک پر چلنے کی بجائے وہ سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں آ گیا، جس کشمیری مجاہد کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی اسے دوڑنے میں دقت ہو رہی تھی...... جب وہ انہیں لے کر کافی دور نکل آیا تو اس نے ہیئر پن کی مدد سے ہتھکڑی کا تالا کھول دیا اور ہتھکڑی اتار کر کھیتوں میں پھینک دی...... اس کے ساتھ ہی ان تینوں نے کلکتہ شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا...... وہ اس وقت تک دوڑتے رہے جب تک کہ ان کے سانس نہیں پھول گئے...... اس کے بعد وہ چلنے لگے...... مگر وہ کافی تیز چل رہے تھے...... وہ کوارٹروں کی

ایک قطار کے عقب سے گزرے تو عمران کو ایک کوارٹر کے باہر درخت کے نیچے آٹو رکشا نظر آیا...... وہ تیز تیز چلتے اس کے پاس آ گئے...... عمران نے کشمیری مجاہدین کو رکشے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا...... کسی جانب سے ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آئی...... جب دونوں کشمیری مجاہد رکشے میں بیٹھ گئے تو عمران نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی رکشے کو سٹارٹ کیا اور تھوڑی دیر بعد رکشا سڑک پر کلکتے کی طرف بھاگتا چلا جا رہا تھا، مگر راستہ کافی لمبا تھا...... کلکتہ ایک بہت وسیع و عریض شہر ہے اور یہاں فاصلے بہت زیادہ ہوتے ہیں...... شہر کی روشنیاں قریب آ کر پیچھے کو گزرنے لگی تھیں...... اچانک رکشے کے انجن نے جواب دے دیا اور رک گیا۔

عمران نے کہا۔

"تیل ختم ہو گیا ہے...... اس طرف سے آ جاؤ"۔

مجاہدوں کو لے کر وہ ایک چھوٹی سڑک پر آ گیا...... جو آگے جا کر بڑی سڑک پر نکل جاتی تھی...... عمران اس بڑی سڑک پر پہنچنا چاہتا تھا...... کیونکہ وہاں سے اسے کوئی نہ کوئی رکشا ٹیکسی مل سکتی تھی...... کلکتہ شہر میں ساری رات ٹیکسیاں، آٹو رکشا چلتے رہتے تھے...... بڑی سڑک پر پہنچنے کے بعد وہ تھوڑی دور ہی چلے ہوں گے کہ انہیں ایک خالی رکشا مل گیا...... وہ اس میں سوار ہو گئے...... عمران نے ڈرائیور سے کہا۔

"ڈلہوزی سکوائر چلو"۔

وہ ڈرائیور کے آگے چت پور یا لوئر چت پور روڈ کا نام نہیں لینا چاہتا تھا...... اس طرح سے ذکریا سٹریٹ کے امام مسجد صاحب پر زد پڑنے کا خطرہ تھا، کیونکہ مسلمانوں کا یہ علاقہ پہلے ہی کلکتہ پولیس اور سی آئی ڈی کی نگاہ میں تھا...... ہم نے جو ذکریا سٹریٹ والی مسجد کا نام لیا ہے تو یہ بھی ہم نے فرضی طور پر لے لیا ہے...... حقیقت میں امام صاحب کا تعلق کلکتے کے کسی دوسرے علاقے کی دوسری مسجد سے تھا جس کا ہم یہاں مصلحتاً ذکر نہیں کریں گے...... ڈلہوزی سکوائر کا کمانڈو عمران نے اس لئے نام لے لیا تھا

کہ اس چوک سے کلکتے کے کئی اطراف کو سڑکیں نکلتی تھیں...... ان میں سے ایک سڑک لوئر چت پور روڈ کی طرف بھی جاتی تھی...... ڈلہوزی سکوائر پہنچ کر وہ رکشے سے اتر گئے اور پیدل چل پڑے...... فٹ پاتھ پر محنت مزدوری کرنے والے مزدور لوگ گہری نیند سو رہے تھے...... سڑک پر سے کسی وقت کوئی گاڑی گزر جاتی تھی...... رات کافی گزر چکی تھی...... سڑکوں پر بتیاں روشن تھیں...... عمران مجاہدین کو لے کر روشنیوں سے بچ کر گزرنے کی کوشش کر رہا تھا...... کشمیری مجاہدین کا لباس قیدیوں والا نہیں تھا جس سے ان پر کسی کو شبہ پڑتا...... وہ عام قمیض پتلون میں تھے اور خوش شکل نوجوان تھے...... وہ اس کے ساتھ تیز تیز چل رہے تھے۔

چت پور روڈ کے چھوٹے چوک میں آ کر عمران ایک چھوٹی سی گلی میں گھس گیا...... پھر گلیوں میں سے ہوتا ہوا اس مسجد کے عقب میں آ گیا جہاں امام صاحب کے حجرے کا پچھلا دروازہ تھا اور جس کے بارے میں انہوں نے عمران سے کہا تھا کہ دروازے کی اندر کی کنڈی کھلی ہو گی...... وہاں ہلکا سا اندھیرا تھا...... عمران نے رک کر دروازے کو ذرا سا دھکیلا...... دروازہ کھل گیا...... وہ مجاہدین کو لے کر حجرے میں آ گیا اور اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی...... حجرے میں اندھیرا تھا...... تھوڑی ہی دیر بعد کسی نے نیند بھری آواز میں پوچھا۔

"آ گئے ہو؟"۔

یہ امام صاحب کی آواز تھی...... عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

"جی ہاں"۔

اس کے بعد حجرے کی بتی روشن ہو گئی...... امام صاحب چارپائی کے پاس کھڑے تھے...... انہوں نے دونوں کشمیری مجاہدوں کو غور سے دیکھا اور بولے۔

"تم لوگ یہاں آرام کرو...... میں جاتا ہوں...... باہر سے تالا لگا جاؤں گا...... باقی باتیں صبح ہوں گی"۔

امام صاحب حجرے کا مسجد والا دروازہ کھول کر باہر صحن میں نکل گئے اور باہر سے تالا لگاتے گئے...... انہوں نے حجرے میں رکھی ہوئی صراحی میں سے پانی نکال کر باری باری پیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے...... کشمیری مجاہدین نے عمران کو بتایا کہ انڈین انٹیلی جنس والوں نے شروع میں انہیں ٹارچر کیا تھا لیکن اب دو دن سے کسی نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا۔

"شاید وہ ہم پر کوئی دوسرا طریقہ آزمانا چاہتے تھے"۔

دوسرے کشمیری مجاہد نے عمران سے کہا۔

"دوست! تم نے ہمیں وہاں سے نکال کر بڑی دلیری کا ثبوت دیا ہے...... ہم موت سے نہیں ڈرتے...... ہمیں صرف یہ افسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے ساتھی مجاہد کشمیر کے محاذ پر دشمن سے جنگ کر رہے ہیں اور ہم دشمن کی قید میں پڑے ہیں"۔

پہلے کشمیری مجاہد نے عمران سے پوچھا۔

"تم کشمیر کے کون سے محاذ پر تھے اور یہاں کلکتے کیسے پہنچ گئے؟"۔

عمران نے انہیں بالکل نہ بتایا کہ وہ کس محاذ پر دشمن سے برسرپیکار ہے اور کلکتے کیسے پہنچ گیا ہے اور یہاں اس کا مشن کیا ہے...... مجاہد کے سوال کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا۔

"میں یہ سب کچھ ابھی نہیں بتانا چاہتا"۔

کشمیری مجاہد نے بھی اس کے بعد کوئی اصرار نہ کیا...... وہ سمجھ گیا کہ عمران یہاں کسی بڑے حساس مشن کے لئے کام کر رہا ہے...... تھوڑی دیر سو کر انہوں نے باقی رات گزار دی...... صبح کی اذان کے وقت امام صاحب تشریف لے آئے...... وہ اپنے ساتھ ناشتہ لائے تھے...... کہنے لگے۔

"تم جلدی جلدی ناشتہ کر لو...... جماعت شروع ہونے سے پہلے ایک آدمی آئے گا...... وہ تمہیں اپنی حفاظت میں یہاں سے نکال کر بنارس تک لے جائے گا...... بنارس

سے آگے تمہیں خود ہی جموں کشمیر جانا ہوگا...... کیا تم اکیلے یہ سفر طے کر لو گے؟"۔

کشمیری مجاہدوں نے کہا۔

"ہم یہاں سے بھی جموں کشمیر اکیلے جا سکتے ہیں، لیکن یہاں ہمارے پکڑے جانے کا زیادہ خطرہ ہے...... بنارس سے آگے ہمیں زیادہ خطرہ نہیں ہوگا...... ہم کشمیر کے محاذ پر پہنچ جائیں گے"۔

عمران نے اپنی جیب سے پانچ سو روپے نکال کر دونوں کشمیری مجاہدوں کو دیئے...... یہ رقم وہ دلاری کی کوٹھی سے چلتے وقت اپنے ساتھ لایا تھا...... اس نے کہا۔

"یہ رقم راستے میں تمہارے کام آئے گی...... تم بنارس میں نئے کپڑے خرید کر بھی پہن سکتے ہو"۔

دونوں مجاہدین جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگے...... امام صاحب ایک ڈول میں چائے بھی لائے تھے...... عمران نے صرف چائے کا ایک کپ پیا...... امام صاحب تھوڑی دیر کے لئے باہر چلے گئے...... فجر کی اذان ہو چکی تھی...... کچھ دیر بعد جماعت کھڑی ہونے والی تھی...... امام صاحب اپنے آدمی کو دیکھنے گئے تھے...... پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے کہ امام صاحب اپنے ساتھ ایک آدمی کو لے کر آ گئے جس کا پہناوا بنگالی تھا...... امام صاحب نے اس کا تعارف کراتے ہوئے مجاہدین سے کہا۔

"یہ اپنی ویگن لے کر آیا ہے...... دن کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے یہ تمہیں شہر سے باہر ایک محفوظ مقام پر پہنچا دے گا اور خود بھی تمہارے ساتھ ہی رہے گا...... اس جگہ تم سارا دن چھپے رہو گے...... پھر بنارس کو جانے والی رات کی گاڑی سے تم لوگ کلکتے سے روانہ ہو جاؤ گے"۔

عمران نے کشمیری مجاہدوں سے پوچھا۔

"کیا تم مطمئن ہو؟"۔

دونوں نے کہا کہ وہ ہر طرح سے مطمئن ہیں اور ان کے نزدیک کلکتے کے علاقے

سے نکلنا ہی کافی ہے...... اس کے بعد تو انہیں کوئی فکر نہیں ہو گی...... بنارس تک وہ کئی بار آتے جاتے رہے ہیں اور بنارس میں ان کے کچھ ساتھی بھی موجود ہیں...... اس طرف سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد عمران نے امام صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"محترم! اب مجھے اجازت دیجئے...... مجھے بھی صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنی کمیں گاہ میں پہنچ جانا چاہئے"۔

عمران نے کشمیری مجاہدوں سے بھی ہاتھ ملایا اور حجرے کے عقبی دروازے سے نکل کر گلی میں آ گیا جہاں ابھی اندھیرا ہی تھا...... وہ گلیوں گلی چلتا چت پور روڈ کی طرف جانے کی بجائے ذکریا سٹریٹ کی جانب سے ہو کر دوسرے علاقے کی طرف نکل آیا جہاں اتنی گنجان آبادی نہیں تھی اور رات کو گشت لگانے والی پولیس کا بھی خطرہ کم تھا...... عمران کو صرف اس بات کی فکر تھی کہ اس کے پاس ایک پستول اور ایک چاقو موجود تھا اور پولیس اسے برآمد کر سکتی تھی، چنانچہ وہ گشتی پولیس کی نگاہوں سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اتفاق سے اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی...... وہ اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور کو اس علاقے کی طرف چلنے کے لئے کہا جہاں فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند کا بنگلہ تھا اور جس بنگلے میں دلاری یقیناً اس کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی...... وہ پستول کسی طرف پھینک کر اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا مگر یہ پستول دلاری کے عاشق زار لالہ ٹیکم چند کا ذاتی پستول تھا اور دلاری نے اسے دیا تھا...... یہ پستول عمران نے دلاری کو واپس کرنا تھا...... دن نکل آیا تھا جب عمران لالہ جی کے بنگلے پر پہنچا...... بنگلے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... جب مالک دن کے گیارہ بجے اٹھتا ہو تو نوکر کم از کم دس بجے دن تک ضرور سوتے ہیں...... بنگلے کے دونوں نوکر اپنی کوٹھڑی کے باہر چارپائی پر سو رہے تھے...... عمران پیچھے کی طرف سے ہو کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا اور اس نے کمرے

میں آتے ہی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا مشن بخیر و خوبی کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ غسل خانے میں منہ ہاتھ دھو کر نکلا تو دلاری اس کے بیڈ روم میں آ گئی...... آتے ہی اس سے لپٹ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ تم واپس آ گئے...... میں ساری رات سو نہیں سکی...... میں نے تمہیں بنگلے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا، جس کام کے لئے تم گئے تھے کیا وہ ہو گیا؟"۔

"ہاں" کمانڈو عمران نے دلاری سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو...... میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں...... میں نے بھی ابھی ناشتہ نہیں کیا...... لالہ جی تو دن کے بارہ ایک بجے اٹھیں گے"۔

یہ کہہ کر وہ چلی گئی...... کمانڈو عمران کے لئے ابھی دلاری کی دل جوئی بڑی ضروری تھی...... تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ناشتے کی میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے...... دلاری کو اس نے لالہ جی کا پستول واپس کر دیا تھا۔

"اس کے چلانے کی نوبت نہیں آئی" عمران نے کہا۔

"پھر تم نے ان دونوں کو کس طرح قید سے نکالا؟"۔

دلاری کے سوال پر عمران نے کہا۔

"بس نکال لیا...... ان باتوں کو چھوڑو...... یہ بتاؤ کہ ہمارا یہاں کب تک قیام رہے گا؟"۔

عمران یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اگنی میزائلوں کی کھیپ چندن پور کے ایمونیشن سٹور میں کب پہنچ رہی ہے، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لالہ ٹیکم چند اس وقت تک چندن پور والے بنگلے میں ہی قیام پذیر رہے گا جب تک کہ اگنی میزائلوں کی سپلائی وہاں نہیں پہنچ جاتی اور جب تک لالہ جی وہاں ہیں دلاری کو بھی وہیں رہنا پڑے گا...... دلاری کہنے لگی۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی...... کل رات لالہ جی کہہ رہے تھے کہ شاید اگلے ہفتے فوجی ایمونیشن کی سپلائی پہنچ جائے...... اس کے بعد ہم یہاں سے واپس بھوپال جائیں گے"۔

اس کا مطلب تھا...... دوسرے اہم ترین مشن میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا اور عمران کو اس عرصے کے دوران ہی اپنے مشن کی منصوبہ بندی کرنی تھی...... یہ مشن ایسا تھا کہ اس کی منصوبہ بندی عمران کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی...... اتنے بڑے میزائلوں کے ذخیرے کو تباہ کرنا تھا کہ جس کی سیکورٹی کا زبردست انتظام ہوگا اور عمران کے پاس وسائل نہ ہونے کے برابر تھے...... اس کا ساتھی کمانڈو جبران بھی اس کے ساتھ نہیں تھا......

......وہ جبران کو وہاں بلا بھی نہیں سکتا تھا...... یہ مشن اسی طرح سے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا کہ بس ایمونیشن سٹور میں پٹرول بم پھینک کر آگ لگادی جائے...... یہ کام بھی اتنا آسان نہیں تھا...... بھارتی فوجی اتنے احمق اور غافل بھی نہیں تھے کہ کمانڈو عمران ان کے ایمونیشن سٹور میں گھس کر پٹرول بم پھینک کر واپس آجائے...... کشمیری مجاہدین سے ہمدردی رکھنے والے امام صاحب اس کی صرف اتنی ہی مدد کرسکتے تھے کہ اسے دیسی ساخت کا کوئی ٹائم بم کہیں سے مہیا کردیں اور دیسی ساخت کے ٹائم بم پر بھروسہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اس مشن کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ ٹائم بم ہی تھا...... عمران نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں امام صاحب سے بات کرے گا...... شاید ان کی وساطت سے کوئی دوسری دھماکہ خیز چیز مل جائے۔

دوپہر کے بعد کمانڈو عمران امام صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔

انہوں نے عمران کو بتایا کہ دونوں کشمیری مجاہدین خیریت کے ساتھ بنارس پہنچ گئے تھے اور وہ اپنے طور پر جموں روانہ ہوچکے ہیں...... پھر انہوں نے عمران سے پوچھا کہ وہ اس کی کیا خدمت کرسکتے ہیں...... عمران نے انہیں اپنی مشکل بیان کردی...... امام صاحب سوچ میں پڑگئے...... وہ دونوں حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے...... کچھ دیر بعد امام صاحب نے عمران سے کہا۔

"مجھے ایک دن کی مہلت دو...... میں اپنے آدمی سے بات کرنے کے بعد ہی تمہیں کچھ بتاسکوں گا"۔

عمران ایک دن بعد آنے کا کہہ کر وہاں سے واپس آگیا...... وہ لالہ جی کے بنگلے پر آیا تو لالہ جی بنگلے کے لان میں دلاری کے پاس بیٹھے چائے نوش کررہے تھے...... عمران انہیں پرنام کرکے اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر بعد دلاری اس کے پاس آئی...... کہنے لگی۔

"لالہ جی چلے گئے ہیں...... آج ان کا باہر ڈنر ہے...... وہ رات کو دیر سے آئیں گے...... تم کہاں چلے گئے تھے؟"۔

عمران بولا۔

"بیٹھے بیٹھے بور ہوگیا تھا...... ذرا کلکتہ شہر کی سیر کرنے نکل گیا تھا"۔

دلاری اس کے پاس بیٹھ گئی...... کہنے لگی۔

"آج ہم بھی کلکتے کے کسی ہوٹل میں ڈنر کریں گے...... یہاں کے دال چاول اور رس گلے سارے بھارت میں مشہور ہیں"۔

عمران کسی ایسی جگہ پر نہیں جانا چاہتا تھا جہاں وہ خاص طور پر لوگوں کی نگاہوں میں آجائے، لیکن اسے دلاری کی خوشنودی کی ابھی ضرورت تھی...... وہ انکار نہ کرسکا...... دلاری کہنے لگی۔

"دونوں مجاہد قیدیوں کے فرار کی وجہ سے ملٹری پولیس نے رات کو گشت لگانے والے فوجی سپاہیوں کے ساتھ وہاں کسی سادھو کو بھی گرفتار کرلیا ہے...... کیا وہاں کوئی سادھو بھی تھا؟"۔

عمران نے کہا۔

"وہاں بھیروں جی کی گپھا تھی...... میں نے تو وہاں کسی سادھو کو نہیں دیکھا...... ہوسکتا ہے وہاں کوئی سادھو رہتا ہو اور ملٹری پولیس نے شک کی بنا پر اسے

بھی پکڑ لیا ہو"۔

دلاری نے تشویش کے لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں تو وہاں کسی نے نہیں دیکھا تھا ناں؟"۔

"بالکل نہیں" عمران نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

لیکن سادھو کی گرفتاری سے وہ کچھ بے چین ضرور ہو گیا تھا...... یہ سادھو عمران کو پہچان سکتا تھا، لیکن ابھی وہ پولیس کی حراست میں تھا...... اس کے باوجود اس نے عمران کا حلیہ ملٹری پولیس کو ضرور بتا دیا ہو گا...... مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ عمران کہیں باہر نہ جائے...... خاص طور پر ہوٹلوں وغیرہ میں جانے سے گریز کرے، مگر دلاری اسے اپنے ساتھ ایک ہوٹل میں ڈنر کے لئے لے جا رہی تھی اور وہ اس کے آگے انکار نہیں کر سکا تھا...... اس نے دلاری سے اتنا ضرور کہا...... "دلاری جی! اگر کسی ہوٹل میں دال چاول کا ڈنر ہی کرنا ہے تو پھر ہمیں کسی عام سے بنگلہ ہوٹل میں جانا چاہئے...... یہ چیزیں ہمیں عام بنگلہ ہوٹل میں ہی اپنے بہترین ذائقوں کے ساتھ مل سکتی ہیں...... کسی فائیو سٹار ہوٹل میں نہیں مل سکتیں"۔

دراصل عمران کسی بڑے ہوٹل کے گلیمر سے بچنا چاہتا تھا...... دلاری کے ذہن میں یہ بات آ گئی...... کہنے لگی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... مجھے معلوم ہے...... یہاں دریائے ہگلی کے کنارے چندر بھون نام کا ایک بنگالی ہوٹل ہے...... وہاں کے دال چاول اور رس گلے بڑے مشہور ہیں"۔

"بس وہیں جا کر ڈنر کریں گے" عمران نے کہا۔

رات کو دلاری نے گاڑی نکالی...... عمران کو ساتھ بٹھایا اور چندر بھون نامی بنگلہ ہوٹل کی طرف چل دی...... یہ چھوٹا سا غیر معروف ہوٹل تھا اور دریائے ہگلی کے کنارے ذرا پیچھے ہٹ کر واقع تھا...... ہوٹل کے باہر بھی میز کرسیاں لگی تھیں جہاں

لوگ بیٹھے دال چاول کھا رہے تھے...... عمران باہر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا مگر دلاری نے اصرار کیا کہ باہر دریا کی طرف سے بڑی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے...... ہم باہر ہی کھلی فضا میں بیٹھیں گے...... عمران یہاں بھی دلاری کے ہاتھوں مجبور ہو گیا...... اس خیال کے پیش نظر بھی اس نے زیادہ اصرار نہ کیا کہ ہوٹل کے باہر اتنی زیادہ روشنیاں نہیں تھیں...... عمران جان بوجھ کر دلاری کو کونے والی جھاڑیوں کے پاس میز پر لے گیا جہاں آس پاس چند ایک لوگ ہی بیٹھے تھے...... ان میں بھی گھریلو قسم کی عورتیں اور بچے تھے...... تھوڑی دیر بعد ہوٹل کا لڑکا ان کے لئے دال چاول کی پلیٹیں اور اچار وغیرہ لے کر آ گیا...... وہ باتیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے۔

دریا کی طرف سے بڑی خوشگوار ہوا آ رہی تھی...... دلاری کچھ زیادہ ہی رومانٹک ہو رہی تھی...... کہنے لگی۔

"دو چار دنوں کے بعد ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے...... میں بھوپال چلی جاؤں گی، جہاں میرا گھر ہے...... تمہارا کیا پروگرام ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں دلی اپنے گھر والوں کے پاس چلا جاؤں گا"۔

دلاری کچھ دیر خاموشی سے کھانا کھاتی رہی...... پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم بھی میرے ساتھ بھوپال چلو"۔

"وہاں جا کر کیا کروں گا؟" عمران نے بے ساختہ کہہ دیا۔

دلاری نے کہا۔

"بس میرے پاس رہنا...... کیا تمہیں میرے پاس رہنا اچھا نہیں لگتا؟"۔

عمران کو ابھی دلاری کی ضرورت تھی...... وہ اس کی مرضی کے خلاف ابھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا...... فوراً بولا۔

"کیوں نہیں اچھا لگتا...... جب تم مجھے اچھی لگتی ہو تو تمہارے ساتھ رہنا بھی اچھا

ہی لگے گا''۔

دلاری خوش ہو کر بولی۔

''تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ ہم دونوں بھوپال جانے کی بجائے بمبئی چلے جاتے ہیں...... وہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے...... ہم اس کے پاس جا کر ٹھہریں گے...... ہم وہاں ایک سال بھی رہیں تو میری سہیلی کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا''۔

عمران نے کہا۔

''لیکن ایک سال کے بعد پھر ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونا ہو گا...... ہم ساری زندگی تو اکٹھے نہیں رہ سکتے''۔

دلاری نے کہا۔

''کیا ہم ساری زندگی اکٹھے نہیں رہ سکتے''۔

ہم بمبئی جا کر شادی کر لیں گے...... تم دوسرے مذہب کے ہو تو پھر کیا ہوا...... بھارت میں اس قسم کی شادیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔

کمانڈو عمران اسے کیا جواب دے سکتا تھا...... اس نے تھوڑا سا مسکرا کر کہا۔

''کہتی تو تم ٹھیک ہو...... اچھا...... بھوپال پہنچ کر اس پر بھی غور کر لیں گے''۔

دلاری کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا...... اسے عمران سے اس جواب کی ہرگز امید نہیں تھی...... بے اختیار بول اٹھی۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''۔

عمران نے کہا۔

''تو مجھے تم سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے...... کیا میں تم سے پریم نہیں کرتا؟''۔

دلاری نے عمران کا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔

''یقین جانو...... میں تمہاری اتنی خدمت کروں گی کہ تمہاری زندگی کو ایک

جنت بنا دوں گی''۔

عمران نے دل میں کہا...... میں تمہارے جنت دوزخ سے بہت دور ہوں بی بی، مگر اوپر سے وہ بھی دلاری سے اظہار محبت کرتا رہا...... اس دوران عمران نے محسوس کیا کہ بنگلہ ہوٹل کے باہر ایک طرف لوہے کی کرسی پر بیٹھا ہوا آدمی جس نے بنگالیوں کا لباس یعنی دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا...... عمران کی طرف بار بار دیکھ رہا ہے...... عمران کوئی اناڑی نہیں تھا...... اس نے اس آدمی کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ ملٹری انٹیلی جنس کا ہی آدمی ہو، کیونکہ ایک دن پہلے کلکتے کے فوجی گیریژن سے دو کشمیری مجاہد بھارتی گارڈز کو قتل کرنے کے بعد فرار ہو چکے تھے...... عمران ہوشیار ہو گیا، لیکن اب اس کی توجہ دلاری کی گفتگو سے ہٹ گئی تھی اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس آدمی سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے...... عمران جانتا تھا کہ یہ آدمی اس کا پیچھا ضرور کرے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ انٹیلی جنس کا یہ آدمی اس کا پیچھا کرتا ہوا چندن پور والے بنگلے تک پہنچے اور بنگلے کی نشاندہی کر سکے۔

عمران نے اپنے ذہن میں ہنگامی حالات میں ایک منصوبہ بنا لیا...... دلاری مسلسل باتیں کر رہی تھی...... اپنے سوچے ہوئے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے عمران نے دلاری سے کہا۔

''کیوں نہ یہاں سے وکٹوریہ میموریل کی سیر کرنے چلیں؟ وہ تو رات کے گیارہ بجے تک کھلا رہتا ہے''۔

دلاری بڑے خوشگوار موڈ میں تھی...... کہنے لگی۔

''ضرور چلیں گے''۔

وکٹوریہ میموریل کا ایک تو بڑا گیٹ تھا جو جھیل والے باغ کی طرف تھا...... اس کا ایک دوسرا دروازہ بھی تھا جو اس کے پچھواڑے تھا اور جہاں نوکروں اور ملازموں کے کوارٹر تھے...... ہوٹل سے نکل کر وہ گاڑی میں بیٹھ کر وکٹوریہ میموریل کی جانب روانہ

ہو گئے...... عمران نے دیکھ لیا تھا کہ ان کے اٹھتے ہی انٹیلی جنس کا آدمی بھی کرسی
اٹھ کھڑا ہوا تھا اور فاصلہ ڈال کر ان کے پیچھے چل پڑا تھا...... جب دلاری اور عمر
گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو انٹیلی جنس کے آدمی نے ایک طرف اشارہ کیا......
ایک درخت کے نیچے سے جیپ نکل کر اس کی طرف بڑھی۔

اب اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ انٹیلی جنس کا آدمی ہے اور پولیس
جیپ ساتھ لایا ہے...... کلکتے کے بازار روشنیوں میں جگمگا رہے تھے...... ان بازاروں
روشنیوں میں انٹیلی جنس والے کی جیپ دیکھنا کوئی دشوار کام نہیں تھا...... عمران
اپنے سامنے لگے آئینے میں انٹیلی جنس کی جیپ کو دیکھ لیا کہ وہ برابر اس کا تعاقب کر
تھی...... مختلف علاقوں سے گزرنے کے بعد وکٹوریہ میموریل کی روشن روشن عمار
سامنے سے نظر آئی تو عمران نے دلاری سے کہا۔

"گاڑی گیٹ کے پاس ہی کھڑی کر دینا...... پارکنگ میں سے گاڑی نکلنا مش
ہو جائے گی"۔

دلاری ایک وفادار بیوی کی طرح عمران کے ہر حکم کی تعمیل کر رہی تھی......
نے گاڑی گیٹ کے قریب ہی ایک طرف کر کے کھڑی کر دی اور اسے لاک کر دیا۔
یہاں بھی ایک آدمی گاڑیوں کی رکھوالی پر مقرر تھا اور یہاں کی ڈبل فیس ادا کرنی پ
تھی...... دونوں وکٹوریہ میموریل کی عمارت میں آ کر نوادرات وغیرہ کو دیکھنے لگے۔
عمارت کی ایک اونچی کھڑکی میں سے عمران نے ایک نگاہ گیٹ کی طرف ڈالی...... گ
پر بڑی تیز روشنیاں تھیں...... اس نے دیکھا کہ انٹیلی جنس کی جیپ ایک طرف کھ
تھی...... اس کا مطلب تھا کہ انٹیلی جنس کا آدمی اس کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا ہے۔
کچھ دیر عجائب گھر کے مختلف کمروں کی سیر کرنے کے بعد عمران نے دلاری سے کہا۔

"دلاری! مجھے اچانک ایک کام یاد آ گیا ہے...... مجھے یہ کام ہر حالت میں ک
ہے...... تم مجھ سے اس کام کے بارے میں بالکل نہ پوچھنا...... میں تمہیں بعد میں س

کچھ بتا دوں گا...... اس وقت میں تمہیں جیسے کہتا ہوں ویسے ہی کرو"۔

دلاری کچھ پریشان ضرور ہوئی لیکن فوراً ہی سنبھل گئی اور بولی۔

"تم جیسے کہو گے میں ویسے ہی کروں گی...... لیکن تمہیں تو کوئی خطرہ نہیں
ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے بالکل کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

"اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟"۔

دلاری نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"تم کم از کم آدھا گھنٹہ اسی جگہ ٹھہرو گی"۔

آدھے گھنٹے کے بعد یہاں سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھو گی اور واپس بنگلے پر
چلی جاؤ گی...... میں رات کو کسی بھی وقت اپنے آپ تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا......
ٹھیک ہے؟"۔

"ٹھیک ہے...... تم جاؤ" دلاری نے بڑے اطمینان سے جواب دیا...... وہاں اور
بھی عورتیں اور مرد عجائب گھر کی قدیم تصویریں اور نوادرات دیکھ رہے تھے...... کافی
رش تھا...... اس رش میں عمران خاموشی کے ساتھ دلاری سے الگ ہو گیا...... اب
اسے عمارت کے عقبی دروازے سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں تھی...... وہ صدر
دروازے کی طرف سے نکلنا چاہتا تھا...... گیٹ کے قریب آ کر اس نے ماحول کا جائزہ
لیتے ہوئے بڑی گہری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا...... انٹیلی جنس کی جیپ دلاری
کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر ناریل کے درختوں کے نیچے کھڑی تھی...... اس کے قریب
ہی وہی دھوتی کرتے والا انٹیلی جنس کا آدمی ایک سٹول پر بیٹھا تھا...... اس کا رخ دلاری
کی گاڑی کی طرف تھا...... عمران اب اسے اپنا آپ خاص طور پر دکھانا چاہتا تھا، چنانچہ وہ

اس کے سامنے سے گزر کر گاڑی کی طرف آیا...... اس کا بونٹ کھول کر جھک کر انجن
دیکھنے لگا...... گاڑی کی ڈپلی کیٹ چابی اس کے پاس ہی تھی...... دروازہ کھول کر
ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا...... انجن کو دو تین بار سٹارٹ کر کے خود ہی بند کر دیا...... باہر
نکل کر بونٹ کو اٹھایا اور ایک بار پھر جھک کر انجن کو چیک کرنے لگا...... اس کے بعد اس
نے بونٹ کو بند کیا...... گاڑی کو لاک کیا اور ایک طرف کھڑے ہو کر پیچھے دیکھنے لگا...
جیسے کسی ٹیکسی رکشے کو دیکھ رہا ہو...... اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ گاڑی خراب ہو گئی ہے
اور اب وہ ٹیکسی وغیرہ لے کر واپس جا رہا ہے...... انٹیلی جنس کے آدمی کو عمران پر ہی
شک تھا اور اسے اس سے غرض تھی...... اس کے ساتھ جو عورت تھی اس سے اسے
کوئی سروکار نہیں تھا۔

اتنے میں ایک خالی ٹیکسی آئی تو عمران اس میں بیٹھ گیا اور ڈرائیور سے کہا۔

ہوڑہ پل کی طرف چلو۔

جیسے ہی ٹیکسی چلی...... انٹیلی جنس والا بھی جیپ میں سوار ہوا اور جیپ عمران کے
پیچھے لگ گئی...... عمران نے اگلے چوک میں جا کر سامنے والے آئینے میں دیکھ لیا
انٹیلی جنس کی جیپ اس کا تعاقب کر رہی ہے...... عمران نے ٹیکسی کو کلکتے کی سڑکوں
گھمانا شروع کر دیا...... وہ ایک سٹور میں گیا...... وہاں سے نکل کر دوسرے سٹور میں
گیا...... اس کے بعد ہوڑہ برج کی طرف روانہ ہو گیا...... انٹیلی جنس کی جیپ برابر اس
پیچھا کر رہی تھی...... جس وقت وہ ٹیکسی سے نکل کر سٹور میں جاتا تھا تو انٹیلی جنس
آدمی بھی اس کے ساتھ ہی سور میں داخل ہو جاتا تھا...... اور پھر اس کے ساتھ ہی
باہر آکر اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا...... عمران کو اب اس آدمی سے پیچھا چھڑانا
تھا...... عمران ٹیکسی کو ہوڑہ ریلوے سٹیشن کی طرف لے آیا...... یہاں سے کچھ دوری
شہر کا مشہور بہو بازار تھا...... بہو بازار میں عمران کو معلوم تھا کہ امپیریل رس گلہ شاپ
ہے...... عمران دو ایک بار یہاں آچکا تھا...... اس رس گلہ شاپ کے باتھ روم کا دروازہ

بازار کی ایک عقبی گلی میں کھلتا تھا...... عمران نے بہو بازار میں آکر ٹیکسی امپیریل رس گلہ
شاپ کے سامنے کھڑی کروائی اور ٹیکسی ڈرائیور کو پورا کرایہ ادا کرنے کے بعد کہا۔

"یہاں سے ابھی جانا مت...... میرا دس پندرہ منٹ تک انتظار کرو...... اگر میں
دس منٹ تک نہ آیا تو بے شک چلے جانا"۔

عمران نے ڈرائیور کو دس روپے انعام بھی دے دیا...... ٹیکسی سے اترنے کے بعد
رس گلہ شاپ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ پیچھے ڈالی......
انٹیلی جنس کی جیپ بھی کچھ فاصلے پر آکر کھڑی ہو گئی تھی...... عمران رس گلہ شاپ میں
داخل ہو کر ایک میز پر بیٹھ گیا...... یہ ہوٹل کی طرز کی دکان تھی...... وہاں اور بنگالی
عورتیں اور مرد بھی بیٹھے رس گلے کھا رہے تھے...... عمران نے مزید وقت ضائع کرنا
مناسب نہ سمجھا اور ہاتھ دھونے کے بہانے غسل خانے میں داخل ہو گیا...... غسل
خانے میں آتے ہی اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور گلی میں نکل کر جتنی تیز چل سکتا تھا
ایک طرف چلنے لگا...... ان تمام گلیوں سے وہ واقف تھا...... دو تین گلیوں میں سے
گزرنے کے بعد وہ ایک بازار میں نکل آیا...... یہاں اس نے ایک خالی آٹو رکشا لیا اور
اسے پرانے تال کی طرف چلنے کو کہا...... چندن پور والا بنگلہ پرانے تال سے زیادہ دور
نہیں تھا...... رکشا تیزی سے روانہ ہو گیا...... عمران نے رکشے کی پچھلی کھڑکی میں سے
دیکھا...... سڑک پر دوسری گاڑیاں آجا رہی تھیں مگر ان میں انٹیلی جنس کی جیپ نہیں
تھی...... اس نے انٹیلی جنس والوں سے جان چھڑا لی تھی۔

رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے جب وہ دلاری کے پاس پہنچا...... دلاری اس
کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی...... اسے دیکھتے ہی بولی۔

"تم ٹھیک ہو ناں؟"۔

"ہاں...... بالکل ٹھیک ہوں...... لالہ جی کہاں ہیں؟"۔

دلاری نے بتایا کہ لالہ جی ابھی تک ڈنر سے واپس نہیں آئے...... اب دلاری اس

سے پوچھنے لگی کہ ایسی کون سی مصیبت آن پڑی تھی کہ اسے اکیلے بھاگنا پڑا...... عمران نے دلاری کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

میری جان! کل بتاؤں گا۔

دلاری اتنے میں ہی خوشی سے نہال ہو رہی تھی کہ عمران اس سے محبت کا اظہار بڑی گرم جوشی سے کرنے لگا تھا۔

دوسرے دن عمران امام صاحب کے ہاں گیا تو ان کے حجرے کو تالا لگا ہوا تھا...... عمران مسجد میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا...... وہ نماز کا وقت نہیں تھا...... مسجد خالی پڑی تھی...... تھوڑی دیر میں امام صاحب بھی تشریف لے آئے...... انہوں نے عمران کو دیکھا تو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا...... وہ تالا کھول کر حجرے میں چلے گئے عمران بھی ان کے پیچھے حجرے میں آگیا...... امام صاحب نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگادی اور بتی جلادی...... کہنے لگے۔

”بیٹھ جاؤ...... میں ابھی ابھی اپنے خاص آدمی سے ہی مل کر آرہا ہوں“۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا کوئی انتظام ہوا؟“۔

امام صاحب کہنے لگے۔

”یہ آدمی دھماکہ خیز بم تیار کرنے کا ماہر ہے مگر اس کا سارا کام دیسی ساخت کا ہوتا ہے، لیکن آدمی بہت کاریگر ہے...... جب میں نے اسے بتایا کہ ہمیں چھوٹے سے چھوٹے سائز کا ٹائم بم درکار ہے تو کہنے لگا...... میں چھوٹے سے چھوٹے سائز میں ایک بال پوائنٹ کے سائز کا بم تیار کردوں گا مگر یہ گارنٹی نہیں دے سکتا کہ وہ عین وقت پر ضرور پھٹے گا...... بڑے سائز کے بم میں لگایا ہوا کلاک تو ٹھیک کام کرتا ہے اور بم طے شدہ وقت پر پھٹ جاتا ہے لیکن بال پوائنٹ سائز کے بم کی میں گارنٹی نہیں دے سکتا...... وہ پھٹ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی پھٹ سکتا“۔

کمانڈو عمران بڑی توجہ سے امام صاحب کی بات سن رہا تھا...... امام صاحب کہنے لگے۔

”اگر تم کہو تو وہ آدمی بال پوائنٹ سائز کا بم تیار کر دے گا...... اب جیسے تمہاری

رضی“۔

عمران سوچنے لگا کہ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے...... ممکن ہے بم وقت پر پھٹ

ائے، کیونکہ اس کے سامنے دوسرا کوئی وسیلہ نہیں تھا...... دوسرا کوئی راستہ نہیں

ا...... سوائے امام صاحب کے دوسرا کوئی آدمی اسے وہاں نہ تو جانتا تھا اور نہ اس سے

ں کا رابطہ ہی تھا...... اس نے امام صاحب سے کہا۔

”محترم! لگتا ہے مجھے یہ چانس لینا ہی پڑے گا...... آپ اپنے آدمی سے کہیں کہ وہ

ب بال پوائنٹ بم تیار کر دے...... وہ کتنی دیر میں یہ کام کر دے گا“۔

امام صاحب بولے۔

”وہ کہہ رہا تھا کہ میں ایک بال پوائنٹ ٹائم بم چھ سات گھنٹوں میں تیار کر دوں گا“۔

عمران نے کہا۔

”تو پھر اسے کہئے کہ وہ آج ہی یہ کام کرنا شروع کر دے...... میں کل شام کو آکر لے جاؤں گا...... کیا مجھے بال پوائنٹ بم لینے کے لئے اس آدمی کے ہاں جانا ہوگا؟“۔

امام صاحب بولے۔

”تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میں کل اس سے لیتا آؤں تم کل عصر کی نماز کے بعد میرے پاس آجانا تمہاری امانت میرے پاس محفوظ

ں ہوگی“۔

دوسرے روز عمران عصر کی نماز کے بعد امام صاحب کی خدمت میں حاضر

ئیا...... وہ حجرے کے باہر مسجد کے صحن میں بیٹھے کسی کتاب کے مطالعے میں

روف تھے...... عمران کو دیکھا تو اشارہ کیا کہ وہ حجرے کے عقبی دروازے کی طرف

ئے...... عمران وہیں سے مسجد کی پچھلی گلی کی طرف ہو گیا...... انہوں نے حجرے کا

پچھلا دروازہ کھول دیا تھا...... عمران اندر گیا تو امام صاحب نے دروازہ بند کر کے کنڈ لگا دی...... اور عمران کے سامنے بیٹھ گئے...... وہ کہنے لگے

"تمہاری امانت میں لے آیا ہوں"۔

اس کے بعد انہوں نے چارپائی کے نیچے سے ایک ٹین کا سوٹ کیس باہر نکال کھولا اور اس میں سے رومال میں لپٹا ہوا کالے رنگ کا عام سائز کا ایک بال پوائنٹ نکا کر عمران کو دیا اور کہنے لگے۔

"اپنے آدمی کا کہنا ہے کہ اگر یہ بم وقت پر چل گیا تو جہاں سے پھٹے گا وہاں پانچ گز کے اندر کوئی چیز سلامت نہیں رہے گی اور کئی فٹ گہرا گڑھا پڑ جائے گا"۔

کمانڈو عمران بال پوائنٹ کو دیکھنے لگا...... اس قسم کا بم وہ پہلے بھی ایک دو معرک میں استعمال کر چکا تھا، مگر وہ بال پوائنٹ بم یورپ کی آرسنل فیکٹریوں کے تیار کر تھے، جبکہ یہ بال پوائنٹ دیسی ساخت کا تھا اور لگتا تھا کہ اسے گھر میں بیٹھ کر بنایا ہے...... اس نے امام صاحب سے پوچھا۔

"اس کا کلاک پوائنٹ کہاں ہے؟"۔

امام صاحب نے بال پوائنٹ کے کلپ کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔

"صرف اس کے کلپ کو دوبارہ دبانا ہوگا...... اس سے بم کے پھٹنے کا دو متعین ہو جائے گا جو اپنے آدمی کے کہنے کے مطابق ایک گھنٹے کا ہوگا، یعنی اس کے کل کو دوبارہ دبانے کے ایک گھنٹے بعد یہ بم پھٹ جائے گا"۔

"اگر یہ پھٹ گیا تو...... عمران نے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا"۔

امام صاحب بولے۔

"اپنے آدمی نے اس کی گارنٹی تو نہیں دی لیکن اتنا ضرور کہا ہے کہ امکا پچاس فی صدی ہیں...... چل بھی سکتا ہے اور نہیں بھی چل سکتا...... اس کی وج نے یہ بتائی ہے کہ اس کی ٹیکنالوجی بڑی نازک اور پیچیدہ ہے جس کے لئے غی

مشینری کی ضرورت تھی جو میسر نہیں...... اس وجہ سے عین وقت پر اس میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے"۔

کمانڈو عمران نے بال پوائنٹ کو رومال میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور امام صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے واپس لالہ ٹیکم چند کے بنگلے میں واپس آگیا، اسی رات لالہ جی کی زبانی معلوم ہوا کہ چندن پور والے جنگل کے ایمونیشن ڈپو میں اگنی میزائلوں کی کھیپ آنی شروع ہو گئی ہے...... بعد میں دلاری کی زبانی بھی اس کی تصدیق ہو گئی...... اپنے اس مشن میں عمران دلاری کو شریک نہیں کر سکتا تھا...... یہ اس کا وہ اہم ترین مشن تھا جس کی خاطر عمران نے دلاری سے عشق و محبت کا ڈرامہ رچایا تھا اور جس کی وجہ سے وہ وہاں اتنی دیر سے بیٹھا ہوا تھا۔

دلاری نے عمران کو بتایا کہ لالہ جی دو تین دن غیر حاضر رہیں گے، کیونکہ چندن پور میں انہوں نے جو ایمونیشن ڈپو تعمیر کیا ہوا ہے وہاں فوجی کانوائے آنا شروع ہو گئے ہیں...... دلاری کو لالہ ٹیکم چند فوجی ٹھیکیدار نے اگنی میزائلوں کے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ انہیں فوجی کانوائے لے کر آ رہا ہے...... اس سے زیادہ اس نے دلاری کو کچھ نہیں بتایا تھا...... کمانڈو عمران چاہتا تھا کہ دلاری کے ذریعے اگنی میزائلوں کی سپلائی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرے لیکن اس خیال سے کہ کہیں دلاری کو شک نہ پڑ جائے وہ زیادہ کرید بھی نہیں سکتا تھا...... تیسرے دن لالہ جی بنگلے پر واپس آئے تو ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کا کام مکمل ہو گیا ہے اور اب وہ واپس دلی جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں...... کمانڈو عمران چوکس ہو گیا...... بال پوائنٹ بم اس کے پاس موجود تھا...... صرف اسے اگنی میزائل ڈپو کے اندر کسی طرح پھینک دینا تھا...... بظاہر یہ ایک معمولی سا کام تھا لیکن عملی طور پر ایک انتہائی مشکل اور بہت حد تک ناممکن کام تھا......

چندن پور کے اس میزائل ڈپو میں جسے بھارتی حکام نے خفیہ رکھا ہوا تھا حفاظتی انتظامات بقول لالہ ٹیکم چند اتنے سخت تھے کہ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی تھی۔

کمانڈو عمران اگر کسی تدبیر پر عمل کرتے ہوئے دن کے وقت وہاں چلا بھی جا
بیرک میں مقیم بھارتی یونٹ کا صوبیدار میجر اور اس کی گشتی پارٹی کے سپاہی اسے پہچا
سکتے تھے اور وہ مجاہدین کے فرار کے سلسلے میں پہلے ہی سے اس کی تلاش میں تھے۔
عمران کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کام اسے اکیلے ہی کرنا ہوگا اور ا
مشن کو رات کی تاریکی میں سرانجام دینا ہوگا تاکہ کوئی اسے شناخت نہ کر سکے...... ا
دلاری اور لالہ ٹیکم چند اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے...... ان سے عمران
جو کام لینا تھا وہ لے لیا تھا...... یہ لوگ اب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔
اس کے سامنے صرف اس کا ٹارگٹ تھا جہاں رات کے اندھیرے میں کسی طرح پہنچ
اس کو بال پوائنٹ بم میزائلوں کے نوتعمیر شدہ ڈپو کے اندر پھینکنا تھا...... اس مشن کے
لئے ضروری تھا کہ عمران ایک رات پہلے ٹارگٹ کا سروے کرے اور یہ دیکھے سیکو
کے انتظامات کس قسم کے ہیں اور کامیابی کے امکانات کتنے فی صد ہیں۔

ٹارگٹ اس نے دیکھا ہوا تھا...... جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں...... جب
ایمونیشن ڈپو تیار ہو رہا تھا تو کمانڈو عمران دلاری کے ساتھ اسے دیکھنے گیا تھا...... ا
نے نوٹ کیا تھا کہ ایمونیشن ڈپو ایک بڑے ہال کمرے کی شکل میں ہے جس سے دو
فٹ کے فاصلے پر فوجی یونٹ کی دو بیرکیں ہیں...... ایمونیشن ہال کا صرف ایک
گیٹ ہے جو لوہے کا ہے...... دوسرا کوئی گیٹ نہیں رکھا گیا...... اس کے پیچھے ہال
عقبی دیوار میں ساتھ ساتھ بنے ہوئے تین روشن دان تھے جو تازہ ہوا کے اخراج کے
بنائے گئے تھے...... یہ روشن دان زمین سے پندرہ سولہ فٹ بلند تھے اور ان میں لوہے
سلاخیں لگی ہوئی تھیں...... صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں سے بال پوائنٹ بم
کمرے کے اندر پھینکا جا سکتا تھا...... کمانڈو عمران صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہاں سیکو
کی کیا صورت حال ہے۔

اسی روز شام سے ذرا پہلے عمران دلاری کی گاڑی لے کر نکل گیا...... دلاری

اس نے کہا کہ وہ شہر میں اپنے لئے ایک نئی قمیض خریدنے جا رہا ہے...... اسے معلوم تھا
کہ دلاری اس کے ساتھ جانے پر اصرار نہیں کرے گی کیونکہ اس کا عاشق زار لالہ ٹیکم
چند اس وقت بنگلے میں موجود تھا...... دلاری نے عمران کو صرف اتنا کہا کہ جلدی واپس
آجانا...... عمران گاڑی کو شہر سے نکال کر غیر آباد علاقے کی جانب سے چندن پور کی
طرف روانہ ہو گیا...... اس علاقے کا وہ ایک دفعہ پہلے سروے کر چکا تھا...... وہ مختلف
دیہاتی بستیوں اور جھگیوں کے قریب سے ہوتا ہوا اس چھوٹے سے ٹیلے کے عقب میں
پہنچ گیا جہاں سے چندن پور کا جنگل شروع ہوتا تھا اور جس کے عقب میں فوج کا
ایمونیشن ڈپو اور بھارتی یونٹ کی بیرکیں تھیں...... عمران عام لباس میں تھا...... اس
کے پاس کوئی قابل اعتراض چیز بھی نہیں تھی...... احتیاط کے طور پر اس نے بنگالی شاعر
ٹیگور کی انگریزی نظموں کی کتاب اپنے پاس رکھ لی تھی۔

گاڑی اس نے ایک محفوظ جگہ پر کھڑی کر دی اور ٹیلے کا جائزہ لیا...... آسمان پر ہلکے
ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے...... دن ڈھلنا شروع ہو چکا تھا...... دن کی روشنی ماند پڑنے
لگی تھی...... ٹیلے کے اردگرد خاموشی چھائی ہوئی تھی...... یہ ٹیلہ چندن پور کے جنگل کا
پہلا ٹیلہ تھا...... اس ٹیلے کی دوسری جانب وہ ایمونیشن ہال تھا جس کے اندر اگنی
میزائلوں کی پوری کھیپ پہنچ چکی تھی...... یہ وہی اگنی میزائل تھے جنہیں بہت جلد
کارگل سیکٹر کے محاذ پر منتقل کیا جانا تھا...... عمران نے دیکھا کہ ٹیلے کی اس جانب سیکورٹی
کے کوئی آثار نہیں تھے، لیکن کسی خفیہ فوجی مورچے کے امکان کو نظرانداز نہیں کیا
جا سکتا تھا...... اس کے باوجود عمران کو ہر حالت میں ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنا تھا...... گاڑی
اس نے جھاڑیوں کے عقب میں کھڑی کی تھی اور گاڑی بند کر کے وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا
کتاب پڑھتا رہا...... اس خیال سے کہ اگر وہاں بھارتی فوج نے سیکورٹی کا کوئی بندوبست
کر رکھا ہوگا تو کوئی نہ کوئی فوجی کسی نہ کسی طرف سے نکل کر اس سے پوچھ گچھ کرنے
ضرور آئے گا۔

عمران دس پندرہ منٹ تک وہاں بیٹھا ٹیگور کی نظموں کا مطالعہ کرتا رہا...... اس دوران سیکورٹی کا کوئی آدمی، کوئی سپاہی اس کے قریب نہ آیا...... اس نے کتاب بند کر کے ہاتھ میں پکڑ لی، درخت کی ایک چھڑی توڑ کر دوسرے ہاتھ میں لے لی اور چھڑی کو جھاڑیوں پر مارتا بظاہر بڑی بے نیازی کے موڈ میں ٹیلے کے ساتھ ساتھ پیچھے کی جانب چلنے لگا...... وہ اپنے آپ کو کالج کا سٹوڈنٹ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو شہر کے شوروغل سے نجات حاصل کر کے وہاں کتاب کا مطالعہ کرنے آگیا ہے...... ٹیلے کے عقب میں آکر اس نے ایک نظر پیچھے دیکھا اور ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے لگا...... ٹیلے پر جھاڑیاں اور اونچی اونچی گھاس اگی ہوئی تھی...... کمانڈو عمران ان کی اوٹ لیتا ٹیلے کی چوٹی پر آکر بیٹھ گیا...... ایک دو منٹ تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا...... پھر اٹھا اور جھک کر آگے بڑھا جہاں سے ٹیلے کی دوسری جانب کی ڈھلان شروع ہوتی تھی وہاں پھر بیٹھ گیا اور نیچے دیکھا۔

اس کا ٹارگٹ نیچے تھوڑی دوری پر موجود تھا...... یہ ایک ڈھلواں چھت والی اونچی عمارت تھی...... عمران نے اسے پہچان لیا...... یہ چندن پور والا خفیہ فوجی ایمونیشن سٹور تھا...... غروب ہوتے سورج کی روشنی میں اسے ایمونیشن سٹور کے ہال کی عقبی دیوار کے تینوں سلاخوں والے روشن دان صاف نظر آ رہے تھے...... ان میں سے ایک روشن دان میں سے اس نے ٹائم بم اندر پھینکنا تھا...... دیوار کے آس پاس کوئی فوجی نہیں تھا...... دوسری جانب سے دو سپاہیوں کی آپس میں اونچی آواز میں باتیں کرنے اور ہنسنے کی آواز سنائی دی...... عمران پانچ سات منٹ تک وہیں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھا اپنے ٹارگٹ کا جائزہ لیتا رہا...... اس وقت وہاں کوئی پٹرول پارٹی گشت کرتی دکھائی نہیں دے رہی تھی...... ہو سکتا ہے رات کو اس قسم کی کوئی پارٹی گشت کرتی ہو...... یہ سوچ کر وہ خاموشی سے اٹھا اور جھک جھک کر چلتا ٹیلے سے نیچے اتر آیا...... درختوں کے جھنڈ میں جاکر گاڑی میں بیٹھا اور واپس روانہ ہو گیا...... ٹارگٹ کا اس نے

مشاہدہ کر لیا تھا...... بظاہر ایسے لگتا تھا کہ وہ اسے آسانی سے مار لے گا، لیکن عین ممکن تھا کہ رات کو وہاں سیکورٹی سخت کر دی جاتی ہو، لیکن کمانڈو عمران کو ہر حالت میں اگنی میزائل کے اس ایمونیشن سٹور کو اڑانا تھا، کیونکہ چند روز کے اندر اندر یہاں سے ان میزائلوں کی کارگل کے محاذ پر انڈین آرمی کو سپلائی شروع ہونے والی تھی جس کو ہر حالت میں ناکام بنانا عمران کا فرض تھا۔

گاڑی میں بیٹھا دلاری کے بنگلے پر واپس آتے ہوئے وہ اس بات پر حیران ضرور تھا کہ ٹیلے کے عقب میں سیکورٹی کا ایک بھی بھارتی سپاہی اسے دکھائی نہیں دیا تھا...... ان ہی خیالات میں الجھا وہ رات ہونے سے پہلے پہلے دلاری کے بنگلے پر پہنچ گیا...... گاڑی بنگلے کے احاطے میں ایک طرف کھڑی کی اور غسل خانے کے پچھلے دروازے میں سے اپنے بیڈروم میں آگیا...... اس نے کمانڈو آپریشن کے لئے اسی رات کا وقت طے کر لیا تھا...... وہ تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا...... حالات اگر سازگار تھے تو وہ فوری طور پر ایکشن کر دینا چاہتا تھا...... اس نے بیڈروم میں آکر الماری کے نیچے سے رومال میں لپٹا ہوا ٹائم بم نکال کر اسے غور سے دیکھا...... یہ سیاہ رنگ کا بال پوائنٹ اسے بے حقیقت سا لگ رہا تھا...... اس کے کلپ کو صرف دوبار دبانا ہی تھا...... خدا جانے دبانے کے ایک گھنٹے بعد وہ چلتا بھی ہے یا نہیں...... چانس ففٹی ففٹی تھا...... کمانڈو عمران نے آسمان کی طرف چہرہ اٹھا لیا...... یا میرے مولا! میری لاج رکھ لینا...... اس نے ٹائم بم کو جلدی سے رومال میں لپیٹ کر اپنی قمیض کی جیب میں بڑی احتیاط کے ساتھ رکھ لیا...... اس کی پتلون سامنے ٹنگی ہوئی تھی...... عمران نے اس کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا...... اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا...... کمانڈو ایکشن کے بعد اگر وہ زندہ بچ کر نکل آتا ہے تو اسے وہاں سے فرار ہو کر واپس دلی حاجی صاحب کے ہاں پہنچنا تھا......

اگر بال پوائنٹ ٹائم بم ایمونیشن سٹور میں پھینک دینے کے ایک گھنٹے بعد پھٹ

جاتا ہے تو کمانڈو عمران کے پاس صرف ایک گھنٹے کا وقفہ تھا جس کے دوران اسے ایک بہت بڑے آتش فشاں کے پھٹتے ہوئے آگ اگلتے ہوئے بارود اور دہکتے ہوئے آہنی ٹکڑوں سے بچ کر نکلنا تھا...... بڑا مشکل کام تھا، مگر کمانڈو عمران کو اس کی پروا نہیں تھی کہ ایمونیشن سٹور کے پھٹنے کے بعد اس کے ساتھ کیا گزرتی ہے...... زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اگنی میزائلوں کے دھماکوں کی زد میں آجائے اور اس کے پرخچے اڑ جائیں...... اسے اس کی پروا نہیں تھی...... اس سے زیادہ اس کی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس کا جسم جہاد کشمیر اور اللہ کی خوشنودی میں قربان ہو جائے۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں...... مسلمان کمانڈو کبھی موت سے نہیں ڈرتا، بلکہ موت اس سے ڈرتی ہے...... ایک کلمہ گو مسلمان کمانڈو جوان موت پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہی اپنے مشن کے لئے نکلتا ہے۔

کمانڈو عمران کو سفر کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی...... اس کو اپنی ایک پرانی پتلون کا خیال آگیا جو اس کے بیڈ روم کی الماری کے نچلے خانے میں بند تھی...... اس کو یاد آگیا کہ اس نے اس پتلون میں کچھ روپے سنبھال کر رکھے تھے...... عمران نے جلدی سے الماری میں سے پرانی پتلون نکال کر اس کی جیبوں کی تلاشی لی...... وہ بہت خوش ہوا...... پتلون کی خفیہ جیب میں سے ڈیڑھ پونے دو سو روپے کے قریب انڈین کرنسی نوٹ نکل آئے...... اس نے اس رقم کو اپنی اس پتلون کی جیب میں سنبھال کر رکھ لیا جو اس نے آج رات کو پہن کر اپنے مشن پر روانہ ہونا تھا...... دروازے پر دستک ہوئی......

یہ دلاری کی دستک تھی...... اس نے کہا۔

"آجاؤ"۔

دلاری اندر آگئی۔

"تم کس وقت آئے؟ میں نے تو اب باہر گاڑی کھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ تم آگئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"تھوڑی دیر ہوئی آیا ہوں...... تم سناؤ واپسی کا کیا پروگرام ہے؟"۔

عمران کو اب ان لوگوں کی واپسی کے کسی پروگرام سے کوئی سروکار نہیں تھا...... اس کی طرف سے وہ جہاں چاہیں جائیں...... وہ ان سے آدھی رات کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا تھا، لیکن دلاری سے وہ اس قسم کی باتیں نہیں کر سکتا تھا...... دلاری اس کے پاس آکر پلنگ پر بیٹھ گئی...... عمران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے پیار سے سہلاتے ہوئے بولی۔

"لالہ جی تو کل صبح کی فلائٹ سے دلی چلے جائیں گے...... ہم لوگ کل نہیں تو پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے...... میں تو کہتی ہوں کہ ہمیں یہاں سے بھوپال جانے کی کیا ضرورت ہے...... ہم یہاں سے سیدھے بمبئی کیوں نہیں چلے جاتے...... آخر بھوپال سے بھی تو ہمیں بمبئی ہی جانا ہوگا"۔

دلاری بے چاری یہ خواب دیکھ رہی تھی کہ وہ عمران کو ساتھ لے کر بمبئی میں اپنی سہیلی کے ہاں چلی جائے گی اور وہاں دونوں شادی کر لیں گے۔

عمران کے لئے بھوپال بمبئی ایک برابر تھا...... اس نے کہا۔

"اچھا خیال ہے...... ہم یہاں سے سیدھے بمبئی تمہاری سہیلی کے ہاں چلے جائیں گے"۔

"اور وہاں جا کر بیاہ کے پوتر بندھن میں بندھ جائیں گے"۔

اتنا کہنے کے بعد دلاری نے شرما کر سر نیچے کر لیا...... عمران کو اس وقت دلاری پر بڑا ترس سا آگیا...... وہ بے چاری کیا سوچ رہی تھی...... کن حسین خیالوں کے خواب بن رہی تھی اور حقیقت میں جو کچھ ہونے والا تھا اس کی اسے کچھ خبر نہیں تھی......

دلاری نے چہرہ اٹھا کر عمران کی طرف دیکھا اور بولی۔

"تمہیں مجھ سے بیاہ کر کے افسوس نہیں ہوگا ناں؟"۔

عمران نے اسے اپنے ساتھ لگالیااور کہا۔

"مجھے تو خوشی ہوگی"۔

عمران نے ایک نظر دیوار پر لگے کلاک کو دیکھا...... گھڑی رات کے سوا آٹھ بجا رہی تھی...... وہ رات بارہ بجے کے بعد وہاں سے نکلنا چاہتا تھا...... کمانڈو ایکشن کے لئے ا یہی وقت موزوں تھا...... اسے ابھی پونے چار گھنٹے اس بنگلے میں دلاری کے پاس گزارنے تھے، مگر دلاری رات ساڑھے نو بجے کے بعد ہی اس سے جدا ہو کر لالہ جی کے پاس چلی گئی...... جاتے ہوئے کہہ گئی کہ اب صبح ملیں گے...... عمران کو معلوم تھا کہ اب وہ صبح نہیں آئے گی جب ان دونوں کی پھر ملاقات ہو...... خدا جانے اگر ملاقات ہو بھی تو کن حالات میں کہاں پر ہو، لیکن اس کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا...... دلاری کے جانے کے بعد کمانڈو عمران نے اپنے مشن پر سوچ بچار شروع کر دی...... اس بظاہر بالکل سیدھے مگر حقیقت میں انتہائی پیچیدہ مشن کے تمام پہلوؤں پر عمران غور کر رہا تھا...... کھانا اس نے بیڈروم میں ہی منگوا کر کھالیا تھا...... گاڑی کی چابی دلاری اپنے بیڈ روم کے سنگار میز کے دراز میں رکھتی تھی...... یہ گاڑی اصل میں فوجی ٹھیکیدار لالہ ٹیکم چند کی تھی، اس کی رجسٹریشن بھی لالہ جی کے نام ہی تھی...... اس لحاظ سے اگر جائے واردات کے قریب گاڑی ملٹری پولیس کے ہاتھ آجاتی ہے تو پولیس نے لالہ جی ہی کو حراست میں لینا تھا۔

رات گزرتی جارہی تھی...... گیارہ بجے کے بعد بنگلے کی تمام فالتو بتیاں حسب معمول بجھادی گئیں...... وہ رات بھی دلاری نے لالہ جی کے ساتھ ان کے بیڈروم میں گزارنی تھی...... چنانچہ دلاری کا بیڈروم خالی تھا...... گیارہ بجے کے بعد جب ہال کی بتیاں بھی گل ہو گئیں تو عمران اپنے کمرے سے نکل کر دلاری کے بیڈ روم کی طرف بڑھا...... اسے گاڑی کی چابیوں کی ضرورت تھی...... ڈائننگ روم میں سے گزر کر وہ چھوٹی راہداری سے گزر کر دلاری کے بیڈروم میں آگیا...... دلاری حسب توقع وہاں

موجود نہ تھی...... دھیمی روشنی والا ٹیبل لیمپ روشن تھا...... عمران سنگار میز کے درازوں کو دیکھنے لگا...... اسے ایک جگہ گاڑی کی چابیاں مل گئیں...... چابیاں جیب میں ڈال کر عمران اپنے بیڈروم میں واپس آگیا...... وہ رات کے بارہ بجنے کا انتظار کرنے لگا...... بنگلے پر خاموشی طاری تھی...... عمران نے کرتہ پاجامہ اتار کر پتلون اور بش شرٹ پہن لی...... بال پوائنٹ ٹائم بم بش شرٹ کی سامنے والی جیب میں اس طرح لگالیا جس طرح انڈی پن لگایا جاتا ہے...... تھوڑی بہت رقم کرنسی نوٹوں کی شکل میں جو اس کے پاس تھی وہ بھی اس نے جیب میں رکھ لی۔

جب دیوار پر لگے ہوئے کلاک نے رات کے پورے بارہ بجائے تو کمانڈو عمران اللہ کا نام لے کر بستر سے اٹھا...... گاڑی کی چابیاں نکال کر ہاتھ میں پکڑیں اور غسل خانے کے دروازے میں سے باہر نکل گیا...... لالہ ٹیکم چند کی گاڑی بنگلے کے احاطے میں ایک طرف کھڑی تھی...... گاڑی میں بیٹھ کر عمران نے آہستہ سے چابی لگا کر گھمائی اور گاڑی کو بنگلے سے نکال کر باہر لے آیا...... اب اسے یہ فکر نہیں تھی کہ گاڑی کی آواز پر کوئی جاگ تو نہیں پڑے گا...... یا دلاری کیا سوچے گی کہ عمران آدھی رات کو گاڑی لے کر کہاں جارہا ہے...... اس کا اس بنگلے اور دلاری کے ساتھ رشتہ ختم ہو چکا تھا۔

اس نے گاڑی اسی سڑک پر ڈال دی جس سڑک پر سے گزر کر وہ ٹارگٹ کا مشاہدہ کرنے شام کو گیا تھا...... یہ سارا علاقہ غیر آباد اور شہر سے باہر کا علاقہ تھا...... سڑک بھی پکی نہیں تھی...... اس پر کوئی ٹریفک نہیں تھی...... بجلی کے کھمبے بھی نہیں لگے تھے...... رات کی تاریکی میں گاڑی کی ہیڈ لائٹیں اسے راستہ دکھا رہی تھیں...... ٹارگٹ کے قریب پہنچ کر عمران نے گاڑی کی بتیاں بجھادیں اور گاڑی کی سپیڈ بھی کم کر دی...... گاڑی کو آہستہ آہستہ چلاتا وہ اسے ٹیلے سے دور لے گیا...... اس گاڑی کو وہ کچی سڑک کے کنارے ایک طرف اونچی اونچی جھاڑیوں کے پیچھے لے آیا...... گاڑی کا انجن بند کر کے وہ کچھ دیر ڈرائیونگ سیٹ پر ہی بیٹھا رہا...... وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ٹیلے کی

جانب رات کو گشت کرنے والی کوئی پٹرول پارٹی تو کسی طرف سے نہیں آ رہی...... کچھ دیر وہ خاموشی سے بیٹھا رہا...... اسے کوئی انسانی آواز بھی کسی جانب سے آتی سنائی نہیں دی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ بھارتی فوج کی پٹرول پارٹی اس طرف گشت نہیں لگا رہی...... جب اسے اطمینان ہو گیا کہ فضا کافی حد تک ساز گار ہے تو وہ گاڑی سے باہر نکل آیا...... اس نے اندھیرے میں ایک نگاہ ٹیلے پر ڈالی اور پھر کسی جنگلی بلے کی طرح جھک کر ٹیلے کی طرف بڑھا۔



وہ بے حد محتاط ہو کر چل رہا تھا۔

ٹیلے کی جھاڑیاں رات کے اندھیرے میں چھوٹے چھوٹے بھوتوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں جو بیٹھے بیٹھے پتھر ہو گئے ہوں...... عمران ان کے درمیان سے ہو کر ٹیلے پر چڑھ رہا تھا...... ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر وہ وہیں بیٹھ گیا...... اور سامنے کی جانب دیکھا...... کچھ دوری پر فوجی بیرکوں کے باہر روشنی ہو رہی تھی...... وہاں صرف ایک سپاہی گارڈ ڈیوٹی دے رہا تھا...... آس پاس کوئی دوسرا سپاہی نہیں تھا، لیکن ایمونیشن سٹور کے آہنی گیٹ کے باہر ظاہر ہے کہ تین چار فوجی ضرور پہرہ دے رہے تھے...... کمانڈو عمران کو اس طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی...... اس نے جو کچھ کرنا تھا ایمونیشن سٹور کے عقب میں ہی کرنا تھا...... عمران نے ٹیلے کی دوسری جانب جھانک کر دیکھا...... ٹیلے کی ڈھلان پر ایمونیشن سٹور کی پچھلی دیوار کے تینوں روشندانوں میں سے دھیمی دھیمی روشنی باہر آ رہی تھی...... ان میں سے درمیان والا روشندان عمران کا ٹارگٹ تھا...... اسے اپنا سارا ایکشن ٹائم بم کا کلپ دبانے کے بعد پانچ منٹ کے اندر اندر پورا کرنا تھا...... پانچ منٹ کے اوپر اگر وقت لگتا ہے تو وہ عمران کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ ڈھلان سے نیچے اتر آیا اور اس جگہ پر رک گیا جہاں درمیان والا روشندان عمران سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر بالکل سامنے تھا...... وہ وہیں بیٹھ گیا...... اس نے غور سے روشن دان کی سلاخوں کو دیکھا...... روشندان میں پانچ سلاخیں لگی ہوئی

تھیں...... ہر سلاخ کے درمیان پانچ چھ انچ کا فاصلہ تھا...... عمران نے گردوپیش کا جائزہ لیا...... بظاہر اسے کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا تھا...... اس طرف سے کوئی فوجی پٹرول پارٹی بھی ابھی تک نہیں گزری تھی...... اس نے جیب سے بال پوائنٹ نکال لیا...... بال پوائنٹ رومال میں لپٹا ہوا تھا...... عمران نے تین روڑے اٹھا کر رومال میں بال پوائنٹ بم کے ساتھ رکھ کر اس کی پوٹلی بنا کر اوپر گانٹھ لگا دی...... بال پوائنٹ کا کلپ اوپر کی جانب تھا...... اب اس بال پوائنٹ بم کو روشندان کی سلاخوں میں سے ایمونیشن سٹور کے اندر پھینکنا تھا...... یہ کام انتہائی پیچیدہ بھی تھا اور آسان بھی تھا...... پہلی بار بال پوائنٹ سلاخوں کی طرف پھینکنے سے بال پوائنٹ سلاخوں میں سے ہال کے اندر جا سکتا تھا اور تین چار باہر پھینکنے سے بھی سلاخوں میں سے اندر نہیں جا سکتا تھا...... یہ محض ایک چانس تھا...... دوسرا کوئی طریقہ نہیں تھا...... اگر عمران بال پوائنٹ کا کلپ دوبار دبا دیتا ہے تو ہر حالت میں بال پوائنٹ بم کو تین چار منٹ کے اندر اندر سلاخوں میں سے ایمونیشن سٹور میں داخل ہو جانا چاہئے تھا...... ٹائم بم کا کلپ دبانے کے بعد عمران اسے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ کلپ دبانے کے ساٹھ منٹ بعد بم کو (اگر وہ چل جاتا ہے) تو پھٹ پڑنا تھا اور اپنے ساتھ اگنی میزائلوں کے پورے آتش فشاں پہاڑ کو دھماکے سے اڑا دینا تھا...... اس دوران عمران کو ٹیلے سے اتر کر اپنی گاڑی تک جانا تھا اور پھر گاڑی کو اس علاقے سے کم از کم تین میل دور لے جانا تھا، کیونکہ اگنی میزائلوں کے ایمونیشن نے پھٹ کر کم از کم تین میل کے اندر اندر تباہی مچا دینی تھی اور وہاں کسی انسان کا زندہ سلامت رہنا ناممکن تھا۔

ٹائم بم کی پوٹلی عمران کے ہاتھ میں تھی اور اس کی نگاہیں سامنے روشن دان کی سلاخوں پر جمی ہوئی تھیں...... وہ اپنے ذہن میں کسی ایسے زاویئے کا تعین کر رہا تھا جس زاویئے سے اگر وہ بال پوائنٹ بم کی پوٹلی کو پھینکتا ہے تو وہ سلاخوں کے اندر چلی جائے اور سلاخوں سے ٹکرا کر نیچے نہ گر پڑے...... کمانڈو عمران نے اس وقت تک جتنے کمانڈو

آپریشن کئے تھے ان میں یہ پہلا آپریشن تھا کہ جب ایکشن سے پہلے اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا...... اسے یہ خوف بالکل نہیں تھا کہ اس آپریشن میں اس کی جان چلی جائے گی...... پریشانی اسے اس بات کی تھی کلپ دبانے کے بعد اگر بال پوائنٹ بار بار پھینکنے سے بھی سلاخوں کے اندر نہ گیا یا پوٹلی کا سائز سلاخوں کے درمیان خلا سے زیادہ نکل آیا تو پھر کیا ہو گا...... پھر اسے بال پوائنٹ وہیں پھینک کر وہاں سے واپس جانا پڑتا جو اسے ہرگز گوارا نہیں تھا، کیونکہ بم کے باہر پھٹنے سے یہ ضروری نہیں تھا کہ ایمونیشن سٹور کے اندر کا اسلحہ بھی پھٹتا...... زیادہ سے زیادہ ایمونیشن سٹور کی دیوار اڑ سکتی تھی۔

وہاں زیادہ دیر رکنا بھی اس کے آپریشن کو ناکام بنا سکتا تھا...... وہاں کسی بھی وقت بھارتی فوجیوں کی کوئی گشتی پارٹی نمودار ہو سکتی تھی...... وہ دشمن کے سینے پر آ کر بیٹھ گیا تھا اور وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا...... عمران نے نظروں ہی نظروں میں سلاخوں کا ایک خاص زاویہ متعین کر لیا اور بال پوائنٹ بم کی پوٹلی اپنے سیدھے ہاتھ میں تھام لی...... وہ بم کا کلپ دبانے لگا لیکن پھر رک گیا اور ایک بار پھر فاصلے اور اپنے زاویئے کا از سر نو جائزہ لینے لگا...... لیکن آخر اسے چانس لینا ہی تھا...... دوسری بار ٹائم بم کا کلپ دبانے لگا تو پھر رک گیا...... اس نے دل میں تین بار الحمد شریف پڑھی اور خدا سے دعا مانگی کہ یا میرے مولا تو ہی میرا مددگار ہے...... اس کے ساتھ ہی اس نے اللہ کا نام لے کر بال پوائنٹ کے کلپ کو دوبارہ دبا دیا...... کلپ دبانے کے بعد اسے گھبرا جانا چاہئے تھا، مگر عجیب بات ہے کہ کلپ دبانے کے بعد اس کے ذہن کی کیفیت پرسکون ہو گئی تھی...... اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ سیدھا ہاتھ اوپر اٹھایا...... دو تین بار اسے آگے پیچھے کیا اور پھر یا اللہ مدد کے ورد کے ساتھ بال پوائنٹ بم کی پوٹلی کو روشن دان کی طرف اچھال دیا...... اسے پوٹلی کے سلاخوں سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی...... اس نے ساکت نظروں سے روشندان میں سے نکلتی روشنی میں دیکھا کہ بال پوائنٹ بم کی پوٹلی ایک سلاخ سے ٹکرانے کے بعد دوسری سلاخ کے ساتھ لگ کر ایمونیشن سٹور کے

اندر چلی گئی تھی۔

کمانڈو عمران کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا..... اسے ہرگز امید نہیں تھ
کہ وہ پہلی کوشش میں کامیاب ہو جائے گا، مگر خدا کی مدد اس کے ساتھ تھی اور ہا
پوائنٹ بم پہلی ہی کوشش میں ایمونیشن سٹور کے اندر جا گرا تھا..... کمانڈو عمران تیز
سے واپس ہوا..... جھاڑیوں کے بیچ میں سے ہوتا وہ ٹیلے کی چوٹی پر آیا اور جلدی جلد
ٹیلے کی دوسری جانب اترنا شروع کر دیا..... اندھیرے میں ایک پتھر سے اس کا پاؤ
ٹکرایا وہ گر پڑا اور چھ سات قدم تک جھاڑیوں میں لڑھکتا چلا گیا..... اس کے بعد وہ فو
اٹھا اور جتنی احتیاط اور جتنی تیزی کے ساتھ وہ ٹیلے کی ڈھلان سے اتر سکتا تھا اتر
گیا..... اگرچہ جو ٹائم بم اس نے ایمونیشن سٹور کے اندر ڈال دیا تھا اس کے پھٹنے کے
ففٹی ففٹی چانسز تھے..... یعنی وہ پھٹ بھی سکتا تھا اور نہیں بھی پھٹ سکتا تھا، لیکن
عمران یہی سوچ کر واپس جا رہا تھا کہ بم ساٹھ منٹ کے بعد پھٹ جائے گا اور اس کے
ساتھ ہی یہ سارا ٹیلہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے گا۔

ٹیلے سے اتر کر وہ درختوں کی آڑ لے کر بھاگتا ہوا گاڑی تک پہنچ گیا..... گاڑی میں
بیٹھتے ہی اس نے انجن سٹارٹ کیا اور ایکسیلیٹر دبا کر گاڑی کو وہاں سے نکال کر کچے را
پر لے آیا..... کچی سڑک پر آتے ہی اس نے گاڑی کی بتیاں روشن کر دیں اور گاڑی
سپیڈ تیز کر دی..... دس منٹ کے بعد وہ پکی سڑک پر آ گیا..... یہ سڑک شہر کے
علاقے یعنی دریائے ہگلی کی طرف جاتی تھی..... وہ دریا کی طرف نکل جانا چاہتا تھا
اگر وہ دریائے ہگلی کا پل پار کر جاتا ہے تو وہ کافی حد تک محفوظ ہو سکتا تھا..... آدھی را
کے بعد اس غیر آباد علاقے کی یہ پکی سڑک خالی پڑی تھی..... جب عمران کے اندا
کے مطابق ٹیلے سے اترنے کے بعد پندرہ منٹ گزر گئے تو دور سے اسے دریائے
کے ہوڑہ برج کی روشنیاں نظر آنے لگیں..... اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی
پانچ منٹ میں وہ ہوڑہ برج کراس کر رہا تھا..... پانچ منٹ میں وہ دریا کے پل کی دو

جانب پہنچ گیا تھا۔

پل کی دوسری طرف آنے کے بعد عمران نے گاڑی اس چھوٹی سی سڑک پر ڈال دی جو دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ کارخانے کے مزدوروں کے کوارٹروں اور ماہی گیروں کی جھونپڑیوں کی آبادی کی طرف چلی جاتی تھی..... عمران آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا..... وہ یہاں سے بردوان شہر اور وہاں سے آگے آسنول کی طرف نکل جانا چاہتا تھا..... یہ دونوں شہر کلکتے سے دلی جانے والی ریلوے لائن پر واقع تھے..... دونوں شہر کلکتے سے کافی دور ہی تھے..... آسنول تو کافی دور تھا، لیکن عمران بردوان تک ضرور پہنچنا چاہتا تھا، کیونکہ وہاں سے وہ کسی ٹرین میں بیٹھ کر دلی کی طرف جا سکتا تھا..... اگر سٹیشن پر حالات مخدوش ہوئے تو وہاں سے وہ کسی لاری میں سوار ہو کر آسنول کی طرف جا سکتا تھا..... ساتھ ساتھ اس کا خیال اس بم کی طرف بھی لگا تھا جسے ایک گھنٹے بعد پھٹنا یا نہ پھٹنا تھا..... اس نے سوچا کہ ایک گھنٹہ گزر گیا ہے..... اس کا مطلب ہے کہ دیسی ساخت کا بنا ہوا ناقابل اعتبار بم نہیں پھٹا..... اب عمران کچھ نہیں کر سکتا تھا، لیکن اسے مایوسی ضرور ہوئی..... کاش بم پھٹ جاتا اور وہ اسلحہ، وہ میزائل جنہیں کارگل کے محاذ پر بھارتی فوج کے کشمیری مجاہدین کے خلاف استعمال کرنا تھا تباہ و برباد ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

عمران انہی پریشان خیالات میں الجھا گاڑی کو ایک مناسب رفتار پر چلاتا دریا کے کنارے مزدوروں کے کوارٹروں کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسے نیچے سے اوپر کی طرف ایک زبردست دھچکا لگا..... ایک لمحے کے لئے سٹیرنگ پر اس کا قابو نہ رہا..... اسے لگا کہ آگے کوئی بڑا خطرناک قسم کا سپیڈ بریکر تھا جس سے ٹکرا کر گاڑی دو تین فٹ اوپر کو اچھل پڑی تھی..... اس نے فوراً گاڑی کو قابو کیا اور بریک لگا دی..... جیسے ہی اس نے بریک لگائی ایک قیامت خیز دھماکے کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی جس نے گاڑی کو ایک پہلو سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ گاڑی ایک طرف کو

کھسکتی ہوئی ایک درخت کے ساتھ جا کر ٹکرا گئی...... کمانڈو عمران سب کچھ بھو
گیا...... اس کا چہرہ کامیابی کی خوشی سے چمکنے لگا...... پہلے قیامت خیز دھماکے کے بو
مسلسل دھماکے سنائی دے رہے تھے...... بال پوائنٹ ٹائم بم نے اپنا کام کر دکھایا تھا
پھٹ گیا تھا اور اب ایمونیشن سٹور کے میزائل پھٹ رہے تھے اور دریا پار چندن پو
کی سمت آسمان سرخ دکھائی دے رہا تھا...... مسلسل دھماکوں کی گونج سنائی دے رہ
تھی...... کمانڈو عمران کا مشن کامیاب ہو گیا تھا...... وہ اپنی خوشی کا اظہار صرف ا
طریقے سے کر سکتا تھا کہ اس نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی تا کہ جتنی جلدی ہوئے
خطرناک زون سے باہر نکل جائے۔

جن اصحاب نے بھارت کے صوبے مغربی بنگال کا سفر کیا ہے انہیں اچھی طر
معلوم ہو گا کہ یہ صوبہ بڑا گنجان آباد ہے اور اس کی مغربی سرحد صوبہ بہار تک بڑ
لمبے لمبے فاصلے ہیں اور آبادی اتنی کثرت سے ہے کہ دیہاتی بستیاں، چھوٹے چھو
قصبے اور شہر آتے ہی رہتے ہیں...... یہاں کسی مفرور کا چھپنا آسان بھی ہے اور مشک
بھی ہے، کیونکہ وہ مسلسل آباد کاروں کی نگاہوں کے سامنے رہتا ہے...... کمانڈو عمرا
دریا کا کنارا چھوڑ کر اب بڑی سڑک پر آ گیا تھا...... اس سڑک پر کافی فاصلہ چھوڑ کر
کے کھمبے لگے تھے جن پر بجلی کی بتیاں روشن تھیں...... سامنے کی طرف سے بھا
ٹرک اور کبھی کبھی کوئی گاڑی بھی آ جاتی تھی...... عمران کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ا
وقت تک بھارت کے تمام صوبوں کی ملٹری اور سول پولیس کو چندن پور کے ایمونیشن
ڈپو کی تباہی کی اطلاع مل چکی ہو گی اور کوئی تعجب نہیں کہ صوبوں کی پولیس نے سڑکو
پر ناکہ بندی کر کے چیکنگ بھی شروع کر دی ہو...... عمران کو اس لئے بھی خطرہ لا
تھا کہ جس گاڑی کو وہ چلا رہا تھا اس کا لائسنس اور دیگر ضروری کاغذات اس کے پا
نہیں تھے...... وہ اس علاقے کا رہنے والا بھی نہیں تھا...... اس کا رنگ بھی اس علا
کے لوگوں ایسا نہیں تھا اور اردو بولنے کا لہجہ بھی پنجابی تھا۔

لیکن وہ گاڑی کسی جگہ چھوڑ کر پیدل سفر کرنے میں بھی عقلمندی نہیں تھی، کیونکہ وہ بردوان سے آگے نکل آیا تھا اور وہاں سے آسنول بہت دور تھا...... اب وہ آسنول ہی سے کوئی ریل گاڑی پکڑ سکتا تھا...... ابھی تک سب خیریت تھی...... سڑک پر کسی جگہ کوئی چیکنگ پوسٹ اسے نہیں ملی تھی۔

لیکن عمران غافل نہیں تھا...... جب تک وہ صوبہ مغربی بنگال سے نکل نہیں جاتا کسی بھی جگہ ملٹری چیک پوسٹ سے اس کا واسطہ پڑ سکتا تھا...... ان حالات میں کمانڈو عمران کا سفر کرنا اور پھر ایک ایسی گاڑی میں سفر کرنا جس کے کاغذات اس کے پاس نہیں تھے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا...... وہ ان تمام خدشات اور امکانات پر غور کرتے ہوئے گاڑی کو بڑی سڑک پر ایک خاص رفتار پر چلا رہا تھا...... اس نے سوچا کہ اگر وہ گاڑی کو چھوڑ بھی دیتا ہے تو پھر سڑک سے ہٹ کر کھیتوں اور غیر آباد علاقوں میں سفر کرنا پڑے گا جہاں راستے سے بھٹک جانے کا ہر لمحہ خطرہ موجود تھا، کیونکہ عمران ان علاقوں سے واقف نہیں تھا...... گاڑی کی ہیڈ لائٹیں روشن تھیں...... اس کی نظریں سڑک پر تھیں...... سڑک پر دور سے اسے تین چار سرخ بتیاں لگی دکھائی دیں...... یہ سرخ بتیاں سڑک کے کنارے پر ایک دوسری کے پیچھے روشن تھیں...... عمران کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ آگے سڑک کے کنارے کچھ گاڑیاں کھڑی تھیں اور سرخ بتیاں ان گاڑیوں کی عقبی روشنیاں تھیں۔

ایک خیال سے اچانک اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور اسے سڑک کے کنارے لے آیا...... اس نے گاڑی کی بتیاں بجھا دیں...... گاڑی درختوں کے نیچے اندھیرے میں ایک طرف کر کے کھڑی کی اور خود گاڑی سے نکل کر درختوں کے نیچے سے ہوتا آگے چلنے لگا...... یہ دیکھنے کے لئے کہ آگے کیا ماجرا ہے...... اس کا گمان یہی تھا کہ آگے کوئی چیک پوسٹ ہے اور گاڑیاں وغیرہ چیک کی جا رہی ہیں، جہاں وہ چل رہا تھا وہاں اندھیرا تھا...... جب وہ گاڑیوں کے قریب پہنچا تو جو منظر اس نے سڑک پر دیکھا

اسے دیکھ کر جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا...... سڑک پر رکاوٹیں کھڑی ہوئی تھیں اور چار پانچ فوجی سپاہی گاڑیوں کی چیکنگ وغیرہ کر رہے تھے...... عمران وہیں سے الٹے قدم واپس ہو گیا...... اب وہ تیز تیز چل رہا تھا...... گاڑی میں بیٹھ کر اس نے گاڑی کو پیچھے موڑ لیا اور سڑک پر تیزی سے واپس روانہ ہو گیا...... اب اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ بجائے آسنول جانے کے بردوان کے سٹیشن ہی سے گاڑی پکڑنے کی کوشش کرے گا...... بردوان سے وہ کافی آگے نکل چکا تھا اور اب بردوان کی طرف ہی واپس جا رہا تھا...... آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد بردوان کا ریلوے سٹیشن نظر آنے لگا۔

کمانڈو عمران نے گاڑی ایک طرف کر کے کھڑی کی اور گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہوا ریلوے سٹیشن کی طرف بڑھا...... کسی زمانے میں بردوان ایک چھوٹا سا قصبہ ہوا کرتا تھا...... جسے جاگیرداروں کا قصبہ کہا کرتے تھے...... اس قصبے میں جاگیرداروں کی بڑی بڑی حویلیاں تھیں، مگر اب یہ قصبہ ایک شہر میں بدل چکا تھا...... سٹیشن بھی نیا بن گیا تھا جہاں روشنیاں ہی روشنیاں تھیں...... عمران نے سٹیشن پر ایک ریلوے قلی سے دریافت کیا کہ دلی کی طرف گاڑی کس وقت جائے گی...... قلی نے اسے بتایا کہ جنتا ایکسپریس چار بجے کلکتے سے آتی ہے وہ دلی جاتی ہے...... عمران نے ریلوے سٹیشن کے کلاک پر نظر ڈالی...... اس وقت رات کے پونے دو بج رہے تھے...... گاڑی اگر صحیح ٹائم پر آتی ہے تو اس کے آنے میں ابھی سوا دو گھنٹے باقی تھے...... اتنا وقت عمران سٹیشن کے ماحول میں نہ گزارنا چاہتا تھا جہاں روشنیاں بھی تھیں اور مسافر بھی کافی نظر آ رہے تھے...... بہر حال آگے ٹرین سے سفر کرنے کا اس نے ارادہ کر لیا تھا...... وہ گاڑی کو لے کر کچھ دور غیر آباد جگہ پر آ گیا اور گاڑی ایک طرف کھیتوں کے پاس اندھیرے میں کھڑی کر دی...... گاڑی کی ساری بتیاں بجھا کر وہ گاڑی کے اندر ہی بیٹھا رہا...... اسے گاڑی میں کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ گزارنا تھا...... وہ اس قسم کے انتظار اور صبر کا عادی تھا...... یہ اطمینان اس نے کر لیا تھا کہ وہاں ارد گرد کوئی آبادی وغیرہ نہیں تھی...... ویسے بھی اتنی رات گئے ہر جانب سناٹا

تھا...... صرف سٹیشن کی طرف سے کسی انجن کی سیٹی کی یا اس کے شنٹ کرنے کی آواز آ جاتی تھی...... وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا رہا...... وقت آہستہ آہستہ گزرتا چلا گیا...... وقت کو تو بہر حال گزرنا ہی تھا اور یہی ایک حقیقت اس کے لئے اطمینان کا باعث تھی کہ وقت بہر حال گزر رہا تھا...... گھڑی اس کے پاس نہیں تھی...... وہ صرف اندازے سے ہی وقت کا احساس کر رہا تھا۔

اس بات سے بھی وہ محتاط ہو گیا تھا کہ بردوان اور آسنول کے شہروں کے درمیان ملٹری پولیس چیکنگ کر رہی تھی...... ممکن تھا کہ ریلوے سٹیشن پر بھی ملٹری پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی موجود ہوں...... عمران کو بے حد احتیاط سے کام لینا تھا...... اس کی ذرا سی غفلت اسے گرفتار کرا سکتی تھی...... اس کے اندازے کے مطابق جب ڈیڑھ پونے دو گھنٹے گزر گئے تو وہ چپکے سے گاڑی میں سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا...... ابھی اسے دلی کا ٹکٹ بھی خریدنا تھا...... وہ لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ریلوے سٹیشن کی ان کھڑکیوں کے پاس آ گیا جہاں مسافر کھڑے ٹکٹ خرید رہے تھے...... ایک کھڑکی پر اس نے دلی کا نام انگریزی میں لکھا ہوا پڑھا تو اس کھڑکی کے باہر لگی قطار میں کھڑا ہو گیا...... قطار میں زیادہ مسافر نہیں تھے...... بہت جلد اس کی بھی باری آ گئی...... اس نے بردوان سے دلی تک کا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور سر جھکائے خاموشی سے سٹیشن کے گیٹ پر سے ہو کر پلیٹ فارم پر آ گیا۔

پلیٹ فارم پر کافی لوگ تھے...... سٹیشن کے کلاک پر اس نے ٹائم دیکھ لیا تھا...... ٹرین کے آنے میں بیس منٹ رہ گئے تھے...... وہ حسب معمول پلیٹ فارم پر ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں مسافروں کا ایک چھوٹا سا ہجوم بیٹھا ہوا تھا...... اکیلے کسی بنچ پر بیٹھنے سے وہ لوگوں کی نظروں میں آ سکتا تھا...... اس نے دیکھ لیا تھا کہ پلیٹ فارم پر ملٹری یا سول پولیس کا کوئی سپاہی نہیں ہے، لیکن یہ سپاہی کسی بھی وقت نمودار ہو سکتے تھے...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گاڑی لیٹ نہیں تھی اور وہ مزید انتظار کی زحمت دیئے

بغیر صحیح ٹائم پر پہنچ گئی...... جیسے ہی گاڑی رکی مسافروں کا ہجوم اس پر ٹوٹ پڑا...... عمران ٹرین کے آخری ڈبے کے پیچھے سے ریلوے لائن پر اتر کر ٹرین کی دوسری جانب آ گیا اور وہاں ایک ڈبے کے کھلے دروازے میں سے اندر جا کر کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا...... یہ ڈبہ ابھی مسافروں سے بھرا نہیں تھا...... کچھ مسافر پہلے سے سوار تھے...... کچھ مسافر آ کر اس ڈبے میں اور بھی سوار ہو گئے...... ٹرین جتنی دیر کھڑی رہی، عمران یہی سوچ سوچ کر مضطرب رہا کہ کہیں پولیس ڈبے کی چیکنگ کرنے نہ آ جائے، لیکن ایسا نہ ہوا اور ٹرین چل پڑی۔

کمانڈو عمران نے خدا کا شکر ادا کیا۔

قسمت عمران کا ساتھ دے رہی تھی...... وہ خیر و عافیت سے دلی پہنچ گیا۔

دلی پہنچنے کے فوراً بعد وہ اپنے ماسٹر سپائی یعنی اس علاقے میں کشمیری مجاہدوں، جہاد کشمیر اور اسلام کی خاطر کام کرنے والے حاجی صاحب سے ملا...... حاجی صاحب کمانڈو عمران کو اپنے ساتھ اپنی خفیہ کمین گاہ میں لے گئے جو ایک ویران علاقے میں تھی...... یہاں کمانڈو عمران پہلے نہیں آیا تھا...... یہ ویران کچے، خشک اور بنجر ٹیلوں کے درمیان تین چھوٹے چھوٹے کمروں والا ایک کوارٹر تھا جس کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک ندی بہہ رہی تھی...... حاجی صاحب نے اپنی گاڑی ندی کے پاس کھڑی کر دی...... کہنے لگے۔

"یہ جگہ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد بنوائی ہے...... یوں سمجھ لو کہ اس خفیہ کمین گاہ کا ابھی تک سوائے میرے...... تمہارے اور مہدی صاحب کے اور کسی کو علم نہیں ہے، یا پھر اسے دو تین راج مزدور جانتے ہیں جو اس کوارٹر کو تعمیر کرنے کے لئے اس شہر دلی سے واپس بریلی جا چکے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے کوارٹر کے قریب پہنچ کر اس کا جائزہ لیا...... کہنے کو تو یہ نیا کوارٹر تھا مگر اس کی دیواریں پرانی لگ رہی تھیں اور ان کا پلستر بھی کئی جگہوں سے اکھڑا تھا...... حاجی صاحب بولے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو...... میں جانتا ہوں...... تم یہ سوچ رہے ہو کہ یہ نیا کوارٹر کس قسم کا ہے کہ جس کی دیواریں سو سال پرانی لگتی ہیں...... تو سنو...... اس کی یہ حالت میں نے جان بوجھ کر رکھوائی ہے، تاکہ اگر یہاں سے کوئی گزرے تو یہی سمجھے کہ یہ ریلوے کا کوئی پرانا کوارٹر ہے جہاں کبھی لوگ رہا کرتے تھے...... اب کوئی نہیں رہتا...... اندر آ جاؤ"۔

حاجی صاحب نے کوارٹر کا تالا کھولا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

تین چھوٹے چھوٹے کمرے تھے...... ہر کمرے میں معمولی سی ایک چارپائی، دو دو تین تین لوہے کی کرسیاں پڑی تھیں...... بجلی وہاں نہیں تھی...... دیوار کے ساتھ ایک مٹی کے تیل کی لالٹین رکھی ہوئی تھی...... عقب میں ایک غسل خانہ تھا...... بہت چھوٹا سا ایک صحن تھا جس کی ایک جانب باورچی خانے کی کوٹھڑی تھی جس کے باہر لکڑیوں کا ڈھیر پڑا تھا اور مٹی کی چار پانچ مٹیاں پڑی تھیں جو پانی سے بھری ہوئی تھیں۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"یہ پانی میں نے خود مشک میں بھر کر ندی سے لا کر بھرا ہے...... اس ندی کا پانی صاف اور میٹھا ہے"۔

وہ ایک کمرے میں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے...... حاجی صاحب بولے۔

"مغربی بنگال کے چندن پور میں تم نے جو دھماکہ خیز معرکہ مارا ہے اس کی تفصیل یہاں کے اخباروں میں آ چکی ہے...... میری طرف سے مبارک باد قبول کرو...... اس خبر سے کشمیر کے محاذ پر اپنی آزادی اور بقا کی خاطر جہاد کرنے والے کشمیری مجاہدین کے بھی حوصلے مزید بلند ہوئے ہیں...... میں تم سے اس کمانڈو آپریشن کی تفصیل نہیں پوچھوں گا...... صرف اتنا کہوں گا کہ یہ معرکہ تم ہی مار سکتے تھے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! اگر اس مشن میں اللہ کی مدد شامل نہ ہوتی تو یہ ایک ناممکن سا

مشن تھا"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"اللہ کی مدد ہر مسلمان کے ساتھ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے دکھائے ہوئے سیدھے راستے پر چل رہا ہو...... اب میں تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم صحیح وقت پر آئے ہو...... تمہیں اس وقت آجانا چاہئے تھا...... میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا لیکن تم سے رابطہ نہیں کر سکتا تھا"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے ناں؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"بالکل خیریت ہے"۔

پھر انہوں نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔

"ہمارا بلکہ مسلمانوں کا ازلی دشمن بھارت پاکستان ہی نہیں بلکہ تمام عالم اسلام پر ایک بہت بڑے حملے کی تیاریاں کر رہا ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا...... کھل کر بات کیجئے...... اصل قصہ کیا ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"بھائی! اصل بات تو تمہیں اپنا وہ جاسوس خاص اور مرد مجاہد بتائے گا جو دشمن کی اعلان جنگی کونسل کے دفتر میں بیٹھا ہمارے لئے بلکہ کشمیری مجاہدوں اور پاکستان کی سلامتی کے لئے کام کر رہا ہے...... میرا مطلب جمیل مہدی صاحب سے ہے"۔

کمانڈو عمران نے بے تابی سے پوچھا

"انہوں نے کیا بتایا ہے...... مجھے تھوڑا بہت ہی بتا دیجئے"۔

حاجی صاحب نے کہا۔

"مہدی صاحب خود ہی آکر تمہیں ساری بات تفصیل کے ساتھ بتائیں گے...... میں ابھی جاتا ہوں اور شام ہوتے ہی انہیں لے کر یہاں پہنچ جاؤں گا"۔

اس کے بعد حاجی صاحب چلے گئے...... کمانڈو عمران نے ان سے اپنے ساتھی کمانڈو جبران کے بارے میں بھی پوچھا تھا...... انہوں نے بتایا کہ جبران تمہاری تلاش میں کشمیر سے بمبئی سیٹھ ستار کے پاس واپس پہنچ گیا تھا اور ابھی تک بمبئی سیٹھ ستار کے پاس ہی ہے اور اسے تمہارے مشن کی کامیابی کی خبر پہنچ چکی ہے۔

حاجی صاحب کے جانے کے بعد دن ڈھلنے لگا تھا...... شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا...... حاجی صاحب جمیل مہدی صاحب کو لے کر آگئے...... گاڑی انہوں نے وہیں ندی کنارے کھڑی کر دی تھی...... مہدی صاحب نے کمانڈو عمران سے ہاتھ ملایا اور یہ تینوں افراد کوارٹر کے کمرے میں آکر بیٹھ گئے...... جیسا کہ ہم مہدی صاحب کے بارے میں پہلے لکھ چکے ہیں...... وہ بھارت کی ملٹری ہائی کمانڈ کے ایک انتہائی حساس ادارے میں ملازم تھے اور اسلام کے زبردست مرد مجاہد تھے اور بھارتی مسلمانوں کی بقاء اور سلامتی کے لئے پاکستان کی بقاء اور سلامتی کو بنیادی حیثیت دیتے تھے...... اگرچہ مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں بھارتی فوجی ہائی کمان کے حساس ادارے میں کوئی کلیدی آسامی نہیں دی گئی تھی مگر مہدی صاحب اپنے اثر و رسوخ اور ذہانت کی وجہ سے بہت سے اہم خفیہ جنگی راز معلوم کر لیا کرتے تھے اور حاجی صاحب کو بتا دیا کرتے تھے۔

اس روز بھی وہ ایک اہم خفیہ جنگی راز بتانے وہاں آئے تھے...... حاجی صاحب نے بیٹھتے ہی مہدی صاحب سے کہا۔

"مہدی بھائی! آپ خود ہی عمران کو ساری بات بیان کر دیجئے"۔

مہدی صاحب نے کمانڈو عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بھارت نے نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے ترقی پذیر اسلامی ممالک پر بھی کاری ضرب لگانے کے ایک خطرناک پروگرام پر عمل شروع کر دیا ہے...... یہ بتانے کی میں

ضرورت نہیں سمجھتا کہ بھارت ایٹمی طاقت بن چکا ہے، لیکن کسی ملک کا صرف ایک یا دو بار دھماکہ کر کے ایٹمی طاقت بن جانا ہی سب کچھ نہیں ہوتا...... اس کے بعد ایٹم بموں کی تیاری کا انتہائی مہنگا اور پیچیدہ کام شروع کرنا ہوتا ہے، جس کے کثیر اخراجات بھارت ایسا غریب اور ترقی پذیر ملک برداشت نہیں کر سکتا، چنانچہ اس خطرناک منصوبے میں اسرائیل بھارت کے ساتھ شامل ہو گیا ہے...... اسرائیل خود چونکہ عالم اسلام کا دشمن نمبر ایک ہے اس لئے بھارت کے ساتھ اس کا ایک خفیہ معاہدہ طے پا گیا ہے...... اس معاہدے کے تحت اسرائیل بھارت کو سرمایہ اور اہم ایٹمی فنی ٹیکنالوجی مہیا کرے گا اور بھارت جو کہ ایٹمی طاقت بن جانے کا اعلان کر چکا ہے...... ایٹم بموں میں بنیادی اہمیت کے کیمیاوی محلول کی تیاری اور ایٹم بم کو چلانے والے یورانیم 235 کے ایک بنیادی جز ڈیوٹیریم اوکسائیڈ کی تیاری میں مہارت کو تمام تر مالی اور فنی امداد فراہم کرے گا...... اس اسلام دشمن منصوبے پر کام شروع ہو چکا ہے...... اس مقصد کے واسطے جزائر انڈیمان کی پہاڑیوں میں جس پر بھارت کا قبضہ ہے، خفیہ جگہ پر ایک فیکٹری بنائی گئی ہے جس کا نام خفیہ دستاویزات میں مہاشکتی فیکٹری ظاہر کیا گیا ہے...... پروگرام کے مطابق اس فیکٹری میں تیار ہونے والے ایٹم بم اسرائیل کو بھی سپلائی کئے جائیں گے جنہیں حکومت اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے گی...... میں ان خفیہ دستاویزات کا کسی طریقے سے مطالعہ کر چکا ہوں...... میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر بھارت کو اس فیکٹری میں ایٹم بموں کی کھیپ تیار کرنے سے روکا نہ گیا تو عالم اسلام کو اور خاص طور پر پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، چنانچہ اس فیکٹری کو تباہ کرنا بے حد ضروری ہے بلکہ اسلام کی طرف سے ہم مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس فیکٹری کو تباہ و برباد کر دیں“۔

کمانڈو عمران نے مہدی صاحب کی ساری بات کو بڑے دھیان اور بڑے غور سے سنا تھا...... اس نے کہا۔

”ہم ہر حالت میں اس فیکٹری کو تباہ کر دیں گے، اس کے لئے خواہ ہمیں اپنی جان کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے“۔

مہدی صاحب بولے۔

”میں اس مشن کو ناممکن تو نہیں کہوں گا لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے، کیونکہ ایک تو یہ مہاشکتی فیکٹری یہاں سے دور کالے پانی یعنی جزائر انڈیمان میں بنائی گئی ہے...... دوسرے وہاں سیکورٹی کا بہت ہی پیچیدہ حساس انتظام کیا گیا ہے اور بھارت کے ساتھ اسرائیلی فوجی کمانڈو پارٹیاں دن رات فیکٹری کے ارد گرد گشت لگاتی رہتی ہیں“۔

عمران نے کہا۔

”یہ کوئی نئی بات نہیں ہے...... ہمارے لئے...... ایسا تو ہر جگہ ہی ہوتا ہے...... اس قسم کے حساس نوعیت کے مقامات پر سیکورٹی بے حد سخت ہوتی ہے...... یہ بتائیں کہ یہ مہاشکتی فیکٹری جزائر انڈیمان کے کسی جزیرے کے جنگل میں ہے...... کیونکہ جزائر انڈیمان میں تو بہت سے جزیرے ہیں“۔

مہدی صاحب کہنے لگے۔

”یہ میں کل معلوم کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو کل رات کو آپ کو آ کر بتاؤں گا“۔

کمانڈو عمران نے حاجی صاحب سے کہا۔

”آپ اس دوران یہ کیجئے کہ کمانڈو جبران کو بمبئی سے بلوالیں...... اس مشن میں کمانڈو جبران کا میرے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے“۔

حاجی صاحب بولے۔

”میں آج ہی رات کو بمبئی پیغام بھجوا دیتا ہوں...... جبران یہاں پہنچ جائے گا“۔

اس کے بعد حاجی صاحب نے مہدی صاحب کو ساتھ لیا اور عمران سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں مہدی صاحب کو چھوڑ کر تمہارے لئے کھانا لے کر آتا ہوں...... ان

کے جانے کے بعد کمانڈو عمران نے لالٹین روشن کر دی اور چارپائی پر نیم دراز ہو کر اس انتہائی اہم اور نئے مشن کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا...... یہ مشن اس اعتبار سے بہت پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا کہ اس میں اصل آپریشن سے پہلے کئی مسائل درپیش تھے...... مثال کے طور پر ان لوگوں کا جزائر انڈیمان میں جانا...... وہاں جائیں تو کس حیثیت سے جائیں...... انڈیمان بھارت کے تسلط میں تھا اور بغیر پاسپورٹ وغیرہ کے ان کا وہاں پہنچنا بذات خود ایک بہت بڑا مسئلہ تھا...... مغربی بنگال اور جزائر انڈیمان کے درمیان خلیج بنگال کا وسیع و عریض اور طوفانی سمندر حائل تھا اور فاصلہ بھی بہت زیادہ تھا کسی سٹیمر یا کشتی پر اتنا طویل اور کالے پانی کے طوفانی سمندر میں سفر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... کمانڈو عمران ان ہی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ اسے حاجی صاحب کی گاڑی کی آواز آئی۔

حاجی صاحب کھانا لے کر آ گئے تھے...... کہنے لگے۔

"میں نے بمبئی ستار سیٹھ کو خفیہ پیغام پہنچا دیا ہے کہ جبران کو فوراً دلی بھیج دیا جائے۔"

"یہ آپ نے بڑا اچھا کیا"۔

کھانا کھانے کے بعد کمانڈو عمران نے حاجی صاحب کے آگے ان مسائل کا ذکر چھیڑ دیا جن پر وہ تھوڑی دیر پہلے غور کر رہا تھا اور جو اسے درپیش مشن کے سلسلے میں پریشان کر رہے تھے...... اس نے حاجی صاحب سے کہا۔

"انڈیمان کے جزیرے ہمارے لئے اجنبی ہیں...... پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں پہنچنے کے لئے ہمارے پاس ضروری کاغذات وغیرہ کا ہونا ضروری ہے، ورنہ ہم بندرگاہ پر ہی پکڑے جائیں گے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اس کی تم فکر نہ کرو...... میں نے سارا انتظام سوچ رکھا ہے...... میرے ایک دوست کے پاس جزائر انڈیمان میں جنگل کی کٹائی کا ٹھیکہ ہے...... وہ ایک عرصے سے

وہاں کام کر رہے ہیں...... ان کا نام شیخ کبیر ہے...... جنگل کی کٹائی کے موسم میں وہ انڈیمان میں ہی رہتے ہیں...... جب بارشوں کا سیزن شروع ہو جاتا ہے تو واپس آ جاتے ہیں...... بھارتی حکومت کی طرف سے انہیں وہاں ایک چھوٹا سا بنگلہ ملا ہوا ہے جہاں وہ چھ ماہ اکیلے رہ کر کٹائی کے کام کی نگرانی کرتے ہیں...... شیخ صاحب کے بیوی بچے یہاں دلی میں ہی رہتے ہیں...... انڈیمان میں بارشوں کا موسم ختم ہو رہا ہے اور چند دنوں کے بعد درختوں کی کٹائی کا سیزن شروع ہو جائے گا...... میں ان کو سب کچھ سمجھا لوں گا...... وہ سچے مسلمان ہیں...... جہاد کشمیر اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر وہ ہر کام میں پیش پیش رہتے ہیں...... لہٰذا تم لوگوں کو یہ فکر نہیں کرنی چاہئے کہ انڈیمان میں جا کر تم کہاں رہو گے اور تمہارے کاغذات وغیرہ کا کیا بنے گا...... سب انتظام ہو جائے گا...... شیخ صاحب نے انڈیمان میں اپنے پاس لائسنس والا اسلحہ بھی رکھا ہوا ہے، کیونکہ کالے پانی کے جنگل بڑے خطرناک ہیں اور وہاں بڑے بڑے خونخوار درندے رہتے ہیں جو ایک بار آدمی پر حملہ کر دیں تو یا خود مر جاتے ہیں اور یا آدمی کو مار ڈالتے ہیں...... تمہیں وہاں اسلحہ وغیرہ کی جو ضرورت پڑے گی شیخ صاحب اس کا انتظام بھی کر دیں گے...... شیخ صاحب اپنی جماعت کے ہی آدمی ہیں...... وہ ہر ممکن طریقے سے تمہاری مدد کریں گے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"میں نے سنا ہے کہ انڈیمان میں داخل ہونے کے لئے بھارتی باشندوں کو بھی خاص اجازت نامے کی ضرورت ہوتی ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"یہ آپ نے کہیں سے بالکل غلط سنا ہے...... بھارت میں رہنے والا جزائر انڈیمان میں بلا روک ٹوک داخل ہو سکتا ہے...... البتہ وہاں بندرگاہ کے حکام آنے والے سے یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ وہ کتنے دن انڈیمان میں قیام کرے گا اور وہاں کس کے ہاں قیام کرے گا...... اس کا انتظام ہم کر دیں گے...... آپ دونوں شیخ کبیر کے کارندے بن

کر جائیں گے...... شیخ صاحب کی طرف سے میں آپ کو ان کے انڈیمان والے آفس میں تقرری کے کاغذات بھی لے دوں گا...... آپ ٹھہریں گے بھی شیخ صاحب کے کوارٹروں میں...... میرا خیال ہے اب تمہاری تسلی ہوگئی ہوگی"۔

کمانڈو عمران کی واقعی تسلی ہوگئی تھی...... حاجی صاحب نے ان کے تقریباً سبھی مسائل حل کر دیئے تھے...... حاجی صاحب نے عمران سے کہا۔

"یہاں پیچھے ایک میدان ہے...... اس کی دوسری طرف ایک چھوٹی سی آبادی ہے...... تم صبح کو وہاں جاکر ناشتہ بھی کر سکتے ہو اور دوپہر کا کھانا بھی کھا سکتے ہو، مگر تمہیں بڑا محتاط ہو کر جانا ہوگا...... میں کل رات کو مہدی صاحب کے ہمراہ آؤں گا"۔

اس کے بعد حاجی صاحب چلے گئے...... دوسرے دن رات کو وہ مہدی صاحب کو ساتھ لے کر آئے...... مہدی صاحب کہنے لگے۔

"انڈیمان میں مہاشکتی نام کی یہ ایٹمی آرسنل فیکٹری سب سے بڑے جزیرے کے جنوب میں ایک جنگل میں واقع ہے...... یہ مقام چاروں طرف سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے...... وہاں پہنچنے کے لئے ایک تیز رفتار ندی کو بھی عبور کرنا پڑتا ہے...... اس کے علاوہ پہاڑی پگ ڈنڈیاں بڑی دشوار گزار ہیں...... فیکٹری کو آباد علاقے سے ملانے والی صرف ایک ہی سڑک ہے جس پر سے کسی شہری کو گزرنے کی اجازت نہیں ہے...... اس لئے تم لوگوں کو پہاڑی راستوں سے جانا ہوگا...... فیکٹری کے چاروں طرف خاردار تاروں کی اونچی دیوار ہے...... رات کے وقت خاردار تاروں میں برقی رو چھوڑ دی جاتی ہے...... آپ لوگوں کو ان باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا اور سیکورٹی کے ان انتظامات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا منصوبہ تیار کرنا ہوگا...... جو خفیہ دستاویز میں دیکھ کر آرہا ہوں، ان کے مطابق فیکٹری میں اس وقت تک ایٹم بم کو چلانے والا نیوٹوریم آکسائیڈ کی پہلی کھیپ تیار ہو چکی ہے جسے فیکٹری کے تہہ خانے میں سٹور کر دیا گیا ہے...... اس مہاشکتی فیکٹری کے بارے میں میں جتنی معلومات حاصل

کر سکا ہوں وہ میں نے تمہیں بتادی ہیں...... اب آگے جو کچھ کرنا ہے تم لوگوں کو خود ہی کرنا ہوگا"۔

کمانڈو عمران کے ذہن کے کمپیوٹر نے ان ساری معلومات کو اپنے اندر موصول کر لیا تھا...... اس کے بعد مہدی صاحب نے حاجی صاحب سے کہا۔

"مجھے جلدی واپس جانا ہے"۔

حاجی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے...... عمران سے کہا۔

"میرا خیال ہے کمانڈو جبران کل شام تک دلی پہنچ جائے گا...... جیسے ہی وہ آیا میں اسے لے کر تمہارے پاس آجاؤں گا...... اسی دوران میں شیخ کبیر سے مل کر ان سے بھی ساری بات کر لوں گا اور تمہاری تقرری کے کاغذات بھی تیار کروا کر لیتا آؤں گا...... اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے میں شیخ صاحب سے تمہاری ملاقات بھی کروادوں گا...... جو بہت ضروری ہے"۔

حاجی صاحب مہدی صاحب کو لے کر چل دیئے...... عمران ایک بار پھر اپنے مشن کے بارے میں غور و فکر میں کھو گیا...... اسے اپنے دوست اور ساتھی کمانڈو جبران کا شدت سے انتظار تھا...... اس کے ساتھ مل کر ہی کوئی حتمی منصوبہ تیار کیا جاسکتا تھا۔

دوسرے روز شام کا اندھیرا ہونے کے بعد حاجی صاحب آئے تو ان کے ساتھ کمانڈو جبران بھی تھا...... دونوں دوست گلے لگ کر ملے...... حاجی صاحب کہنے لگے۔

"شیخ کبیر سے میں نے تمہارے بارے میں سب تفصیلات طے کر لی ہیں...... وہ تمہاری ہر ممکن مدد کرنے کے لئے دل و جان سے تیار ہیں...... اپنے انڈیمان والے آفس میں وہ تمہیں بطور منشی کے ملازم رکھیں گے اور تمہارے تمام ضروری کاغذات تیار کروادیں گے جو تمہیں انڈیمان کے سب سے بڑے جزیرے اور جزائر کے دارالحکومت مارشل کی بندرگاہ پر کسٹم کے حکام کو دکھانے ہوں گے...... شیخ صاحب پرسوں انڈیمان جا رہے ہیں...... تم ان کے ساتھ نہیں جاؤ گے، بلکہ دوسرے جہاز میں

بیٹھ کر ان کے بعد وہاں پہنچو گے...... اپنے آفس کا ایڈریس تمہیں بتادیا جائے گا اور تمہاری تقرری کے کاغذات پر بھی لکھا ہوا ہو گا...... تم بندرگاہ پر اترنے کے بعد سیدھے ان کے آفس جاؤ گے جہاں شیخ صاحب تمہیں ملیں گے اور تمہیں گائیڈ کریں گے اور تمہارے کوارٹرز میں بھجوادیں گے...... اب باقی صرف شیخ صاحب سے تمہاری ملاقات ضروری ہے...... اس کے لئے تم دونوں کل سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے نکل کر میرے ہوٹل آجاؤ گے...... میں تمہیں ساتھ لے کر شیخ کبیر کی کوٹھی پر ۔ جاؤں گا“۔

جب سب معاملات طے ہوگئے تو حاجی صاحب چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد دونوں کمانڈو دوست سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اپنے نئے اور انتہائی اہم اور خطرناک مشن کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے۔

دوسرے دن سورج غروب ہونے کے بعد حاجی صاحب کی ہدایت کے مطابق وہ دونوں ان کے ہوٹل جا پہنچے...... حاجی صاحب ان کا انتظار کر رہے تھے...... انہیں دیکھتے ہی ہوٹل سے نکل کر انہیں اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھایا اور بولے۔

”شیخ کبیر کو میں نے ٹیلی فون کر دیا تھا...... ہم ان ہی کے ہاں جارہے ہیں“۔

جزائر انڈیمان کے مشہور ٹھیکیدار شیخ کبیر دین کی پرانی طرز کی کوٹھی پرانی دلی کے ایک نواحی علاقے میں تھی...... بڑی خاموش اور پرسکون کوٹھی تھی۔

شیخ کبیر صاحب کی عمر پچاس سے اوپر ہو چکی تھی...... شرعی ڈاڑھی مونچھوں میں سفید بال آگئے تھے...... جسم دبلا اور قد درمیانہ تھا...... دلی کے پرانے مسلمانوں کے لباس یعنی شیروانی پاجامے میں تھے...... بڑے تپاک سے ملے...... احتیاط کے طور پر انہیں کوٹھی کے عقبی صحن والے کمرے میں لے آئے...... ان کی تواضع مٹھائی اور چائے سے کی...... جب نوکر برتن وغیرہ اٹھا کر چلے گئے تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلا سوال یہ کیا۔

”کبھی جزائر انڈیمان جانا ہوا ہے تمہارا؟ اسے کالا پانی بھی کہتے ہیں“۔

عمران نے مسکرا کر کہا۔

”بچپن میں سنا تھا کہ جسے انگریز حبس دوام کی سزا سناتا تھا اسے کالے پانی بھیج دیا جاتا تھا“۔

شیخ صاحب ہنس پڑے۔

”بالکل ٹھیک سنا تھا تم نے...... اب بھی تقریباً یہی صورتحال ہے وہاں...... اگرچہ جیلوں میں وہ پہلی والی رونق نہیں ہے، لیکن بھارتی حکومت اپنے سیاسی دشمنوں اور خطرناک مجرموں کو کالے پانی منتقل کر دیتی ہے، لیکن ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا ہے...... انگریزوں کے زمانے میں کالے پانی میں جیل تو ضرور تھی مگر قیدیوں کو اجازت تھی کہ وہ جیل کے باہر رہ کر جزیرے میں محنت مزدوری اور چھوٹا موٹا کاروبار کر سکتے تھے...... غرضیکہ بعض قیدی وہاں شادیاں بھی کر لیتے تھے...... چونکہ یہ عمر قید کے قیدی ہوتے تھے ان میں سے بعض انڈیا سے اپنے بیوی بچوں کو بھی وہاں بلا لیتے تھے...... وہاں انہیں ہر جگہ آنے جانے کی اُجازت تھی...... صرف خطرناک قیدیوں کو جیل میں رکھا جاتا تھا...... اس زمانے کے قیدیوں کی کچھ اولادیں آج بھی پورٹ بلیئر انڈیمان کے اہم اور سب سے بڑے جزیرے میں آباد ہیں اور کاروبار کرتی ہیں...... انڈیمان کی سب سے بڑی آفت اور مصیبت وہاں کی آب و ہوا ہے...... تقریباً سارا سال بارشیں ہوتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے حبس کی فضا رہتی ہے...... جنگلوں کی طرف سے رات کو ملیریا والے مچھر حملہ کرتے ہیں...... اب تو وہاں کافی سہولت ہو گئی ہے...... ورنہ انگریز کے زمانے میں وہاں گندم نہیں ملتی تھی...... ہر کوئی چاول ہی کھاتا تھا...... اب گندم بھی بھارت سے پہنچ جاتی ہے...... میں بھی یہی کاروبار کرتا ہوں...... یہ عمارتی لکڑی جنگل میں کٹائی اور چیرائی کے بعد بھارت بھیجی جاتی ہے...... وہاں جنگل بڑے گھنے ہیں اور زہریلے کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے ہیں...... شیر اور ریچھ کبھی کبھار دیکھنے

میں آتے ہیں، مگر ہاتھی عام پائے جاتے ہیں...... ان جنگلوں میں جھیلیں ، دلدلیں
تیز رفتار ندیاں بہتی ہیں...... یہاں کے قدیم جنگلی باشندے چھوٹے قد کے کالے
ہوتے ہیں اور ان میں بعض قبیلے ابھی تک آدم خور ہیں...... وہ چھپ کر بھولے بھٹکے
مسافر کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر اسے بھون کر کھا جاتے ہیں...... یہ ساری باتیں
میں اس لئے تمہیں بتا رہا ہوں کہ تم ان خطرات سے ہوشیار ہو کر وہاں اپنا مشن انجام
دے سکو اور تمہیں وہاں کی تمام آفتوں وغیرہ کا علم ہو“۔

شیخ صاحب نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”حاجی صاحب کی زبانی مجھے تمہارے مشن کی نوعیت کا علم ہو گیا ہے...... یہ کام
تمہارے اور میرے دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... تمہاری جان
جا سکتی ہے اور اگر حکومت کو معلوم ہو گیا کہ اس مشن میں میرا بھی ہاتھ تھا تو نہ صرف
یہ کہ میرے خاندان کا مستقبل تباہ ہو جائے گا بلکہ مجھے بھی پھانسی کی سزا ہو جائے گی
لیکن جس طرح تم اسلام اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر اپنی جان کی پروا کئے بغیر اس
مشن پر نکل کھڑے ہوئے ہو اسی جذبے کے تحت میں بھی تمہاری مدد کرنے پر آمادہ
ہو گیا ہوں، لیکن میں تم سے صرف ایک گارنٹی لینا چاہوں گا کہ تم بے حد احتیاط سے
کام کرو گے اور اگر پکڑے گئے تو کسی حالت میں بھی میرا نام زبان پر نہیں لاؤ گے......
اسے تم میری بزدلی سمجھ لو...... میری خود غرضی سمجھ لو...... چاہے کچھ بھی سمجھ لو، مگر
تمہیں یہ گارنٹی دینی پڑے گی...... کیا تم مجھے یہ گارنٹی دیتے ہو؟“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”میں اور کسی طرح آپ کو یقین نہیں دلا سکتا...... صرف اتنا ہی کہوں گا اور اپنے
ساتھی کمانڈو جبران کی طرف سے بھی کہوں گا کہ ہم خدا کو حاضر وناظر جان کر اقرار
کرتے ہیں کہ اگر ہم پکڑے گئے تو دشمن کی اذیتیں سہتے سہتے موت کو گلے لگا لیں گے
لیکن آپ کا نام زبان پر نہیں لائیں گے...... اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا“۔

شیخ کبیر نے برجستہ کہا۔

”بس...... مجھے یقین آ گیا ہے...... اب ایسا ہے کہ میں تمہیں ایک کاغذ پر ٹائپ کیا
ہوا ملازمت کا تقرر نامہ دوں گا...... تم دونوں اسے اپنے پاس رکھ کر اپنے طور پر
یہاں کے لئے روانہ ہو جاؤ گے...... میں تم سے پہلے وہاں پہنچ چکا ہوں گا...... تم
پورٹ بلیئر کی بندرگاہ پر یہ تقرر نامہ دکھا کر میرے پورٹ بلیئر والے ہیڈ آفس پہنچ
جاؤ گے اور وہاں کام شروع کر دو گے...... تمہاری رہائش کے لئے میں تمہیں ایک ایسا
کوارٹر دوں گا جو بھارت کی مہاشکتی فیکٹری سے زیادہ دور نہیں ہے...... درمیان میں
صرف ایک جنگل پڑتا ہے...... تم وہاں آفس میں کسی کو اپنا دوست نہیں بناؤ گے......
کام سے غرض رکھو گے...... کسی سے زیادہ بات نہیں کرو گے اور کوئی پوچھے کہ تم
...گ انڈیا ایسا ماڈرن ملک چھوڑ کر کالے پانی کیوں آ گئے ہو تو تم یہی کہو گے کہ ہم کالے
پانی کی سیاحت کرنا چاہتے تھے...... ہمارے پاس پیسے نہیں تھے...... اس کا یہی ایک طریقہ
تھا کہ یہاں کسی جگہ چھوٹی موٹی نوکری مل جائے اور ہم ایک دو مہینے یہاں کی سیاحت
کر کے واپس انڈیا چلے جائیں...... تم اپنے آپ کو انبالہ وغیرہ کے مسلمان ظاہر کرو
گے...... انبالے والے جو اردو بولتے ہیں ان میں پنجابی کے الفاظ بھی ہوتے ہیں......
تمہیں وہاں ہر قسم کا اسلحہ خفیہ طور پر مل جائے گا...... وہاں سوائے میرے تمہارا اور
کوئی رازدار نہیں ہوگا اور اپنا مشن مکمل کرنے کے فوراً بعد تم انڈیمان سے نکل جاؤ
گے...... اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہو یا تمہیں کوئی اعتراض ہو تو بتا دو“۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا...... جبران نے کہا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اور مجھے مزید کچھ پوچھنا بھی نہیں ہے“۔

کمانڈو عمران نے شیخ صاحب سے کہا۔

”مجھے بھی کچھ نہیں پوچھنا اور مجھے کوئی اعتراض وغیرہ نہیں ہے...... یہ بتائیے کہ
ہمیں کب روانہ ہونا چاہئے“۔

شیخ صاحب نے کہا۔

"بھارت ایٹمی پاور بن چکا ہے اور انڈیمان والی فیکٹری میں ایٹم بم کے چلا
والے مواد پر بڑے زور شور سے کام جاری ہے...... بھارت کے یہ سارے عزائم پاکستا
اور دوسرے چھوٹے مسلمان ممالک کے خلاف ہیں...... اس ناپاک منصوبے میں بھار
کی اسرائیل پوری پوری مدد کر رہا ہے...... اگر تم لوگ اس فیکٹری کو تباہ کرنے م
کامیاب ہو گئے تو یہ عالم اسلام کی سلامتی کے واسطے ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"ہم یہی عزم لے کر وہاں جا رہے ہیں...... انشاء اللہ ہم اپنے مشن میں ضر
کامیاب ہوں گے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو...... اب صورت حال یہ ہے کہ میں دو دن کے ب
یہاں سے انڈیمان جا رہا ہوں...... کیونکہ وہاں یہی دو ایک مہینے بغیر بارش کے ہو
ہیں اور ان ہی دنوں میں جنگل کی کٹائی کا کام ہوتا ہے...... تم لوگ دو دن کے بعد یہا
سے روانہ ہو جاؤ گے...... پہلے یہاں سے کلکتے جاؤ گے...... وہاں سے تمہیں انڈیما
جانے والا بحری جہاز مل جائے گا...... ٹکٹ بھی وہیں جہاز کی کمپنی والے ہی دیں گے"

آج کل تیز رفتار جہاز چلتے ہیں...... اس موسم میں خلیج بنگال کا سمندر بھی طوفا
نہیں ہوتا...... تم اگر صبح کے وقت کلکتے سے روانہ ہوئے تو دوسرے دن صبح کے وق
انڈیمان پہنچ جاؤ گے...... جہاز انڈیمان کی سب سے بڑی بندرگاہ اور سب سے بڑ
جزیرے پورٹ بلیئر پر لنگر انداز ہوتا ہے...... میں تمہیں جو تقرر نامہ دوں گا اس
میرے آفس کا ایڈریس لکھا ہوا ہو گا...... پورٹ بلیئر میں ٹیکسیاں رکشے عام
ہیں...... تم آسانی سے میرے آفس پہنچ جاؤ گے...... اس کے بعد تمہیں جو کچھ کرنا ہ
وہ میں تمہیں وہاں بتا دوں گا"۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور اس
میں سے سو سو کے دس نوٹ نکال کر عمران کو دیئے اور کہا۔

"یہ تمہارے سفر کے ضروری اخراجات کے لئے ہیں...... ان میں سے تم اپنے
لئے نئے کپڑے بھی خرید لینا...... جزیرے میں بابو لوگ زیادہ تر ٹھنڈی پتلون اور قمیض
ہی پہنتے ہیں...... کیونکہ وہاں کا موسم خوشگوار ہوتا ہے...... سردی بالکل نہیں ہوتی"۔

پھر کہنے لگے۔

"تمہاری ملازمت کے کاغذات میں کل حاجی صاحب کو پہنچا دوں گا"۔

اس طویل ملاقات کے بعد حاجی صاحب کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران شیخ
صاحب سے ہاتھ ملا کر واپس چل پڑے...... راستے میں حاجی صاحب نے کہا۔

"شیخ صاحب بڑے دلیر مرد مجاہد ہیں...... لیکن تمہیں اپنے عہد پر قائم رہنا
ہو گا...... اگر خدانخواستہ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ تم پکڑے گئے تو شیخ صاحب کے
بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنا...... یہی کہنا کہ تم لوگ اپنے طور پر انڈیمان
پہنچے تھے اور چونکہ وہاں رہنے کے لئے کسی جگہ تھوڑی بہت نوکری کی ضرورت تھی،
اس لئے تم لوگوں نے شیخ صاحب کے دفتر میں نوکری کر لی"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"حاجی صاحب! اس طرف سے آپ بالکل بے فکر رہیں...... ہماری زبان پر
اذیت ناک سے اذیت ناک لمحات میں بھی شیخ صاحب کا نام نہیں آئے گا"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کو دو دن میرے ہوٹل میں ہی قیام کر لینا
چاہئے...... اوپر کی منزل والا ایک کمرہ خالی پڑا ہے...... وہاں رہ لو...... کل شیخ صاحب کی
طرف سے تمہارے کاغذات بھی آ جائیں گے...... دو دن چھوڑ کر تم یہاں سے کلکتے
روانہ ہو جانا"۔

حاجی صاحب نے عمران اور جبران کو کلکتے کی ایک مشہور سٹیم شپ یعنی جہاز راں کمپنی کا نام اور پتہ بھی بتا دیا اور کہا۔

"ان کا دفتر کرزن اسٹریٹ میں ہے...... وہاں سے تمہیں جہاز کا ٹکٹ بھی مل جائے گا اور یہ بھی علم ہو جائے گا کہ جہاز کس روز جاتا ہے...... میرا خیال ہے کہ کلکتے سے انڈیمان ہفتے میں چار مرتبہ جہاز جاتا ہے...... بہر حال یہ تمہیں وہاں پہنچ کر معلوم ہو جائے گا"۔

کمانڈو عمران اور جبران نے حاجی صاحب کے ہوٹل کی دوسری منزل والے کمرے میں ڈیرہ جما لیا...... دن کے وقت وہ بالکل باہر نہیں نکلتے تھے...... شام کے وقت وہ صرف ایک دن مارکیٹ میں گئے اور اپنے لئے دو دو پتلونیں، دو دو قمیضیں اور دوسری ضروریات کی چند ایک چیزیں خریدیں اور انہیں الگ الگ چھوٹے سوٹ کیس میں ڈال کر رکھ لیا...... دوسرے روز شیخ صاحب کی طرف سے انہیں ملازمت کے کاغذات بھی مل گئے...... یہ لفافے میں بند ایک سادہ کاغذ تھا...... (شیخ صاحب نے اپنے آفس پیڈ کو استعمال نہیں کیا تھا) اس پر ٹائپ کیا ہوا تھا کہ عمران اور جبران کو آفس میں بطور منشی اور کیر ٹیکر کے محدود مدت کے لئے ملازم رکھا جاتا ہے...... خط کمپنی کے مینجر کی طرف سے تھا...... نیچے مینجر کے دستخط تھے جو پڑھے نہیں جاتے تھے...... صاف لگ رہا تھا کہ اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ دستخط پڑھے نہ جائیں...... عمران اور جبران نے اپنا اپنا لفافہ سوٹ کیس میں سنبھال کر رکھ لیا...... اس کے بعد ایک دن چھوڑ کر یعنی تیسرے دن انہوں نے حاجی صاحب سے اجازت لی اور کلکتے کی طرف روانہ ہو گئے۔

کلکتے پہنچ کر وہ محتاط ہو گئے...... اسی دوران عمران نے صرف اتنا کیا تھا کہ شیو بڑھا لی تھی تاکہ وہاں کوئی اس کی شناخت نہ کر سکے، کیونکہ کچھ دن پہلے وہ چندن پور کے ایمونیشن ڈپو کو اڑا چکا تھا اور یقیناً پولیس اس کی تلاش میں تھی...... کلکتے کے سٹیشن سے نکلتے ہی انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور شہر کے ایک گنجان آبادی والے علاقے میں

آ کر ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا...... عمران تو ہوٹل کے کمرے میں ہی رہا...... اس نے جبران کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ جہاز راں کمپنی کے آفس میں جا کر ٹکٹ بھی خریدے اور یہ بھی معلوم کرے کہ جہاز کس روز انڈیمان روانہ ہو گا...... جبران کو وہاں کوئی نہیں پہچانتا تھا...... وہ دن کے دس بجے گیا اور دو بجے واپس آیا...... اس کے پاس کلکتے سے انڈیمان تک کے بحری جہاز "اندرا" کے دو تھرڈ کلاس کے ٹکٹ تھے...... اس نے کہا۔

"اندرا نام کا ایک جہاز کل صبح کلکتے کی بندرگاہ سے روانہ ہو گا...... اس کا ٹائم صبح آٹھ بجکر دس منٹ دیا گیا ہے...... ہمیں چھ بجے بندرگاہ پر پہنچ جانا ہو گا، کیونکہ وہاں ہمارا ڈاکٹری معائنہ بھی ہو گا اور انجکشن وغیرہ بھی لگائے جائیں گے"۔

وہ رات کو جلدی سو گئے...... صبح پانچ بجے اٹھے...... نہا دھو کر تیار ہوئے اور تھوڑا بہت ناشتہ کر کے ٹیکسی میں سوار ہو کر کلکتے کی بندرگاہ خضر پور جیٹی کی طرف روانہ ہو گئے...... وہ پونے چھ بجے بندرگاہ پر پہنچ گئے...... ٹکٹ دکھا کر بندرگاہ کی عمارت میں داخل ہو گئے...... وہاں ایک ہال کمرے میں انڈیمان جانے والے دوسرے مسافر بھی موجود تھے...... باری آنے پر عمران اور جبران کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا اور انہیں دو دو انجکشن لگا دیئے گئے...... اس کام سے فارغ ہو کر وہ بندرگاہ کے بڑے ہال کمرے میں آ کر بیٹھ گئے...... وہاں اور بھی مسافر بیٹھے تھے...... ان میں سکھ حضرات بھی تھے اور پورب کے رہنے والے مزدور لوگ بھی تھے...... چند ایک مارواڑی اور گجراتی کاروباری بھی نظر آ رہے تھے...... عورت اور بچے کسی مسافر کے ساتھ نہیں تھے...... ٹھیک ساڑھے سات بجے اعلان ہوا کہ انڈیمان جانے والے مسافر جہاز پر سوار ہو جائیں...... دوسرے مسافروں کے ساتھ عمران اور جبران بھی قطار میں لگ کر بندرگاہ کے وارف یعنی پلیٹ فارم یا گودی پر آ گئے...... یہاں ایک کافی بڑا دو منزلہ جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا...... تھرڈ کلاس اور فسٹ کلاس کے عرشوں کی سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں...... عمران

اور جبران کے پاس تھرڈ کلاس کے یعنی اوپر والے عرشے کے ٹکٹ تھے...... وہ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے ڈیک یعنی عرشے پر آ گئے...... ان کے پاس کوئی سامان اور بستر وغیرہ کچھ نہیں تھا...... ایک طرف سائبان کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرتے اور جہاز کے ڈیک پر کام کرتے ملاحوں کو دیکھنے لگے...... ٹھیک آٹھ بجکر دس منٹ پر جہاز چل پڑا...... دوپہر تک جہاز کلکتے کے دریائے ہگلی میں چلتا رہا...... یہ اصل میں دریائے جمنا ہے...... یہ دریا جب کلکتے میں داخل ہوتا ہے تو اس کا نام ہگلی ہو جاتا ہے...... تیسرے پہر دریا کے گدلے پانی میں سمندر کا نیلا پانی بھی شامل ہونا شروع ہو گیا...... دریا کا پاٹ آہستہ آہستہ چوڑا ہوتا جا رہا تھا...... آخر ایک وقت پر دریا کے دونوں کنارے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے...... جہاز اب دریا کے ڈیلٹے میں داخل ہو چکا تھا...... شام کے وقت جہاز سمندر میں آ گیا...... یہ خلیج بنگال کا سمندر تھا جس کے پانی کا رنگ بالکل کوئلے کی طرح سیاہ تھا...... اس وجہ سے اس کا نام کالا پانی پڑ گیا ہے۔

ساری رات جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا...... انہیں بتایا گیا تھا کہ جہاز دوسرے دن صبح کو انڈیمان پہنچے گا، لیکن جہاز دوسرے روز دوپہر کے بعد انڈیمان پہنچا...... دور ہی سے جزیرے کے کالے کالے پہاڑ نظر آنا شروع ہو گئے تھے...... انڈیمان کے جزیرے بنگال کے جنوب میں اور بھارت کے مشرقی ساحل سے دور خلیج بنگال میں واقع ہیں...... ان کی ایک جانب خلیج بنگال کا سمندر ہے اور مشرق کی جانب بحر انڈیمان ہے...... رنگون یہاں سے تین سو میل شمال مشرق میں ہے اور مدراس آٹھ سو میل مغرب میں واقع ہے۔

کالے پانی یعنی جزائر انڈیمان نکوبار کے ساتھ جنگ آزادی کی بہت سی سنسنی خیز کہانیاں وابستہ ہیں...... وہاں جنگ آزادی کے کئی مجاہدین اللہ کو پیارے ہوئے اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا...... ان جزیروں میں جنگ آزادی کے دوران اللہ اکبر کے نعرے گونجتے رہے...... 1973ء میں انڈیا کا گورنر جنرل لارڈ میو جس کے نام پر لاہور کا

میو ہسپتال بنایا گیا تھا...... جزائر انڈیمان کے دورے پر آیا کہ ایک آفریدی پٹھان شیر علی نے چھری سے اس کا کام تمام کر دیا...... شیر علی پکڑا گیا...... اس سے پوچھا گیا کہ اس نے گورنر جنرل کو کیوں قتل کیا...... شیر علی نے کہا...... میں نے اسے خدا کے حکم سے قتل کیا ہے...... شیر علی کو پھانسی کی سزا ہو گئی...... اس نے تختہ دار پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا...... بھائیو! میں نے دشمن اسلام کو قتل کر ڈالا ہے...... گواہ رہنا...... میں مسلمان ہوں اور اپنا فرض ادا کر کے مر رہا ہوں"۔

اس نے بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا اور لٹک گیا۔

ان کا جہاز انڈیمان کے سب سے بڑے جزیرے کی بندرگاہ پورٹ بلیئر پر لنگر انداز ہو گیا...... دونوں کمانڈو دوست خاموشی سے نیچے اترے...... بندرگاہ کے باہر آ کر انہوں نے ایک ٹیکسی لی...... ٹیکسی والے کو شیخ صاحب کی کمپنی کا لکھا ہوا پتہ دکھایا اور کہا۔

"ہمیں یہاں لے چلو"۔

وہ جگہ خاصی مشہور تھی...... پندرہ منٹ میں ٹیکسی نے عمران اور جبران کو شیخ صاحب کے آفس کے باہر پہنچا دیا...... یہ ایک چھوٹا سا آفس تھا جو ایک لمبی دکان میں بنا ہوا تھا...... عمران نے دفتر میں داخل ہونے کے بعد ہیڈ کلرک سے ملاقات کی اور اسے شیخ صاحب کا خط دکھایا...... ہیڈ کلرک نے پوچھا...... آپ لوگ کب آئے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"سر! صبح کے جہاز سے اترے ہیں"۔

ہیڈ کلرک مسلمان تھا...... تقرری کے خط کو اس نے بڑے غور سے پڑھا...... کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... آپ لوگ کل سے دفتر آنا شروع کر دیں...... میں کام آپ کو سمجھا دوں گا"۔

عمران اور جبران ہیڈ کلرک کا شکریہ ادا کر کے دفتر سے نکل آئے...... ان کے

ٹھہرنے کا انتظام شیخ صاحب نے خود آ کر کرنا تھا...... ایک دو دن کے لئے انہو ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا...... رات وہاں گزاری اور دوسر شیخ صاحب کے آفس پہنچ گئے...... ہیڈ کلرک نے عمران کو ڈاک درج کرنے سے باہر پوسٹ ہونے والے خطوط کے اندراج کی ڈیوٹی پر لگا دیا...... اسی طرح ج بھی کلرکی کا کام دے دیا...... وہ الگ الگ کمروں میں بیٹھ گئے اور کام شروع کر دیا۔

دوسرے روز شام کے وقت شیخ صاحب بھی آ گئے...... انہوں نے دو سرسری طور پر عمران اور جبران سے ملاقات کی اور پھر عمران کو اپنے آف بلا لیا...... آفس میں اس وقت دونوں تنہا تھے...... تیسرا آدمی کوئی نہیں تھا صاحب کہنے لگے۔

''آفس میں میں تم سے زیادہ بات چیت نہیں کروں گا...... تم بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا...... اس میں تمہاری بہتری ہے''۔

پھر شیخ صاحب نے دراز میں سے ایک کاغذ نکال کر عمران کو دیا۔

''اس پر اس کوارٹر کا نمبر اور ایڈریس لکھا ہوا ہے جہاں تم دونوں قیا گے...... میں رات کے وقت تمہیں ملنے آ جایا کروں گا اور وہیں مشن کے بار گفتگو ہو گی...... یہاں تم صرف اپنے کام سے غرض رکھو گے...... دفتر کے دو سٹاف سے بھی زیادہ تعلقات بڑھانے کی ضرورت نہیں...... باقی تم خود سمجھدار اب تم جاؤ اور کام کرو''۔

دفتر سے چھٹی کے بعد عمران اور جبران شیخ صاحب کے بتائے ہوئے ایڈر کوارٹرز میں پہنچ گئے...... یہ پتھر کی دیواروں اور بانس اور کھپریل کی ڈھلوان والے چار کوارٹر تھے...... جو ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے...... چاروں کوارٹر بالکل پڑے تھے...... ایک کوارٹر میں دفتر کی پرانی فائلوں وغیرہ کا انبار لگا تھا...... گویا روم تھا...... عمران اور جبران نے ایک کوارٹر پر قبضہ جما لیا...... اس کوارٹر میں

چارپائیاں اور بانس کی تین چار کرسیاں اور لوہے کی ایک چھوٹی میز تھی...... ساتھ ہی غسل خانہ تھا...... صحن کے برآمدے میں کچن تھا...... اس شام دونوں کمانڈو دوستوں نے ہوٹل میں ہی کھانا کھایا اور کوارٹر میں آ کر چارپائیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے......

جبران نے کہا۔

''ہمارا بیس کیمپ تو بن گیا ہے...... اب مہاشکتی فیکٹری کا مشاہدہ کرنا ضروری ہے''۔

عمران بولا۔

''اس بارے میں شیخ صاحب ہی ہماری راہ نمائی کر سکتے ہیں''۔

رات کے گیارہ بجے کے قریب شیخ صاحب بھی آ گئے۔



شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"انڈیمان کیسا لگا تمہیں؟"۔

عمران بولا۔

"اچھا لگا...... جیسے جنوب مشرقی ایشیا کے جزیرے ہوتے ہیں...... ویسے یہ بھ

ہے"۔

شیخ صاحب کہنے لگے۔

"یہاں تمہیں ایک ملازمہ مل جائے گی جو تمہیں کھانا وغیرہ پکا دیا کرے گی...... عورت انڈیا کی ہے اور عرصہ بیس برس سے اسی جزیرے میں آباد ہے...... ادھیڑ ع عورت ہے...... میریٹی زبان اس کی مادری زبان ہے...... مسلمان ہے...... کم بول ہے...... یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے"۔

ادھر ادھر کی کچھ باتوں کے بعد کمانڈو جبران نے کہا۔

"شیخ صاحب! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم بھارت کی مہاشکتی اٹامک فیکٹری کا ای نظر مشاہدہ کر لیں...... شیخ صاحب خاموش ہو گئے...... پھر کہنے لگے۔

"میں جانتا ہوں تمہارے لئے فیکٹری کے گرد و نواح کا مشاہدہ کرنا بہت ضرور ہے...... فیکٹری کے اندر تو تم نہیں جا سکتے، مگر باہر سے تمہیں اس کا محل وقوع معل ہونا چاہئے"۔

عمران نے کہا۔

"ہمارے مشن کی یہ پہلی سیڑھی ہے...... اسے طے کئے بغیر ہم آگے قدم نہیں بڑھا سکتے"۔

جبران نے کہا۔

"وہاں سیکورٹی کا ظاہر ہے بڑا سخت انتظام ہو گا"۔

شیخ صاحب مسلسل کسی سوچ میں تھے...... کہنے لگے۔

"سیکورٹی کہاں نہیں ہوتی؟ اور پھر جہاں آرسنل اور اٹامک فیکٹری ہو وہاں تو سیکورٹی بہت سخت ہو گی، لیکن تشویش کی ایسی کوئی بات نہیں ہے...... میں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لوں گا...... اب ایسا ہے کہ صبح تم ناشتہ باہر ہی کرو گے...... دوپہر سے پہلے ملازمہ آ جائے گی...... اس کے ساتھ ہی وہ تمہارے کچن کا کام سنبھال لے گی...... اس کو یہاں سب بائی جی کہتے ہیں...... تم بھی بائی جی ہی کہہ لیا کرنا...... باقی اگر پیسوں کی ضرورت پڑے تو مجھے بتا دینا"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی ہمارے پاس کافی روپے ہیں...... ضرورت پڑی تو بتا دیں گے، لیکن مہاشکتی اٹامک فیکٹری کا مشاہدہ بہت ضروری ہے...... اس کا جلدی سے جلدی بندوبست ہو جانا چاہئے، کیونکہ ہماری اطلاع کے مطابق بھارت نے ایٹم بم چلانے والے نیوٹوریم آکسائیڈ پر کام بڑے زور و شور سے شروع کر رکھا ہے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"جتنی تمہیں فکر ہے اس سے زیادہ میں متفکر ہوں...... اگر بھارت ایٹم بم چلانے والا کیمیاوی مادہ تیار کر لیتا ہے تو وہ ایٹمی دوڑ میں ہم سے آگے نکل جائے گا...... اس فیکٹری کا اس کیمیاوی مواد کے تیار ہونے سے پہلے پہلے تباہ کیا جانا بہت ضروری ہے...... میں تمہیں کل آ کر کوئی اچھی خبر سناؤں گا...... اب میں چلتا ہوں"۔

شیخ صاحب چلے گئے...... جبران کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ جہاں یہ فیکٹری واقع ہے اس فیکٹری میں کام کرنے
سائنس دانوں کے رہائشی کوارٹرز وغیرہ بھی وہیں فیکٹری کے اندر ہی ہوں
کیونکہ ہمیں پورٹ بلیئر کے بازاروں میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جس کے
سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ وہ کوئی سائنس دان ہے اور پھر فیکٹری میں اسرائیلی
دان بھی کام کرتے ہیں"۔

"ظاہر ہے ان لوگوں کی رہائش فیکٹری کے احاطے میں یا اس کے آس پاس ہی
ہو گی..... یہ تو شیخ صاحب کے آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا کہ صحیح صورت حال کیا

رات کو دونوں سو گئے..... دوسرے دن ایک نوکر آ کر انہیں دو بستر
دوسری ضروری چیزیں دے گیا..... صبح ناشتہ کرنے دونوں ساتھی قریبی بستی کی
چائے کی دکان پر آ گئے..... یہاں کی آبادی زیادہ تر ہندوستان کے لوگوں پر
تھی..... ان میں ملایا فلپائن کے باشندے بھی نظر آ جاتے تھے..... وہاں کے
لوگ محنت مزدوری کرتے نظر آتے تھے..... مقامی باشندوں کے رنگ کالے
چھوٹے تھے اور وہ عجیب سی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے.....
میں زیادہ تر اردو اور انگریزی ہی بولی جاتی تھی..... ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپ
میں واپس آ گئے..... ایک سٹور سے انہوں نے اپنے لئے تولئے، ٹوتھ پیسٹ
خریدے..... دس گیارہ بجے کے قریب بائی جی آ گئی..... ادھیڑ عمر کی دبلی سی
سانولے رنگ کی مرہٹہ عورت تھی..... وہ اپنے ساتھ ٹوکری میں سبزی گوشت
بھی لائی تھی..... عمران اور جبران نے اسے سلام کیا تو اس نے سرسری طور
دیا اور کچن میں جا کر اپنے کام میں لگ گئی۔

جبران نے کہا۔

"شیخ صاحب نے اس عورت کے بارے میں ٹھیک ہی کہا تھا کہ بائی جی
بات کرتی ہیں"۔

عمران بولا۔

"ہمیں اسی قسم کی ملازمہ کی ضرورت تھی"۔

دوپہر کو بائی جی نے سبزی گوشت کا سالن بنایا جو بڑا مزے دار تھا..... ساتھ چاول
ائے..... وہاں لوگ چاول ہی کھاتے تھے..... عمران اور جبران کوارٹر میں ہی
..... تیسرے پہر بائی جی چائے بنا کر لے آئی..... شام سے ذرا پہلے اس نے رات کا
ھانا تیار کیا اور چلی گئی..... دونوں نے رسوئی میں بیٹھ کر ہی رات کا کھانا کھایا اور کوارٹر
ں آ کر شیخ صاحب کا انتظار کرنے لگے۔

کارنس پر رکھے ہوئے چھوٹے سے کلاک نے جب رات کے ساڑھے دس
ائے تو شیخ صاحب کی جیپ کوارٹر کے عقب میں آ کر کھڑی ہو گئی..... اس روز عمران
ر جبران گھریلو مصروفیات کی وجہ سے دفتر نہیں گئے تھے..... ہیڈ کلرک کو انہوں نے
دیا تھا کہ وہ کل نہیں آئیں گے..... شیخ صاحب کوارٹر میں آ کر ان کے پاس بیٹھ
ے۔ کہنے لگے۔

"میں نے ایک آدمی کا انتظام کر لیا ہے..... وہ اپنا ہی آدمی ہے..... دلی کا رہنے والا
..... ایک مدت سے یہاں دینی تبلیغ کا نیک کام کر رہا ہے..... اپنی ہی جماعت کا آدمی
..... جہاں تک رازداری کا تعلق ہے اس میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے.....
ا کا نام جان احمد ہے..... وہ اس جزیرے کے تمام علاقوں سے واقف ہے..... بھارت
مہاشکتی فیکٹری کے سارے حدود اربعہ سے واقف ہے..... سب سے بڑی بات یہ
کہ وہ دو ایک بار فیکٹری کے اندر بھی سوکھے راشن اور سبزیوں کی سپلائی کے سلسلے
جا چکا ہے..... وہ کل دوپہر کے بعد جب تم دفتر سے واپس آ چکے ہو گے تو تمہارے
ا آ جائے گا اور تمہیں سب کچھ بتا دے گا کہ کس طرح فیکٹری کے مشاہدے کو جانا
رہے گا..... وہ جس طرح کہے اسی طرح کرنا"۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد شیخ صاحب واپس چلے گئے..... جاتے ہوئے کہہ گئے کہ میرا

رات کو بار بار یہاں آنا ٹھیک نہیں ہے...... احمد جان تمہیں اپنا پتہ دے دے گا...... پھر
سے کوئی خاص بات کرنی ہو تو اس کو کہہ دینا وہ مجھے بتادے گا...... دوسرے روز عمران
اور جبران دوپہر دو بجے تک شیخ صاحب کے آفس میں کام کرتے رہے...... دو بجے کے
بعد اپنے کوارٹر میں واپس آگئے...... چار بجے کے قریب احمد جان صاحب آگئے
شرعی ڈاڑھی تھی...... سانولی رنگت تھی...... عمر زیادہ سے زیادہ پینتیس برس
ہوگی...... پاجامہ کرتا پہنا ہوا تھا...... گلے میں تھیلا لٹکا ہوا تھا...... شیخ صاحب نے انہیں
ہماری فوٹو دکھادی ہوئی تھی...... انہوں نے آتے ہی ہمیں گھور کر دیکھا...... پھر سلام
علیکم کہہ کر ہاتھ ملایا اور بولے۔

"تم میں عمران کون ہے اور جبران کون ہے؟"۔

دونوں نے احمد جان سے اپنا اپنا تعارف کرایا...... وہ کمرے میں چارپائی پر بیٹھ
گئے...... کہنے لگے۔

"مہاشکتی فیکٹری کے اندر اور باہر دونوں جگہوں پر سیکورٹی کا اس قدر زبردست
انتظام ہے کہ بلا مبالغہ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن احمد جان صاحب! ہمیں تو ہر حالت میں اس کے محل وقوع کا بھرپور
قریب سے جائزہ لینا ہے"۔

احمد جان بولے۔

"آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں آپ کے مشن کی نوعیت سے
واقف ہوں...... مجھے معلوم ہے کہ جب تک آپ مشاہدہ نہیں کرلیں گے آپ
قدم نہیں اٹھا سکیں گے...... میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں اور شیخ صاحب نے
بھی مجھے اسی مقصد کی خاطر آپ کے پاس بھیجا ہے...... سب سے پہلی بات تو یہ
ہم اس لباس میں فیکٹری کے قریب ہرگز نہیں جا سکیں گے"۔

جبران بولا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"۔

"ہمیں حلیہ بدل کر جانا ہوگا"۔

احمد جان نے کہا...... "حلیہ بدلنے سے مراد یہ ہے کہ ہمیں جنگل میں لکڑیاں کاٹنے والے مزدوروں کا حلیہ بنانا ہوگا...... یہاں جنگل میں کٹائی کرنے والے مزدور کس قسم کا لباس پہنتے ہیں، مجھے معلوم ہے...... میں کل اسی وقت آؤں گا اور اپنے ساتھ مزدوروں والے کپڑے بھی لیتا آؤں گا...... ہم اسی کمرے میں اپنا حلیہ تبدیل کریں گے اور پھر مہاشکتی فیکٹری کے قریبی جنگل میں جاکر درختوں کی کٹائی کرنے لگیں گے...... اس کے بعد موقع دیکھ کر میں آپ لوگوں کو اپنے ساتھ مشاہداتی مہم پر لے جاؤں گا...... مجھے امید ہے کہ تم دونوں میری بات اچھی طرح سمجھ گئے ہوگے۔

عمران بولا۔

"ہم حرف بہ حرف سمجھ گئے ہیں"۔

"تو ٹھیک ہے" احمد جان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں کل اسی وقت آؤں گا"۔

احمد جانے کے جانے کے بعد جبران بولا۔

"یہ آدمی کافی تجربہ کار اور ہوشیار لگتا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے بھی یہی اندازہ لگایا ہے...... بہر حال ہمیں کل کے لئے بالکل تیار رہنا چاہئے"۔

دوسرے روز اپنے بتائے ہوئے وقت پر احمد جان آگیا...... کندھے سے ایک بڑا تھیلا لٹک رہا تھا...... کوارٹر میں آکر وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور تھیلے میں نیلے رنگ کا ایک میلا سا پاجامہ اور اسی رنگ کی صدری نکال کر انہیں دکھا کر کہنے لگا۔

"یہاں جنگل میں کٹائی کرنے والے مزدوروں کا یہی پہناوا ہوتا ہے...... نیلا پاجامہ اور نیلی صدری، اس وقت میرے پاس ہم تینوں کے لئے یہ لباس موجود ہے...... میں تین کلہاڑیاں بھی ساتھ لایا تھا جو میں نے راستے میں ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپادی ہیں...... یہاں سے جاتے وقت ہم وہاں سے اٹھالیں گے...... اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے آج ڈاڑھی نہیں مونڈھی اور تمہاری شیو بڑھی ہوئی ہے...... اب تم دونوں یہ کپڑے پہن لو"۔

عمران اور جبران نے فوراً نیلا پاجامہ اور نیلی صدری پہن لی...... ان دونوں کی شیو بڑھی ہوئی تھی...... انہوں نے پاؤں میں چپلیں پہن لیں...... تھوڑی دیر بعد ان تینوں کے حلیے بالکل جنگل کی کٹائی کرنے والے مزدوروں والے ہوگئے تھے...... احمد جان نے انہیں ساتھ لیا اور کوارٹر کے عقب سے ہو کر وہ درختوں کی طرف نکل گئے...... وہاں ایک جگہ جھاڑی میں اس نے تین مختلف سائز کی پرانی کلہاڑیاں چھپائی ہوئی تھیں...... انہوں نے کلہاڑیاں نکال کر ایک ایک تھام لیں...... احمد جان نے کہا۔

"انہیں اپنے کندھوں سے لٹکالو...... یہاں کے مزدور اس طرح لٹکائے رکھتے ہیں"۔

انہوں نے کلہاڑیاں اپنے اپنے کندھوں سے لٹکالیں...... چلتے چلتے عمران کی کلہاڑی دو ایک بار نیچے گر پڑی...... اس کے بعد اس نے اسے پوری طرح سے کندھے پر جمالیا...... انڈیمان میں جنگل شہر کی آبادیوں سے نکلتے ہی شروع ہو جاتے ہیں...... سارے کے سارے جزیروں میں پہاڑیاں اور گھنے جنگل ہیں...... چلتے چلتے انہیں پسینہ آگیا...... احمد جان بولا"۔

ہمیں پسینے میں شرابور ہو جانا چاہئے...... یہاں حبس بہت ہوتا ہے...... جنگل کوئی مزدور ایسا نہیں ملے گا جو پسینے میں شرابور نہ ہو۔

احمد جان ان دونوں کو گھاٹیوں اور کھڈوں میں سے گزارتا ایک اونچے ٹیلے کے

عقب میں لے آیا...... یہاں پہنچ کر وہ رک گیا...... کہنے لگا۔

"یہاں تھوڑی بہت درختوں کی پتلی ٹہنیاں کاٹ کر ان کے چھوٹے چھوٹے گٹھے بنا کر اپنے کندھوں پر رکھ لو"۔

انہوں نے ایسا ہی کیا...... ہر ایک نے کلہاڑی کی مدد سے درختوں کی پتلی شاخیں کاٹ کر ان کا گٹھا بنایا اور اپنے کندھے پر رکھ لیا...... اس کے بعد کلہاڑیاں انہوں نے ہاتھوں میں تھام لیں۔

احمد جان نے دور سے نظر آنے والے ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمیں اس ٹیلے کے پاس جانا ہے...... مہاشکتی فیکٹری اس ٹیلے کے دوسری طرف ہے...... میں تمہیں ٹیلے کے اوپر لے چلوں گا، وہاں سے تم نیچے فیکٹری کا بھرپور مشاہدہ کر سکو گے"۔

جنگلاتی راستوں پر جھاڑیوں اور جنگلی بیلوں کو ادھر ادھر ہٹاتے دو ایک گھنٹے میں فیکٹری والے ٹیلے پر پہنچے...... احمد جان خود بھی ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور کمانڈو عمران اور جبران کو بھی اپنے پاس بٹھالیا...... وہ دھیمی آواز میں بات کرنے لگا تھا...... اس نے کہا۔

"یہاں سے مہاشکتی فیکٹری کا سیکورٹی زون شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ فیکٹری ٹیلے کی دوسری جانب باریک پیالہ نما چھوٹی سی وادی میں ہے جس کی چاروں جانب ٹیلے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کہیں اس ٹیلے پر فوج نے کوئی مشین گن پوسٹ تو نہیں بنا رکھی"۔

احمد جان بولا۔

"نہیں...... اس کی میں تصدیق کر چکا ہوں...... اس ٹیلے کے اوپر یا دوسری طرف ڈھال پر کوئی مشین گن پوسٹ نہیں ہے...... البتہ فیکٹری کے مین گیٹ پر اور خاردار تاروں والی چار دیواری کے ساتھ ساتھ تین چار مشین گن پوسٹیں بنی ہوئی ہیں، لیکن

تمہیں اس طرف جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میں محض احتیاط کے طور پر یہاں اونچی آواز میں تم لوگوں سے بات نہیں کر رہا، کیونکہ یہ سیکورٹی زون ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ انڈین فوج نے یہاں خفیہ آلات لگا رکھے ہوں...... ہمیں کبھی بھی یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ہمیں دشمن کا میدان صاف ملے گا“۔

عمران کو احمد جان کی یہ بات بڑی اچھی لگی...... ایک کمانڈو کے لئے یہ بہت اہم سبق تھا...... کمانڈو جبران نے احمد جان سے سوال کیا۔

”فیکٹری کے اردگرد جو خاردار باڑ لگائی گئی ہے...... اس کی صورت حال کیا ہے...... کیا اس میں برقی رو بھی چھوڑی گئی ہے؟“۔

احمد جان نے کہا۔

”میری معلومات کے مطابق خاردار باڑ کی دیوار میں نیچے کے دس تاروں اور اوپر کے دس تاروں میں برقی رو دن رات دوڑتی ہے، چنانچہ آپ لوگ اس بات کو بھول جائیں کے آپ خاردار تاروں کو کاٹ کر فیکٹری میں داخل ہو سکیں گے...... اگر آپ ربڑ کے دستانے پہن کر بھی تار کاٹیں گے تو تاروں کے کٹتے ہی وہاں زبردست دھماکہ ہو گا اور فیکٹری کی سیکورٹی الرٹ ہو جائے گی اور تم لوگوں کو فرار ہونے کا بھی راستہ نہیں مل سکے گا“۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

”ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا“۔

احمد جان بولا۔

”اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا...... ابھی تو آپ لوگ میرے ساتھ ٹیلے کے اوپر چڑھ کر فیکٹری کا مشاہدہ کریں اور یہ دیکھیں کہ کس کس مقام پر مشین گن کے مورچے ہیں اور کون کون سی جگہوں پر دن رات فوجی جوان پہرہ دیتے ہیں...... میرے پیچھے پیچھے آ جاؤ“۔

رات کا اندھیرا چھا گیا تھا...... ٹیلے کی ڈھال جھاڑیوں اور لمبی گھاس سے ڈھکی ہوئی تھیں...... کہیں کہیں اندھیرے میں چھتری دار درختوں کے خاکے بھی نظر آ رہے تھے...... ان کے گائیڈ احمد جان نے ٹیلے کی چوٹی پر جانے کا ایک محفوظ مگر ذرا لمبا راستہ اختیار کیا تھا...... ایک دوسرے کے آگے پیچھے بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتے وہ ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گئے...... چوٹی پر آتے ہی احمد جان کے ساتھ کمانڈو عمران اور جبران بھی بیٹھ گئے...... احمد جان نے ٹیلے کی دوسری طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا...... عمران اور جبران نے دوسری طرف جھک کر دیکھا۔

ٹیلے کی ڈھلان جہاں ختم ہوتی تھی وہاں تین چار بتیاں روشن تھیں...... یہ روشنیاں خاردار تار کے کھمبوں کے اوپر لگے ہوئے بجلی کے قمقموں کی تھیں...... ایک پیالہ نما چھوٹی سی وادی مین تین بارکوں کی چھتیں دکھائی دے رہی تھیں...... یہ بارک کے آگے کھمبے پر بلب کی روشنی تھی...... وہاں کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ یہاں بھارت کی ایک بہت بڑی ایٹمی فیکٹری ہے...... کمانڈو عمران نے احمد جان کو سرگوشی میں کہا۔

”یہ فیکٹری لگتی نہیں“۔

احمد جان نے کہا۔

”سارا کام زمین کے نیچے تہہ خانوں میں ہوتا ہے...... اوپر تو صرف دفتر بنے ہوئے ہیں“۔

ایک جانب فیکٹری کا گیٹ تھا...... وہاں بھی روشنی تھی...... اس روشنی میں کمانڈو عمران کو گیٹ کی بائیں جانب چبوترہ سا نظر آیا...... اس نے کمانڈو جبران کو وہ چبوترہ دکھاتے ہوئے کہا۔

”یہ مشین گن کا مورچہ ہی ہو سکتا ہے“۔

ایک اور بات کمانڈو عمران نے نوٹ کی کہ وہاں رات کے وقت کوئی پٹرول پارٹی

گشت نہیں لگا رہی تھی...... جب اس نے اس کا ذکر کیا تو احمد جان بولا۔

''اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بھارت کی اس فیکٹری کی انتظامیہ ا سیکورٹی کو معلوم ہے کہ ایک تو یہ جگہ انڈیا سے ہزاروں میل دور ہے...... دوسرے ایک ایسا جزیرہ ہے جہاں کوئی دہشت گرد بھی نہیں پہنچ سکتا...... اس کے باوجود یہا سیکورٹی کا بڑا خطرناک انتظام کیا گیا ہو گا''۔

کمانڈو عمران نے احمد جان سے کہا۔

''آ جاؤ...... واپس چلتے ہیں...... میں نے جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ لیا ہے''۔

تینوں طویل اور خفیہ راستوں سے ہوتے ہوئے کمانڈو عمران کے نئے ٹھکا یعنی اس کے کوارٹر میں آ گئے...... احمد جان نے عمران سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے تمہارا؟''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ فیکٹری کے اندر رات کے وقت جانا تقریباً ناممکن ہے... سب سے بڑی رکاوٹ کانٹے دار تار کی دیوار ہے جس کے اوپر اور نیچے بجلی کی رو چھوڑ ہوئی ہے''۔

کمانڈو جبران نے عمران کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے''۔

عمران بولا۔

''کوئی دوسرا راستہ سوچنا پڑے گا...... تلاش کرنا پڑے گا''۔

یہاں احمد جان کہنے لگا۔

''دوسرے راستے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''دوسرے راستے سے مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی نہ کسی روپ یا حلیے میں فیکٹ

میں کام کرنے والے آدمیوں کے ساتھ فیکٹری میں داخل ہو کر اپنے آپریشن کو انجام دینا ہو گا''۔

کمانڈو جبران بولا۔

''ہمارے لئے یہ بالکل اجنبی جگہ ہے...... اجنبی ماحول ہے...... ہم فیکٹری میں کام کرنے والے سٹاف تو کیا کسی مزدور کی شکل سے بھی واقف نہیں ہیں''۔

احمد جان کہنے لگا۔

''مجھے ایک دن کی مہلت دو...... میں کوئی نہ کوئی راستہ نکالنے کی کوشش کروں گا''۔

احمد جان اس کے بعد چلا گیا۔

دوسرے روز کمانڈو عمران اور جبران دونوں حسب معمول شیخ صاحب کے آفس اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے...... ان کی آفس میں شیخ صاحب سے بہت کم ملاقات ہوتی تھی...... آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو عمران اور جبران صرف سلام کر کے آگے نکل جاتے تھے...... شیخ صاحب کی طرف سے انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ آفس میں ان سے بات کرنے کی کوشش نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے، کیونکہ وہاں سی آئی ڈی والوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی...... اگرچہ ابھی تک عمران اور جبران کو کوئی خفیہ کا آدمی نظر نہیں آیا تھا...... دونوں کو اس قدر تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ سی آئی ڈی والے کو فوراً پہچان لیتے تھے۔

ایک دن گزر گیا...... رات کو شیخ صاحب اور احمد جان میں سے کوئی بھی عمران جبران کے کوارٹر میں نہ آیا...... دوسرے دن شام کے وقت احمد جان آ گیا...... کمانڈو عمران نے کافی بنائی...... کافی پیتے ہوئے وہ باتیں کرنے لگے۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''احمد بھائی! پھر کچھ سوچا تم نے؟''۔

احمد جان کہنے لگا۔

''سوچا ضرور ہے مگر جو کچھ میں نے سوچا ہے وہ عملی طور پر مشکل لگتا ہے''۔

"مثلاً کیا سوچا ہے تم نے؟"۔

احمد جان بولا۔

"مہاشکتی فیکٹری میں زیر زمین جہاں لیبارٹری ہے اور جہاں ایٹم بم کو چلانے والے کیمیاوی محلول کو تیار کیا جاتا ہے، وہاں ایک نیا سٹور بنایا گیا ہے جس کا ان دنوں بجلی کی وائرنگ اور سوئچ بورڈوں کی فٹنگ کا کام ہو رہا ہے...... اس کام کا ٹھیکہ ایک انڈین کو دیا گیا ہے جو بیس پچیس سال سے جزائر انڈیمان میں کام کر رہا ہے...... اس آدمی کا نام پرشوتم داس ہے اور وہ مراد آباد کا رہنے والا ہے اور بڑا کٹر کانگریسی ہے...... اس کو اعتماد میں لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... اس ٹھیکیدار نے چھ آدمی کام پر لگائے ہوئے ہیں جو روزانہ فیکٹری میں جا کر کام کرتے ہیں...... ان چھ آدمیوں میں سے ایک الیکٹریشن مسلمان ہے اور میرا دوست ہے اور پاکستان اور کشمیری مجاہدین کا عاشق ہے...... اس سلسلے میں اس سے مدد لی جاسکتی ہے"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"کیا وہ فیکٹری کے تہہ خانوں میں بم لے جا کر لگائے گا؟"۔

احمد جان نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ ایسا نہیں کرے گا، لیکن وہ ایسا کر سکتا ہے کہ کسی دن اپنی جگہ پر تم میں سے کسی کو فیکٹری میں بھیج دے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" عمران نے اعتراض کیا۔

احمد جان بولا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو...... بظاہر ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر وہ بیماری کا بہانہ بنا کر یہ کہہ دے کہ میں کل نہیں آؤں گا اور میری جگہ پر میرا چھوٹا بھائی کام کرنے آجائے گا، اور تم فیکٹری کے تہہ خانے میں بم لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہو اور فیکٹری دھماکے سے اڑ جاتی ہے تو قدرتی طور پر ملٹری انٹیلی جنس میرے دوست کو

پکڑ لے گی کہ تم جس آدمی کو اپنا چھوٹا بھائی ظاہر کر کے لائے تھے وہ کہاں ہے، لیکن عمران بھائی...... یقین کرو میرا دوست اس قومی خدمت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو بھی تیار ہو جائے گا...... میں اس کے جذبوں کو جانتا ہوں...... وہ یہاں تین چار سال سے مقیم ہے، اس کی بجلی کی چھوٹی سی دکان ہے...... اس کا یہاں آگے پیچھے کوئی نہیں ہے...... وہ اکیلا جزیرے میں رہ رہا ہے...... اگر تم لوگ فیکٹری کو اڑانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو میرا دوست یہاں سے فرار ہو جائے گا...... اسے فرار ہونے کے سارے طریقے آتے ہیں"۔

احمد جان کی باتوں سے عمران اور جبران کچھ کچھ متاثر ہوتے نظر آ رہے تھے......

عمران نے کہا۔

"لیکن مہاشکتی فیکٹری ایک انتہائی حساس جگہ ہے...... تمہارا دوست فیکٹری کے متعلقہ افسروں کو اپنی جگہ پر اپنے بھائی کو بھجوانے پر کس طرح راضی کرے گا"۔

احمد جان بولا۔

"یہ کام تم میرے دوست پر اور مجھ پر چھوڑ دو...... یہ بتاؤ کہ کیا تم میں سے کوئی فیکٹری کے زمین دوز تہہ خانے میں جا کر بم پلانٹ کر سکے گا؟"۔

کمانڈو عمران کہنے لگا۔

"اگر ہم میں سے کسی کو فیکٹری کے تہہ خانے میں جانے کا موقع مل جاتا ہے تو وہاں بم پلانٹ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے...... صرف ہمیں چھوٹے سائز کے انتہائی دھماکہ خیز ٹائم بم مہیا ہو جانے چاہئیں"۔

احمد جان نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو...... چھوٹے سے چھوٹے سائز کے ٹائم بم تمہیں مہیا کرنا میرا کام ہے...... یہ بتاؤ کہ تم میں سے کون اس مشن پر جانے کی حامی بھرتا ہے"۔

عمران بولا۔

"میں اس مشن پر جانے کو تیار ہوں"۔

"بس ٹھیک ہے" احمد جان نے کہا..... "اب مجھے اپنے دوست سے بات کر لینے دو"۔

"تمہارے اس دوست کا نام کیا ہے؟" جبران نے پوچھا۔

احمد جان بولا۔

"اس کا نام عبدالکریم ہے..... عمر یہی کوئی تیس بتیس سال ہو گی..... اس نے شادی وغیرہ نہیں کی..... اکیلی جان ہے، جس جگہ دکان کرتا ہے اسی دکان کے اوپر چوبارے میں رہتا ہے..... میں کل اس سے بات کروں گا اور پھر کل رات کو اسے اس جگہ اپنے ساتھ لیتا آؤں گا"۔

احمد جان جب چلا گیا تو جبران اور عمران اس موضوع پر آپس میں باتیں کرنے لگے..... جبران کہنے لگا۔

"معاملہ بڑا نازک لگتا ہے..... میرا خیال ہے کہ اس قسم کی انتہائی حساس اور اہم ترین فیکٹری کی متعلقہ انتظامیہ کسی الیکٹریشن کے بیمار پڑنے پر متبادل کے طور پر دوسرے الیکٹریشن کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"لیکن اگر یہ شخص عبدالکریم دل سے چاہے کہ ایسا ہو تو وہ متعلقہ افسر کو قائل کر سکتا ہے، کیونکہ انتظامیہ کو تو کام چاہئے اور پھر وہ لوگ سٹور کو جلد سے جلد مکمل کرنے کے خواہشمند ہوں گے..... دیکھا جائے تو انہیں کوئی خاص شک شبہ بھی نہیں پڑ سکتا..... ایک ہی دن کے لئے تو متبادل آدمی آئے گا"۔

جبران کہنے لگا۔

"اگر ایسا ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے..... ہم تو چاہتے ہیں کہ ایسا ہو۔ دیکھیں کل کیا ہوتا ہے..... احمد جان اپنے آدمی عبدالکریم کو لے کر آ رہا ہے.....

کی باتوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا یا نہیں"۔

دوسرے روز عمران اور جبران شیخ صاحب کے آفس میں خاموشی سے کام کرتے رہے..... دو بجے کے بعد جب آفس میں چھٹی ہوئی تو دونوں اپنے کوارٹر میں واپس آ گئے..... بائی جی نے انہیں چائے بنا کر دی اور رات کے لئے کھانا پکانے میں مصروف ہو گئی۔

رات کا پہلا پہر ہی گزرا تھا کہ احمد جان آ گیا..... اس کے ساتھ اس کا دوست عبدالکریم بھی تھا..... اس نے عبدالکریم کا ان سے تعارف کروایا..... احمد جان کہنے لگا۔

"میں نے عبدالکریم کو ساری بات بتا دی ہے..... یہ ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے"۔

کمانڈو عمران اور جبران کو کچھ حیرانی ضرور ہوئی..... احمد جان نے بڑی جلد بازی سے کام لیا تھا..... اس قسم کے راز اتنی جلدی دوسرے کو نہیں بتائے جاتے، لیکن اب اس نے بات کھول دی تھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا..... عبدالکریم اچھے قد کاٹھ کا آدمی تھا..... آنکھوں میں ذہانت اور چہرے پر متانت تھی..... اس کے بشرے سے لگتا تھا کہ یہ آدمی بڑا گہرا ہے اور بڑی قوت ارادی کا مالک ہے..... عمران کو اس قسم کا آدمی چاہئے تھا..... عبدالکریم نے بغیر کسی تمہید کے بات ہی یہاں سے شروع کی کہ میں خود اس فیکٹری کو تباہ کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں اس قسم کی دھماکہ خیز سرگرمیوں سے بالکل بے بہرہ ہوں۔

"اگر آپ لوگوں میں سے کوئی ایسا کام کر سکتا ہے تو یہ اسلام اور پاکستان کی بہت بڑی خدمت ہو گی..... میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا اور آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا"۔

"فیکٹری کی انتظامیہ بہت جلد یہ کام مکمل کرنا چاہتی ہے..... ہمارا متعلقہ افسر ایک ریٹائرڈ فوجی بھولا رام ہے..... اس نے ٹھیکیدار کو ہمارے سامنے کہہ دیا تھا کہ

کوشش کرو کہ الیکٹرک وائرنگ اور دوسرا فٹنگ وغیرہ کا کام پندرہ دنوں کی بجا
سات دن کے اندر اندر ختم ہو جائے...... جب میں نے اسے کہا کہ میں ایک دن
لئے کسی ضروری کام سے جا رہا ہوں اور میری جگہ میرا چھوٹا بھائی کام کرے گا تو
رام فوراً تیار ہو جائے گا، کیونکہ اسے کام چاہئے...... یہ تو وہ کالے پانی میں بیٹھ کر
بھی نہیں سکتا کہ کشمیری مجاہدین کے ساتھی یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں"۔

"پھر تم کوشش کر کے دیکھ لو...... تمہاری جگہ پر میں جانے کو تیار ہوں" ع
نے کہا...... عبدالکریم کہنے لگا۔

"اگر فرض کر لیا تم لوگ فیکٹری میں دھماکہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہو
فیکٹری تباہ ہو جاتی ہے اور بعد میں فوج تحقیقات شروع کرتی ہے اور فوج کو مجھ پر
پڑ جاتا ہے کہ اس روز عبدالکریم کا بھائی ایک نیا آدمی فیکٹری میں داخل ہوا تھا اور
مجھے حراست میں لینے کے لئے آتے ہیں تو میں انہیں دکان یا گھر پر ہرگز نہیں
گا...... میں اس جزیرے کے دشوار گزار خطرناک جنگلوں میں ایسی جگہ روپوش ہو جا
گا کہ بھارتی فوج اگر ساری زندگی بھی مجھے تلاش کرتی رہے تو وہ مجھے پکڑنے
کامیاب نہیں ہو سکے گی...... اس کے بعد میں یہاں سے خفیہ طور پر برما کی طرف
جاؤں گا...... مجھے سارے طریقے آتے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"اس طرح تو آپ کو بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی"۔

عبدالکریم بولا۔

"جس مقصد کو لے کر آپ لوگ کالے پانی کے جزیروں میں آئے ہیں
مقصد کی خاطر میں اس سے بھی بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں...... یہ تو کچھ بھی
ہے...... میرا کیا ہے...... میں تو اکیلا ہوں...... ہنر میرے ہاتھ میں ہے...... جہاں ج
گا اپنی روٹی کما لوں گا"۔

عبدالکریم کے اس جذبے کو دیکھ کر کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران بہت خوش
ہوئے...... احمد جان بولا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ میرا دوست عبدالکریم پورا مجاہد ہے"۔

عمران نے احمد جان کے جذبے کی بھی تعریف کی...... پھر کہا۔

"یہ کام تو کسی نہ کسی طرح ہو جائے گا...... اب دوسرا کام چھوٹے سائز کے ٹائم
بموں کا ہے...... اس کا انتظام کیسے ہو گا؟"۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا...... تم فکر نہ کرو...... تم یہ بتاؤ کہ یہ آپریشن کب
شروع کرنے کا ارادہ ہے"۔

عمران بولا۔

"میری طرف سے کل ہی یہ کام کر ڈالتے ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ کریم بھائی
ہمیں تہہ خانے کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات دے دیں تاکہ ہمیں پتہ چل سکے
لہ ہمیں کس جگہ بم لگانے ہوں گے"۔

احمد جان نے عبدالکریم کی طرف دیکھا...... عبدالکریم کہنے لگا۔

"مجھے اس مہاشکتی فیکٹری میں آتے جاتے ابھی صرف چھ سات روز ہی ہوئے
ہیں...... میں صرف اس قدر مشاہدہ کر سکا ہوں کہ زمین کے اندر ایک لفٹ کے ذریعے
بانا پڑتا ہے...... نیچے چار زمین دوز کمرے ہیں...... یہ چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں......
فٹ سے نکل کر ہم ایک سرنگ نما راہداری میں سے گزرتے ہیں...... سب سے پہلے
ئیں ہاتھ کو ایک کمرہ آتا ہے جس کے اندر کئی مشینیں لگی ہیں...... پندرہ سولہ کمپیوٹر ہر
قت کام کرتے رہتے ہیں...... دوسرے کمرے میں بھی دیوار کے ساتھ ساتھ بے شمار
ائل لگے ہوئے ہیں...... سامنے کی جانب ایک لمبا پینل ہے جہاں ایک قطار میں بیٹھے
وئے چھ سات سائنس دان یا جو کوئی بھی وہ ہیں کمپیوٹروں پر انگلیاں چلاتے رہتے
ہا...... کمرہ نمبر تین میں جو دوسرے کمرے کے ساتھ ہی ہے درمیان میں ایک گول

دائرہ سا بنا ہوا ہے...... جو فرش سے چار فٹ اونچا ہے...... اس کی دیواریں گولائی کی ش
میں ہیں...... سائنس دان یہاں ہر وقت اس کے اندر لمبی لمبی آہنی ہکوں سے کچھ رکھ
اور اٹھاتے رہتے ہیں...... میرا خیال ہے کہ یہی کمرہ سب سے اہم ہے اور یہ
لیبارٹری ہے جہاں کوئی بڑا خطرناک مواد تیار کیا جا رہا ہے''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''یہی کمرہ ہمارا ٹارگٹ ہوگا''۔

عمران سمجھ گیا تھا کہ ایٹم بم کو چلانے والا کیمیاوی محلول اسی کمرے میں تیار
جا رہا ہے...... اس نے عبدالکریم سے پوچھا۔

''ان کمروں کے باہر سیکورٹی کی کیا پوزیشن ہے''۔

کریم نے کہا۔

''تہہ خانے کی راہداری میں اور کمروں کے باہر کوئی سیکورٹی گارڈ نہیں ہوتا
جتنی سیکورٹی ہے وہ تہہ خانے کے اوپر ہی ہے...... جتنی چیکنگ ہوتی ہے سب کی
تہہ خانے کے اوپر ہی ہوتی ہے...... خاص طور پر جب لفٹ میں سوار ہوتے وقت
ایک کی تلاشی لی جاتی ہے...... اس طرح تہہ خانے سے باہر نکلتے وقت بھی ہم س
اپنی تلاشی دینی پڑتی ہے''۔

''کیا یہ لوگ ہر کسی کا شناختی کارڈ بھی دیکھتے ہیں؟''۔

جبران کے اس سوال پر عبدالکریم نے کہا۔

''شناختی کارڈ ہر کسی نے اپنی قمیض پر لگائے ہوتے ہیں...... ان کی چیکنگ
ہوتی...... بس سیکورٹی گارڈ انہیں ایک سرسری نظر سے دیکھ لیتا ہے، کیونکہ انہیں
ہے کہ جو آدمی فیکٹری میں داخل ہو گیا ہے اور لفٹ تک آ گیا ہے اور اس کے
شناختی کارڈ بھی لگا ہوا ہے تو اس کی پوری جانچ پڑتال ہو چکی ہوگی''۔

عمران نے کہا۔

''لیکن میری شکل ان لوگوں کیلئے اجنبی ہوگی...... وہ مجھے ضرور روک لیں گے''۔

عبدالکریم بولا۔

''اس کا انتظام میں پہلے سے کر چکا ہوں گا...... سیکورٹی گارڈ ایک سردار جی ہیں......
میں بھی چونکہ پنجابی ہوں اور سردار جی بھی پنجابی ہیں، اس لئے وہ میرا بڑا خیال رکھتے
ہیں...... اپنے متعلقہ افسر کے علاوہ میں سیکورٹی گارڈ سردار جی کو بھی بتا دوں گا کہ کل
میری جگہ میرا چھوٹا بھائی کام کرنے آئے گا اور اس کے پاس میرا شناختی کارڈ ہوگا''۔

''تم چھٹی کا کیا بہانہ بناؤ گے؟'' جبران نے پوچھا۔

عبدالکریم کہنے لگا۔

''چھٹی کے کئی بہانے ہو سکتے ہیں...... ویسے میں یہ کہوں گا کہ جزیرہ مارشل میں جو
پورٹ بلیئر سے سات میل کے فاصلے پر ہے، میری والدہ سخت بیمار ہو گئی ہے...... میں
اسے وہاں سے پورٹ بلیئر لانے جا رہا ہوں...... کسی کو شک پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا...... باقی میری جگہ جو بھی جائے گا اس کو اپنے ہوش و حواس قابو میں رکھنے ہوں
گے...... ایسا نہ ہو کہ سیکورٹی گارڈ نے سوال جواب شروع کر دیئے تو وہ گھبرا جائے''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''اس کی تم فکر نہ کرو...... وہاں کا معاملہ میں سنبھال لوں گا''۔

عبدالکریم نے کہا۔

''تم اپنا نام عبدالجبار بتانا...... میں سیکورٹی گارڈ کو یہی نام بتاؤں گا کہ کل میرا چھوٹا
بھائی عبدالجبار میری جگہ ڈیوٹی دے گا...... اول تو سردار جی تم سے زیادہ سوال جواب
نہیں کریں گے، کیونکہ ایک دن پہلے میں تمہارے بارے میں انہیں سب کچھ بتا چکا
ہوں گا، لیکن اگر دو ایک سوال پوچھ ہی لئے تو کہہ دینا کہ میں اپنے بڑے بھائی
عبدالکریم کے ساتھ ہی دکان پر کام کرتا ہوں...... مارشل آئی لینڈ میں ہماری والدہ
ہماری بڑی بہن کے ہاں رہتی ہے...... وہ بہت بیمار ہو گئی ہے...... بھائی جان کریم اماں کو

لینے گئے ہیں...... بس اس سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور لفٹ پر سوار ہوتے وقت سیکورٹی گارڈ کو زیادہ باتیں کرنے کی فرصت بھی نہیں ہوتی؟"۔

کمانڈو عمران نے تمام باتیں اچھی طرح سے ذہن نشین کر لی تھیں...... جب عبدالکریم نے اپنی بات ختم کی تو عمران نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو آپ ہمیں دھماکہ خیز میٹریل لا کر دیں تاکہ ہمیں اندا ہو سکے کہ وہ کس قسم کا اور کس نوعیت کا ہے اور اس میں ٹائم فیوز کی مدت کتنی ر جا سکتی ہے"۔

عبدالکریم بولا۔

"ان میں دو قسم کے ٹائم بم ہیں...... ایک کے ٹائم فیوز کا دورانیہ ایک گھنٹہ ہے ا دوسری قسم کے ٹائم بم کا دورانیہ آدھا گھنٹہ ہے...... میں کل دونوں لا کر تمہ دکھادوں گا...... جو تمہیں بہتر اور مناسب لگے وہ رکھ لینا...... اندازاً تمہیں کتنے بموں کی ضرورت ہو گی؟"۔

کمانڈو عمران نے جبران کی طرف دیکھا...... جبران بولا۔

"عبدالکریم بھائی کے بیان کے مطابق وہاں تین لیبارٹریز ہیں...... تیسر کمرے والی لیبارٹری زیادہ اہم ہے...... اگر اس لیبارٹری کی ایٹمی بھٹی کی دیوار کے سا کوئی میگنیٹک بم چپکا دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ باقی کمروں میں بم لگانے کی ضرور ہی نہیں رہے گی...... اس کمرے میں اس قدر زبردست دھماکہ ہو گا کہ زمین کے کے سارے تہہ خانے کے عملے کے تمام آدمیوں سمیت پرزے اڑ جائیں گے اور د اتنا گہرا گڑھا بن جائے گا کہ بہت ممکن ہے نیچے سے پانی بھی نکل آئے"۔

کمانڈو عمران نے کریم بھائی سے کہا۔

"پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان بموں کا سائز مختصر ہے تو تم دونوں قسم تین تین بم لیتے آنا"۔

عبدالکریم بولا۔

"ٹھیک ہے...... میں کل اسی وقت آ جاؤں گا"۔

اس کے بعد عبدالکریم چلا گیا۔

دوسری رات کو وعدے کے مطابق پہنچ گیا...... اس نے قمیض کی خفیہ جیب میں ے سگریٹ کے عام پیکٹ کے سائز کی ایک ڈبی نکالی...... اسے کھولا...... کہنے لگا۔

"میں چھ ٹائم بم لایا ہوں...... تین کا ٹائم فیوز آدھے گھنٹے کا اور تین کا ٹائم فیوز ایک یک گھنٹے کا ہے"۔

اس نے ڈبی کھول کر عمران اور جبران کے سامنے رکھ دی...... ڈبی میں ایک ہی ائز کے چھ ٹائم بم تھے...... ان کے سائز چھوٹی خوبانی کے برابر تھے اور یہ میگنیٹک بم تھے ران کے وسط میں ٹائم فیوز کا بٹن تھا...... عمران ان بموں کی ٹیکنیک کو سمجھتا تھا...... ان ں بارود استعمال نہیں ہوتا تھا...... بارود تو آج کے ماڈرن اسلحے کے زمانے میں پرانی چیز مجھا جاتا ہے...... آج کل خاص طور پر ٹائم بموں میں ایٹمی انرجی کی فزکس کو عمل میں لایا اتا ہے...... اس ٹیکنیک کے تحت بڑے پیمانے پر ایٹم بم پھٹتا ہے...... ایٹم بم میں سے تو دید گرمی خارج ہوتی ہے، مگر ان ٹائم بموں سے صرف دھماکہ کیا جاتا ہے...... ان میں ے ایٹمی تابکاری خارج نہیں ہوتی...... صرف ایک خاص قسم کے یورینیم کے ایٹم کے نصر کے ایک بٹا ایک ہزارویں حصے کی طاقت کے برابر حصے کو پھاڑ دیا جاتا ہے...... اس کے پھٹنے سے وہاں فضا میں اس قدر شدید اور بھیانک اور آخری نقطے تک اتنی قلیل مدت ں خلا پیدا کر دیا جاتا ہے کہ ارد گرد کی ہوا دو ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار کے ساتھ دو میل کے دائرے کے اندر سے اس خلا کو پر کرنے کے لئے اس کی طرف دوڑتی ہے اور دو میل ئے اندر جو چیز بھی زمین کے اوپر ہوتی ہے اسے تباہ و برباد کر ڈالتی ہے...... کمانڈو عمران نے ایک ایک گھنٹے کے تین ٹائم بم ان میں سے منتخب کر لئے۔

"یہ ہمارے مشن کے لئے بہتر رہیں گے"۔

عبدالکریم نے کہا۔

"اب ان تینوں ٹائم بموں کو چھپا کر فیکٹری کے اندر لے جانے کے لئے عقل کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اگر تم نے انہیں اپنے لباس میں چھپایا ہوا ہوگا تو تم لیتے وقت تم پکڑے جا سکتے ہو، کیونکہ سیکورٹی کو اگر ذرا سا بھی شک شبہ پڑ جائے تو ڈی ٹیکٹر سے بھی تلاشی لے سکتے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں مجھے یہ بم کس طرح فیکٹری میں لے جانے چاہئیں؟"۔

عبدالکریم ایک لمحے غور کرنے کے بعد بولا۔

"ہم لوگ دوپہر کا کھانا فیکٹری کے اندر ہی کھاتے ہیں اور ہم اپنا کھانا ٹفن کیریئر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں...... تم بھی ایسا ہی کرو گے اور جس روز تم فیکٹری میری جگہ پر کام کرنے جاؤ گے تو یہ تینوں بم آلو کی تلی ہوئی ٹکیوں کے اندر چھپا کر کیریئر میں رکھ کر ساتھ لے جاؤ گے"۔

"کیا تم ایسا کر لو گے؟"۔

عبدالکریم نے پوچھا۔

"کیوں نہیں"...... عمران بولا۔

"اس قسم کے کئی تجربات سے ہم گزر چکے ہیں"۔

عبدالکریم کہنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... مگر یہ ذرا مختلف قسم کا تجربہ ہے...... یہاں تمہیں احتیاط سے کام لینا پڑے گا"۔

"میں ایسا ہی کروں گا...... آپ بے فکر رہیں...... یہ بتائیں کہ مجھے آپ کے چھوٹے بھائی کے روپ میں کب فیکٹری میں کمانڈو آپریشن کے لئے جانا ہوگا"۔

عبدالکریم کہنے لگا۔

"میں کل چھٹی لے لوں گا...... تم پرسوں صبح ٹھیک نو بجے ٹفن کیریئر لے کر فیکٹری کے گیٹ پر پہنچ جانا...... گیٹ ٹھیک نو بجے کھل جاتا ہے...... وہاں وقت کی سخت پابندی کی جاتی ہے...... میں تمہیں اپنا شناختی کارڈ دے رہا ہوں...... یہ اپنی قمیض پر سامنے کی طرف لگا لینا"۔

عبدالکریم نے دوسری جیب میں سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر عمران کو دیا...... عمران نے اسے سنبھال کر رکھ لیا...... اس کے بعد عبدالکریم نے عمران کو سمجھایا کہ کہاں سے اسے فیکٹری کی طرف جانے والی بس ملے گی...... پھر کہنے لگا۔

"ایک بہت ضروری پوائنٹ پر ہم نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی...... انتہائی ضروری پوائنٹ یہ ہے کہ اگر تم ٹائم بم لگانے میں کامیاب ہو گئے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس صرف ایک گھنٹہ ہی ہوگا...... اس ایک گھنٹے کے اندر اندر تمہیں کوئی بہانہ بنا کر فیکٹری سے باہر بھی نکلنا ہوگا اور فیکٹری ایریا سے ایک میل دور چلے جانا ہوگا، کیونکہ اگر تم نے بم کا ٹائم فیوز دبا دیا تو وہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد پھٹ کر ایک میل کے علاقے کو تباہ و برباد کر ڈالے گا...... ایسا نہ ہو کہ تم سے تاخیر ہو جائے اور تم بھی بم کے ہلاکت خیز دھماکے کی زد میں آ جاؤ"۔

عمران بولا۔

"میں کوئی بہانہ بنا کر فیکٹری سے نکل آؤں گا...... یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں...... میں صورت حال کو سنبھال لوں گا اور فوراً فیکٹری ایریا سے ایک میل دور چلا جاؤں گا"۔

"ٹھیک ہے عبدالکریم بولا"...... تو پھر پرسوں تم ٹھیک نو بجے فیکٹری کے گیٹ پر پہنچ جانا...... ظاہر ہے میں اسی جزیرے یعنی پورٹ بلیئر میں ہی رہوں گا...... میرے خفیہ ٹھکانے کا احمد جان کو علم ہوگا...... اگر تم اپنے مشن میں ناکام رہے یا کسی وجہ سے تم بم ٹارگٹ پر نہ لگا سکے تو احمد جان سے رابطہ پیدا کرنا...... وہ تمہیں میرا ٹھکانہ بتا دیں

گے اور اگر تم بم لگانے میں کامیاب ہو گئے تو وہاں سے نکل کر سیدھے یہاں اس کوا
میں آجانا ورنہ تم دونوں میں سے اس وقت کوئی بھی کوارٹر کی چار دیواری سے باہر نہ
نکلے گا جب تک کہ میں تمہارے پاس نہیں آجاتا...... میرا خیال ہے اب کچھ
سمجھانے والی کوئی بات باقی نہیں رہی"۔

عمران نے کہا۔

"سب باتیں طے پا گئی ہیں، جس طرح آپ نے کہا ہے میں اسی طرح کروں گا"

عبدالکریم نے ایک بار پھر یاد دہانی کے طور پر عمران سے کہا۔

"فیکٹری میں تمہارا نام عبدالجبار ہو گا...... تم عبدالکریم الیکٹریشن کے چھو
بھائی ہو گے اور تمہارا بڑا بھائی والدہ کی عیادت کے لئے مارشل آئی لینڈ گیا ہوا ہو
جو ٹائم بم تم اپنے ساتھ لے جا رہے ہو انہیں آلو کی تلی ہوئی ٹکیوں کے اندر چھپا کر
جاؤ گے...... سیکورٹی گارڈ آلو کی ٹکیوں کو توڑ کر نہیں دیکھیں گے...... ہاں...... ا
شک نہ پڑ جائے...... بس تمہارا سب سے اہم کام یہ ہو گا کہ ایسی اداکاری کرنا کہ
کسی کو ذرا سا بھی شک نہ پڑے"۔

عبدالکریم نے عمران سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"اللہ تمہارا حافظ و نگہبان ہو"۔

پھر کمانڈو جبران سے ہاتھ ملایا اور کوارٹر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

جب کمرے میں کمانڈو جبران اور عمران تنہا رہ گئے تو جبران کہنے لگا۔

"اگر تم ایٹمی بھٹی میں بم لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو پھر ہمارا ابھی یہاں
ٹھیک نہیں ہو گا...... کیا خیال ہے تمہارا؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"دھماکے کے بعد بظاہر میرے پکڑے جانے کا کوئی اندیشہ اس لئے نہیں۔
جن لوگوں نے مجھے فیکٹری میں دیکھا ہو گا اور جو میری شناخت کر سکتے ہوں گے

فیکٹری کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے...... ان میں سے کوئی بھی میرے خلاف گواہی
دینے کے لئے زندہ نہیں ہو گا...... ہم اسی کوارٹر میں رہیں گے اور حالات کا جائزہ لیں
گے...... اس کے علاوہ شیخ صاحب کا مشورہ بھی ہمیں میسر ہو گا...... اگر انہوں نے کہا کہ
ہمارا یہاں رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو یہاں سے نکل جائیں گے"۔

کمانڈو عمران کی دلیل میں وزن اور منطق تھی...... جبران نے اس کے بعد اس
سلسلے میں کچھ نہ کہا...... اتنا ضرور کہا۔

"بم پلانٹ کرتے وقت جس قدر احتیاط کر سکتے ہو کرنا...... اس فیکٹری کی تباہی
بہت ضروری ہے"۔

عمران نے کہا۔

"اللہ میرا حامی و مددگار ہے"۔

دوسرے روز وہ شیخ صاحب کے آفس اپنے کام پر چلے گئے۔

کوئی گیارہ بجے کے قریب شیخ صاحب نے کمانڈو عمران کو کسی بہانے اپنے کمرے
میں بلا لیا اور کسی دفتری فائل کے بارے میں پوچھنے لگے...... اس وقت وہاں ان کا
چپڑاسی الماری میں سے کچھ نکال رہا تھا...... کمانڈو عمران نے کہا۔

"سر! میں نے فائل آگے بھجوا دی تھی؟"۔

شیخ صاحب نے کہا۔

"لیکن ابھی تک وہ فائل مجھ تک نہیں پہنچی...... دفتر میں سست رفتاری سے کام
ہو...... یہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے...... یہاں بیٹھو اور ایک نوٹ لکھو"۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے انگریزی میں نوٹ لکھوانا شروع کر دیا...... جب
چپڑاسی الماری میں سے مطلوبہ فائل نکال کر لے گیا اور اس نے دروازہ بند کر دیا
اور کمرے میں شیخ صاحب اور عمران اکیلے رہ گئے تو شیخ صاحب کہنے لگے۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ کل تم اپنے مشن پر جا رہے ہو...... ایک بات کا خیال

رکھنا......اگر بدقسمتی سے تم بعد میں پکڑ لئے گئے تو خواہ کچھ ہو جائے اپنی زبان پر میرا نہ آنے دینا"۔

عمران نے کہا۔

"شیخ صاحب! آپ مطمئن رہیں...... ہم ہنسی خوشی موت قبول کر لیں گے، لیکن ہماری زبان پر آپ کا نام نہیں آئے گا"۔

شیخ صاحب بولے۔

"ٹھیک ہے...... اب تم جاؤ...... کل اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو میں ایک پھیرا ضرور ڈالنا اور پرسوں بھی دفتر میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جانا...... یہ بہ ضروری ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر...... ایسا ہی ہو گا"۔

"خدا تمہاری حفاظت فرمائے"۔

یہ کہہ کر شیخ صاحب اپنے کام میں لگ گئے...... عمران ان کے کمرے سے نکل دوسرے کمرے میں اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا...... یہ نکتہ وہ بھول ہی گیا تھا کہ کما آپریشن کے دن اس کی شیخ صاحب کے دفتر میں حاضری ضروری تھی...... خواہ وہ د منٹ کے لئے آئے لیکن اسے آنا ضرور چاہئے...... جبران تو پہلے سے ہی آفس موجود ہو گا...... اس کا مطلب تھا کہ عمران کو فیکٹری میں داخل ہونے کے بعد جلد عجلت سے ہو سکے تہہ خانے کے تیسرے کمرے میں بم پلانٹ کر دینا چاہئے۔

رات کو جبران اور عمران نے خود آلو کی گول گول ٹکیاں بنائیں اور ہر ٹکی یا کباب میں ایک ایک ٹائم بم چھپا دیا...... پھر ان تینوں ٹکیوں کو ٹفن کیریئر کے سب نچلے خانے میں رکھ دیا...... دوسرے دن ٹھیک آٹھ بجے عمران نے بائی سے تھوڑ چاول بنوائے اور ٹفن کیریئر کے ایک ڈبے میں ڈال کر ٹفن کیریئر بند کر کے اپنے پا

رکھ لیا...... جبران بھی شیخ صاحب کے آفس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا...... ساڑھے آٹھ بجے عمران اور جبران دونوں اپنا اپنا ٹفن کیریئر لے کر کوارٹر سے نکل پڑے...... بڑی سڑک پر آ کر جبران نے عمران کو خدا حافظ کہا اور اپنی بس پر سوار ہو کر چل دیا...... اس کے ساتھ آٹھ منٹ بعد دوسری بس آ گئی...... عمران ٹفن کیریئر لئے بس میں سوار ہو گیا...... یہ بس فیکٹری ایریا کی طرف جاتی تھی...... اس کا نمبر عبدالکریم نے عمران کو بتا دیا ہوا تھا...... پندرہ منٹ بعد بس ایک سٹاپ پر رکی تو عمران نیچے اتر گیا...... یہ سارا روٹ عبدالکریم نے اسے ذہن نشین کرا دیا ہوا تھا...... سڑک پر پانچ منٹ تک چلنے کے بعد وہ سڑک سے اتر کر ایک ٹیلے کی طرف چلنے لگا...... اس ٹیلے کی دوسری جانب وہ سڑک تھی جو مہاشکتی فیکٹری کو جانے والی سڑک سے مل جاتی تھی...... یہ ممنوعہ سڑک تھی اور اس پر سوائے فیکٹری کے ملازمین کے اور کسی کو آنے جانے کی اجازت نہیں تھی...... فیکٹری میں کام کرنے والے تین چار بابو لوگ سکوٹروں پر سوار عمران کے قریب سے گزر گئے...... پھر ایک ویگن پیچھے سے آئی...... یہ فیکٹری کی اپنی ویگن تھی...... اس میں دس بارہ آدمی بیٹھے تھے...... شاید یہ لیبارٹری میں کام کرنے والے سائنس دان وغیرہ تھے۔

سڑک مہاشکتی ایٹمی فیکٹری کے بڑے گیٹ پر جا کر ختم ہو گئی...... گیٹ کا دروازہ بند تھا...... دونوں جانب دو فوجی کھڑے پہرہ دے رہے تھے...... پیدل یا سکوٹر پر جو کوئی بھی آتا تھا اپنا شناختی کارڈ اسے گیٹ پر دکھانا پڑتا تھا...... عمران نے بھی سیکورٹی گارڈ کو اپنا یعنی عبدالکریم کا شناختی کارڈ دکھایا اور فیکٹری کے احاطے میں داخل ہو گیا...... شناختی کارڈ پر تصویر نہیں لگی ہوئی تھی...... اگر عبدالکریم کی تصویر لگی ہوتی تو پھر عمران کو وہاں روکا جا سکتا تھا، حالانکہ اس قسم کے اداروں کے جو شناختی کارڈ ہوتے ہیں ان پر متعلقہ شخص کی تصویر ضرور چسپاں کی جاتی ہے، لیکن معلوم نہیں سیکورٹی یا راز داری کی وجہ سے شناختی کارڈوں پر کسی اسسٹنٹ یا کسی سائنس دان اور کسی محنت کش کی

تصویر چسپاں نہیں کی گئی تھی...... شاید ایسا اس خیال سے کیا گیا تھا کہ باہر کے کسی ٹ
کو متعلقہ شخص کا حلیہ معلوم نہ ہو سکے۔

بہر حال کمانڈو عمران فیکٹری میں داخل ہو گیا تھا...... اب دوسرا مرحلہ لفٹ ذریعے نیچے تہہ خانے میں جانے کا تھا...... عبدالکریم نے عمران کو سمجھا دیا تھا کہ فیکٹ کے گیٹ میں داخل ہونے کے بعد اسے کس سمت کو جانا ہو گا...... وہ اسی حساب چلتا ایک جگہ پہنچا جہاں نیچے تہہ خانے میں لے جانے والی لفٹ لگی ہوئی تھی...... و چھ سات اور لوگ بھی قطار میں کھڑے تھے۔

عمران نے دور ہی سے سیکورٹی کے سردار جی کو دیکھ لیا۔

وہ بھی قطار میں کھڑا ہو گیا...... اس کے آگے چار آدمی شکل وصورت اور ل سے پڑھے لکھے لگتے تھے...... یہ انڈین تھے اور یقیناً لیبارٹری میں کام کرنے وا سائنس دان ہی تھے...... عمران سوچنے لگا کہ اگر وہ بم لگانے میں کامیاب ہو گیا لوگوں کا یہ دن ان کی زندگیوں کا آخری ثابت ہو گا، لیکن اس نے اس خیال کو فوراً سے نکال دیا...... کمانڈو اس قسم کے کمزور خیالات سے سخت گریز کرتے ہیں......

وہ سکیورٹی کے سردار جی کے سامنے آیا تو سردار جی نے اسے دیکھ کر کہا۔

''اوئے تم کون ہو؟''۔

عمران نے جلدی سے کہا۔

''سر! میں الیکٹریشن عبدالکریم کا بھائی عبدالجبار ہوں...... سر...... بھیا اماں ک لینے مارشل آئی لینڈ گیا ہے...... میں اس کی جگہ کام کرنے آیا ہوں''۔

''ہوں ہوں...... اس نے مجھ سے بات کی تھی'' سردار جی بولے۔

پھر انہوں نے میری قمیض پر لگے ہوئے شناختی کارڈ کو غور سے دیکھا...... کے بعد ٹفن کیریئر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اسے کھولو''۔

عمران نے دھڑکتے دل کے ساتھ ٹفن کیریئر کو کھول کر اس کے تینوں ڈبے بھی کھول دیئے...... ایک ڈبے میں اچار تھا...... ایک ڈبے میں اُبلے ہوئے چاول تھے اور آخری ڈبے میں آلو کے تین گول گول کباب پڑے تھے...... ان کے اندر اس فیکٹری کی تباہی کا سامان یعنی تین ٹائم بم تھے...... سردار جی نے پنسل سے پہلے اچار کو ادھر ادھر ہلایا...... پھر چاول کے ڈبے میں پنسل ڈال کر گھما کر دیکھا...... اس کے بعد جب سردار جی آلو کے کبابوں کی طرف متوجہ ہوئے تو کمانڈو عمران کے دل کی دھڑکن تھوڑی تیز ہو گئی، مگر اپنے چہرے پر اس نے کسی قسم کی گھبراہٹ کے اثرات نہ آنے دیئے...... سردار جی نے ایک کباب میں پنسل چبھو کر اسے ادھر ادھر ہلایا...... خدا کا شکر ہے کہ پنسل اس کے اندر چھپائے ہوئے ٹائم بم سے نہیں ٹکرائی تھی...... سردار جی نے پنسل باہر کھینچ لی اور بولے۔

''چل اوئے کاکا...... آگے چلو...... پرے ہٹ کر ٹفن کیریئر کو بند کرنا...... تمہارے پیچھے انجینئر صاحبان بھی کھڑے ہیں''۔

عمران نے دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور سردار جی کو یس سر! یس سر! کہا ٹفن کیریئر کے ڈبے اٹھا کر قطار سے الگ ہو گیا...... ٹفن کیریئر کو بند کرنے کے بعد وہ لفٹ میں داخل ہو گیا...... لفٹ نے اسے نیچے تہہ خانے میں پہنچا دیا۔

عمران کے آگے بھی دو تین مستری ٹائپ لڑکے تھے...... غالباً یہ وہی مستری تھے جو تہہ خانے کے سٹور کی وائرنگ کر رہے تھے...... عمران نے تہہ خانے میں آتے ہی راہداری کا جائزہ لینا شروع کر دیا...... راہداری کافی کشادہ تھی...... اس کی چھت بھی اونچی تھی اور ٹیوب لائٹیں روشن تھیں...... سب سے پہلے بائیں ہاتھ کو پہلا کمرہ آیا...... کمرے کا دروازہ کھلا تھا...... عمران نے نگاہ ڈالی...... اس کے اندر مختلف نیوکلر پروسیسنگ میں کام آنے والی چھوٹی بڑی مشینیں لگی تھیں...... دوسرے کمرے میں دیوار پر کتنے ہی ڈائل لگے ہوئے تھے...... دیوار کے ساتھ لمبا پینل تھا جس پر دس بارہ

کمپیوٹروں کے سامنے سائنس دان بیٹھے کام کی تیاریاں کر رہے تھے...... تیسرے کمرے کو عمران نے خاص طور پر دیکھا، کیونکہ یہی کمرہ اس کا ٹارگٹ تھا اور اس کمرے میں اسے ایٹمی بھٹی کی دیوار کے ساتھ یا کسی بھی جگہ تینوں بموں کو چسپاں کرنا یا کسی کونے میں پھینکنا تھا...... اس کمرے کے وسط میں ایٹمی بھٹی کی زمین سے تین ساڑھے تین فٹ اونچی گول دیوار تھی...... ایک بوڑھا سائنس دان ایک ڈائل کے سامنے کھڑا تختی پر کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔



زمین دوز ایٹمی فیکٹری کے تیسرے کمرے میں بجلی کا کام ہو رہا تھا...... عمران اس کمرے میں پہنچا تو وہاں ایک سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی پہلے سے کام کر رہا تھا...... اس نے عمران کو دیکھ کر پوچھا۔

"تم کریم کے چھوٹے بھائی ہو؟"۔

کمانڈو عمران نے جلدی سے کہا۔

"ہاں جی...... میں ہی چھوٹا بھائی ہوں...... میرا نام عبدالجبار ہے...... ہماری اماں مارشل آئی لینڈ میں سخت بیمار ہے...... بھائی وہاں گیا ہے"۔

مستری نے کہا۔

"بس بس...... مجھ کو معلوم ہے...... چلو ادھر سوئچ لگاؤ"۔

کمانڈو عمران کو بجلی کا کام تو نہیں آتا تھا مگر اس نے بجلی کا کام کرنے والے لوگوں کو بہت دیکھا تھا...... سوئچ اور پیچ کس اٹھایا اور ایک پوائنٹ پر سوچ لگانا شروع کر دیا...... اتنے میں باقی کے الیکٹریشن بھی آ گئے...... یہ سب دبلے پتلے کالے کالے لڑکے سے تھے...... مقامی لوگ تھے...... انہوں نے کمانڈو عمران کو غور سے دیکھا اور آپس میں مقامی زبان میں باتیں کرنے لگے...... بڑے مستری نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں انہیں بتایا کہ یہ عبدالجبار ہے کریم کا چھوٹا بھائی...... اس کے بعد سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے...... اس کمرے میں گرمی اور حبس تھا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ ابھی وہاں بجلی نہیں لگی تھی اور پنکھا وغیرہ بھی کوئی نہیں تھا...... باہر راہداری ساری کی ساری ایئر کنڈیشنڈ

تھی...... باہر سے تھوڑی بہت ٹھنڈی ہوا کسی وقت اندر آجاتی تھی...... دوسرے لڑکے بھی کام کے اتنے ماہر نہیں تھے...... صرف ایک بڑا لڑکا ہیڈ الیکٹریشن کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا...... باقی سارے لڑکے چھوٹے موٹے کام کر رہے تھے...... عمران بھی ان کے ساتھ پیچ کسنے، تاروں کو کھولنے اور کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔

اس دوران وہ برابر جائزہ لیتا رہا کہ بم کس طرح سے پلانٹ کرے...... تیسرا کمرہ جہاں ایٹمی پلانٹ لگا ہوا تھا بالکل ساتھ ہی تھا...... اس کا دروازہ کھلا تھا اور اب وہاں سائنس دان باقاعدہ کام کرنے لگے تھے...... کسی کسی وقت اندر سے کسی مشین کے چلنے کی دھیمی آواز آجاتی تھی...... عمران یہی سوچ رہا تھا کہ وہ بم کس طرح اندر لگائے...... خود اندر وہ جا نہیں سکتا تھا...... اگر کسی بہانے چلا بھی جاتا تو سب سائنس دان اس کی طرف ضرور متوجہ ہو جاتے کہ یہ اجنبی شخص یہاں کیا لینے آیا ہے...... اسی سوچ بچار میں وقت گزرتا جا رہا تھا...... عمران یہ کام اسی روز کر ڈالنا چاہتا تھا...... کل نہ جانے کس قسم کے حالات پیش آجائیں...... اب وہ اپنے ٹارگٹ کے بالکل قریب بیٹھا تھا...... اسے ہر حالت میں تینوں کے تینوں بم وہاں لگا آنے چاہئیں تھے۔

آخر دوپہر کو جب کھانے کا وقفہ ہوا تو اسے موقع مل گیا۔

جب کھانے کا وقفہ ہوا تو ایٹمی بھٹی کے سارے سائنس دان بھی کھانا کھانے کے لئے کمرے سے چلے گئے...... بجلی کے کام کرنے والوں میں سے بھی آدھے خانے کے اوپر اپنی فیکٹری کی کینٹین میں چلے گئے...... صرف ایک لڑکا وہاں بیٹھا رہا وہ اپنا کھانا ساتھ لایا تھا...... کمرے میں چونکہ گرمی تھی اس لئے وہ کمرے کے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا...... عمران کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا...... بھی کمرے سے نکل کر ساتھ والے ایٹمی پلانٹ کے دروازے کے ایک طرف ہو بیٹھ گیا...... وہ اسی طرح بیٹھا تھا کہ اس کا رخ ایٹمی پلانٹ والے کمرے کی طرف تھا اس نے ٹفن کیریئر کھولا اور چاولوں پر اچار ڈال کر کھانے لگا...... اس کی ساری

سامنے والے کمرے کی طرف تھی...... ٹفن کیریئر کے تیسرے ڈبے میں سے اس نے تینوں آلوؤں کے کباب یا ٹکیاں نکال کر چاولوں کے اوپر رکھ دی تھیں...... عمران ہر سیکنڈ پر ماحول کا جائزہ لے رہا تھا...... اس کے پاس پون گھنٹہ تھا جو کہ کھانے کا وقفہ تھا...... موقع ساز گار تھا...... اس نے آلو کی ٹکیوں میں سے خوبانی کے سائز کے تینوں ٹائم بم نکال کر چاول کے ڈبے کی اوٹ میں رکھ دیئے...... اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ وہاں سے ایک ٹائم بم کمرے کے ایٹمی پلانٹ کے اندر پھینکے تو کیا وہ اس میں ہی جا کر گرے گا یا باہر گرے گا...... اس میں کامیابی کے امکانات کم تھے...... باہر گرا ہوا ٹائم بم پکڑا جا سکتا تھا...... آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔

اس نے جلدی جلدی چاول ختم کئے اور تینوں ٹائم بم جیب میں ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا...... ٹفن کیریئر کو بند کیا اور اسے ایک طرف رکھ کر لڑکے کی طرف دیکھا...... الیکٹریشن لڑکا ابھی تک کھانا کھا رہا تھا...... اس کا منہ دیوار کی طرف تھا...... عمران نے گردن موڑ کر تہہ خانے کی راہ داری کو دیکھا...... حیرت کی بات تھی کہ وہاں کوئی نہیں تھا...... عبدالکریم نے اسے بتایا تھا کہ اندر سیکیورٹی والوں کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہے...... سیکیورٹی کی ساری چیکنگ باہر ہی ہوتی ہے...... اس سے زیادہ ساز گار موقع عمران کو نہیں مل سکتا تھا...... اب اس نے جو کچھ بھی کرنا تھا دس سیکنڈ کے اندر اندر کر ڈالنا تھا...... ایٹمی پلانٹ والا کمرہ اس کے سامنے خالی پڑا تھا...... وہ دھڑکتے دل کے ساتھ آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گیا...... اندر جاتے ہی وہ ایٹمی پلانٹ کے پیچھے دیوار کے ساتھ جو مائع گیس کے چھ سات سلنڈر پڑے تھے ان کی طرف تیزی سے گیا اور تینوں ٹائم بم نکال کر ان کے ٹائم فیوز دبائے اور تینوں بم تین سلنڈروں کے ساتھ پیچھے کی جانب لگا دیئے اور دوڑ کر باہر آگیا...... باہر آتے ہی وہ راہ داری میں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا...... وہ صرف یہ دیکھنے کے لئے بیٹھا تھا کہ اسے کسی نے اندر جاتے اور اندر سے باہر آتے دیکھا تو نہیں۔

راہ داری خالی پڑی تھی...... اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

تینوں بموں کے پھٹنے میں صرف ایک گھنٹہ رہتا تھا...... اس میں سے بھی دو چار منٹ گزر چکے تھے...... کمانڈو عمران چپکے سے اٹھا اور راہ داری میں اس طرف چل پڑا جدھر لفٹ لگی تھی...... لفٹ خالی تھی...... لفٹ میں کھڑے ہو کر اس نے بٹن دبایا اور لفٹ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی...... جب لفٹ سطح زمین پر آکر رکی تو سیکیورٹی گارڈ کی ڈیوٹی پر موجود سردار صاحب نے عمران کی طرف تعجب سے دیکھا اور پوچھا۔

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے...... دوائی لینے جا رہا ہوں...... اور وہ پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے فیکٹری کے بڑے گیٹ کی طرف چل دیا...... اچانک پیچھے سے سردار جی نے اسے آواز دی اور کہا۔

"آئی ڈی کارڈ یہاں رکھتے جاؤ"۔

عمران وہیں رک گیا...... واپس سیکیورٹی گارڈ کے پاس گیا اور قمیض پر لگا ہوا شناختی کارڈ اتار کر اسے دے دیا...... فیکٹری کے گیٹ سے باہر نکلنے لگا تو وہاں پہرے پر موجود گارڈز نے سرسری طور پر اس کی تلاشی لی اور اسے جانے دیا۔

فیکٹری سے نکلتے ہی عمران تیز تیز چلنے لگا...... اسے ایک گھنٹے کے اندر اندر اپنے کوارٹر میں واپس پہنچنا تھا...... سڑک پر آکر وہ بس میں سوار ہو گیا...... بس نے آدھے گھنٹے بعد اسے جزیرے کے ایک ویران سے چوک میں اتار دیا...... یہاں سے شیخ صاحب کے بڑے کوارٹر کی طرف راستہ جاتا تھا...... کمانڈو عمران کے پاس گھڑی نہیں تھی...... اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک گھنٹے میں صرف دس گیارہ منٹ ہی باقی رہ گئے ہیں...... کوارٹر میں جبران ابھی تک نہیں آیا تھا...... اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اور دوسری بس لے کر شیخ صاحب کے آفس میں پہنچ گیا...... اس کو معلوم نہیں تھا کہ ابھی

بم پھٹنے میں دس منٹ باقی تھے...... وہ کمانڈو جبران کے سامنے سے گزر کر اپنی سیٹ کی طرف گیا تو دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور عمران نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جبران کو بتا دیا کہ وہ اپنا کام کر آیا ہے...... ابھی عمران اپنی سیٹ پر بیٹھ کر رجسٹر کھول ہی رہا تھا کہ زمین اس طرح ہلی جیسے زلزلہ آگیا ہو...... دفتر کے سارے ملازم کرسیاں چھوڑ کر باہر کی طرف دوڑے...... عمران اور جبران بھی باہر کی طرف دوڑ پڑے...... عمران کو معلوم تھا کہ یہ زلزلہ نہیں ہے...... اس کے ساتھ ہی ایک بے حد بھیانک دھماکہ ہوا...... اس کے بعد بھیانک دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... سارے ملازم سہم گئے...... کسی نے کہا جاپانیوں نے انڈیمان پر حملہ کر دیا ہے...... کسی نے کہا جزیرے میں کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہے...... دھماکے اس شدت کے تھے کہ لگتا تھا جزیرے کے سارے آتش فشاں پہاڑ یکے بعد دیگرے پھٹ رہے ہیں...... زمین کانپ رہی تھی...... دروازے کھڑکیاں کھڑکھڑا رہی تھیں...... تینوں کے تینوں بم پھٹ گئے تھے اور اب ایٹمی فیکٹری پھٹ رہی تھی...... اتنے میں شیخ صاحب بھی اپنے دفتر سے نکل کر آگئے...... کہنے لگے۔

"لگتا ہے جزیرے میں کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہے...... آپ لوگ اب چھٹی کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں...... آپ کے گھر والے ان حالات میں پریشان ہو رہے ہوں گے...... انہیں جا کر تسلی دیں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

تقریباً سٹاف کے سبھی آدمی چلے گئے صرف چند ایک ملازم وہیں رہے...... شیخ صاحب آفس کے برآمدے میں کھڑے آسمان کو تک رہے تھے جہاں جنوب کی جانب ذرا مشرق کی طرف سے گاڑھا سیاہ دھواں اٹھ رہا تھا...... انہوں نے کہا۔

"ضرور کوئی آتش فشاں پھٹا ہے"۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے عمران کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا...... جیسے کہہ رہے ہوں...... شاباش! تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے...... مجھے خوشی ہوئی

ہے...... عمران کمانڈو جبران کے قریب ہی کھڑا تھا...... جبران آہستہ سے بولا۔

"کسی نے دیکھا تو نہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"جنہوں نے دیکھا تھا وہ زندہ نہیں بچے ہوں گے"۔

اتنے میں شیخ صاحب ان دونوں کے قریب سے گزرے اور انہوں نے عمران کو اشارہ کیا کہ اب وہ چلا جائے...... دفتر بند ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا...... عمران نے جبران سے کہا۔

"شیخ صاحب نے مجھے یہاں سے نکل جانے کو کہا ہے...... میں اپنے کوارٹر میں جارہا ہوں...... تم وہاں آؤ گے تو باتیں ہوں گی"۔

یہ کہہ کر کمانڈو عمران شیخ صاحب کے دفتر سے نکل کر بس میں سوار ہو کر کوارٹروں کی طرف روانہ ہو گیا...... کوارٹر میں بائی رات کا کھانا تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی...... عمران نے اسے چائے بنانے کو کہا اور کمرے میں آکر بیٹھ گیا...... جزیرے میں دھماکوں کا سلسلہ بند ہو گیا تھا، مگر شہر کی جانب سے ٹرکوں کے دوڑنے اور ان کے ہارن کی آوازیں آرہی تھیں...... یہ ضرور فوجی تھے جو جائے حادثہ کی طرف بھاگے جارہے تھے...... اتنے میں آسمان پر ایک ہیلی کاپٹر نمودار ہوا...... یہ فوجی ہیلی کاپٹر تھا...... اس نے آسمان پر شہر کے گرد ایک چکر لگایا اور جنوب کی جانب جدھر فیکٹری تھی چلا گیا...... ایک گھنٹے بعد جبران بھی آگیا۔

"شیخ صاحب سے میری بات ہوئی ہے...... انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں کوارٹروں میں اب نہیں ٹھہرنا چاہیے"۔

"تو پھر ہم کہاں جائیں گے؟" عمران نے پوچھا۔

جبران بولا۔

"شیخ صاحب نے مجھے ایک نئی جگہ کی چابی دی ہے...... یہ جگہ یہاں سے تھوڑے

فاصلے پر ہی ہے...... ہمیں ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جانا ہو گا"۔

شیخ صاحب کی ہدایت کے مطابق انہوں نے جلدی جلدی اپنے تھوڑے بہت کپڑے سوٹ کیس میں ڈالے اور کوارٹر کو تالا لگا کر نئی جگہ کی جانب روانہ ہو گئے...... کمانڈو جبران کو شیخ صاحب نے نئی جگہ کا محل وقوع سمجھا دیا تھا...... یہ بھی ایک خستہ حال جھونپڑی نما کوارٹر تھا جو پہلے کوارٹروں سے تین میل شمال کی جانب واقع تھا...... وہاں سے سمندر نظر آتا تھا...... بالکل ویران جگہ تھی...... سمندر کے کنارے بڑی بڑی سیاہ چٹانوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔

کمانڈو عمران کو یقین تھا کہ مہاشکتی فیکٹری میں جس جس نے اسے دیکھا تھا وہ فیکٹری کے پہلے دھماکے کے ساتھ ہی اڑ گیا ہو گا، لیکن کمانڈو عمران کو شناخت کرنے والا ایک آدمی زندہ بچ گیا تھا...... شام کو شیخ صاحب آئے تو انہوں نے بتایا کہ فیکٹری کا نام و نشان باقی نہیں رہا، لیکن سیکیورٹی گارڈ والا سکھ سردار زندہ بچ گیا ہے...... کہنے لگے۔

"جب پہلا دھماکہ ہوا تو سردار جی زمین سے پچاس فٹ اوپر کو اچھلے اور دو سو فٹ دور ایک درخت کی شاخوں پر جا کر گرے...... سردار جی زخمی ضرور ہوئے ہیں مگر بچ گئے ہیں"۔

سردار جی نے ملٹری انٹیلی جنس اور اخبار نویسوں کو بتایا ہے کہ ایک نیا الیکٹریشن اس روز فیکٹری میں آیا تھا اور دھماکے سے ایک گھنٹہ پہلے وہ پیٹ درد کا کہہ کر فیکٹری سے چلا گیا تھا...... سردار جی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ دھماکہ اسی نئے الیکٹریشن کے بم پلانٹ کرنے سے ہوا ہے...... ملٹری پولیس کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ نیا الیکٹریشن عبدالکریم الیکٹریشن کی جگہ پر آیا تھا جسے عبدالکریم نے اپنا چھوٹا بھائی ظاہر کیا تھا...... ملٹری پولیس نے عبدالکریم کی دکان پر چھاپہ مارا ہے مگر وہ اسے وہاں نہیں ملا...... ظاہر ہے عبدالکریم اس جزیرے سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے میں روپوش

ہو چکا ہے، لیکن سردار جی نے انٹیلی جنس اور مقامی پولیس کو تمہارا جو حلیہ بتایا ہے
کی روشنی میں پولیس نے تمہارے چہرے کا ایک خاکہ بنالیا ہے جو تمہاری شکل سے
حد ملتا ہے...... یہ ساری باتیں مجھے میرے ایک مخبر نے بتائی ہیں“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”سردار جی کا زندہ بچ جانا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... لیکن پولیس نے میرا جو خاکہ اندازے سے بنایا ہوگا وہ ہو بہو میری شکل نہیں ہو سکتی“۔

شیخ صاحب نے بریف کیس میں سے ایک کاغذ نکال کر کمانڈو عمران کے سامنے رکھ دیا...... کہنے لگا۔

”اسے پہچانو...... یہ کس کی شکل ہے“۔

عمران نے کاغذ پر نگاہ ڈالی تو اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا...... وہ حیرت زدہ ہو رہ گیا...... کاغذ پر ہو بہو اس کی شکل کا خاکہ بنا ہوا تھا...... فرق اگر تھا تو صرف اتنا خاکے میں عمران کی تھوڑی ذرا نیچے کو جھکی ہوئی تھی...... لیکن وہ صاف پہچانا جا تھا...... شیخ صاحب کہنے لگے۔

”اب تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ پولیس نے تمہیں شناخت کر لیا ہے“۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے“ عمران نے کہا۔

شیخ صاحب بولے۔

”میرے مخبر نے بڑا کام کیا ہے...... وہ ملٹری انٹیلی جنس کے آفس سے اپنی جان خطرے میں ڈال کر تمہارے خاکے کی ایک فوٹو کاپی بنا کر لے آیا ہے...... تمہاری شکل یہ خاکہ جزائر انڈیمان کے انگریزی اخبار میں کل چھپ جائے گا اور تمام لوگ تمہاری شکل سے واقف ہو جائیں گے...... ایسی صورت میں تمہارا اس پورے جزیرے بلکہ تمام جزائر میں سے کسی بھی جزیرے پر رہنا تمہیں گرفتار کروا سکتا ہے...... تمہیں شخص پہچان لے گا اور انعام کے لالچ میں تمہاری مخبری کر دے گا اور پولیس تمہیں

دونوں کو فوراً گرفتار کر کے جیل میں ڈال دے گی...... کالے پانی کی جیل کا یہ حال ہے یہاں دس دس سال سے جرائم پیشہ اور سیاسی مخالف گروپ کے ارکان قید میں پڑے سسک سسک کر مر رہے ہیں...... نہ ان کے خلاف کوئی مقدمہ درج ہوا ہے اور نہ ان پیشی ہوتی ہے، لیکن خدانخواستہ اگر تم پکڑے گئے تو تمہیں شدید اذیت پہنچائی جائے اور تم سے پوری پوری پوچھ گچھ کی جائے گی...... کیا میں یقین کر لوں کہ خدانخواستہ ایسا وقت آگیا تو تم میرا نام پولیس کو نہیں بتاؤ گے؟“۔

”میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ کسی حالت میں بھی میری زبان پر آپ کا نام نہیں آئے گا...... آپ یقین رکھیں اور مطمئن ہو جائیں“۔

شیخ صاحب کہنے لگے۔

”لیکن میں چاہتا ہوں کہ حالات کے مزید خراب ہو جانے سے پہلے پہلے تم جزائر انڈیمان سے فرار ہو کر کلکتے پہنچ جاؤ“۔

جبران نے کہا۔

”کل کے اخبار میں اگر عمران کا یہ خاکہ چھپ گیا تو تم یہاں سے نکل بھی نہیں سکو گے...... بندرگاہ پر پولیس اور انٹیلی جنس والے موجود ہوں گے...... وہ تمہیں فوراً پہچان لیں گے اور تم گرفتار کر لئے جاؤ گے“۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

”تو پھر آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟“۔

شیخ صاحب نے کہا۔

”اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ تم کچھ عرصے کے لئے یہاں چھپے رہو...... اگر حالات بہتر ہو گئے، جس کی امید نہیں ہے تو تمہیں انڈیمان سے نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے، مگر ابھی نہیں...... تمہیں اس چار دیواری سے ہرگز ہرگز باہر نہیں نکلنا ہوگا...... صرف جبران باہر جا کر تمہارے لئے قریبی بستی سے کھانے پینے کی

چیزیں لے آیا کرے گا...... میں بھی زیادہ نہیں آؤں گا، لیکن تم سے رابطہ ضرور رکھ گا اور حالات کا برابر جائزہ لیتا ہوں گا"۔

شیخ صاحب نے کچھ روپے عمران کو دے کر کہا۔

"ابھی یہ روپے تم اپنے پاس رکھو...... میں جاتا ہوں...... کوئی پتہ نہیں کہ کب آؤں، لیکن آؤں گا ضرور"۔

شیخ صاحب کے جانے کے بعد عمران اور جبران سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور نئی صور حال کی روشنی میں حالات کا جائزہ لینے لگے...... عمران نے کہا۔

"مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ سیکیورٹی گارڈ زندہ بچ سکے گا"۔

جبران بولا۔

"بس خدا نے اس کی زندگی لکھی ہوئی تھی وہ بچ گیا"۔

"وہ تو ٹھیک ہے" عمران کہنے لگا...... لیکن اس نے ہمیں مصیبت میں ڈا ہے...... مہاشکتی فیکٹری کی تباہی کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے اور پولیس کے پاس شخص کی تصویر بھی موجود ہے...... پولیس نے تمام جزیروں کی ناکہ بندی کرلی ہو جزیرے سے نکلنے والے ہر شخص کو چیک کرایا جاتا ہوگا...... جب تک یہ مشتبہ شخص میں گرفتار نہیں ہوجاتا انڈیمان کے تمام جزیروں کی چیکنگ جاری رہے گی اور سے سخت ہوتی جائے گی کیونکہ سول پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کو یقین ہے کہ شخص جزائر انڈیمان کے کسی نہ کسی جزیرے میں روپوش ہے وہ اسے یعنی مجھے گ کر کے ہی دم لے گی"۔

جبران نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... مشکل یہ آن پڑی ہے کہ ہمارے چاروں طرف ہے...... ہم سمندر میں گھرے ہوئے ہیں...... خشکی کا علاقہ ہوتا تو اس وقت تک یہاں سے سینکڑوں میل دور نکل چکے ہوتے"۔

جب ذرا اندھیرا ہو گیا تو جبران کھانا وغیرہ لینے کے لئے قریبی بستی کی طرف چل دیا...... واپس آکر کہنے لگا۔

"بریانی کے دو پارسل لے آیا ہوں...... بستی میں چند ایک ہی کھانے پینے کی دکانیں ہیں...... مجھے ڈر ہے کہ روز روز کھانا لینے جاؤں گا تو کہیں کوئی سی آئی ڈی والا میرے پیچھے نہ لگ جائے"۔

عمران نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس چھوٹی سی دور افتادہ بستی میں سی آئی ڈی والا کہاں آئے گا"۔

جبران بولا۔

"ہمیں یہی سوچنا چاہئے کہ وہ آسکتا ہے"۔

عمران بولا۔

"لیکن ہم کھانے کے بغیر زندہ بھی تو نہیں رہ سکتے، یا پھر ایسا کرو کہ بستی میں کسی دکان سے پتیلی اور سوکھے چاول وغیرہ خرید کر لے آؤ...... ہم یہاں پیچھے چولہا بنا کر خود پکا لیا کریں گے"۔

جبران نے کہا۔

"ایسا ہی کرنا پڑے گا، کیونکہ پتہ نہیں ابھی ہمیں اس جگہ کتنی دیر تک روپوش رہنا پڑے"۔

رات کو بھی دونوں کمانڈو دوست دیر تک باتیں کرتے رہے...... پھر سو گئے......

دوسرے دن کافی دن چڑھے جبران بستی میں ناشتے کے لئے کچھ لینے گیا تو وہاں انگریزی کا اخبار اسے نظر آگیا...... انڈیمان میں تعلیم بڑی عام ہے اور ایک انگریزی کا اخبار چھپتا ہے جو دو صفحے کا ہوا کرتا ہے...... جبران نے اخبار کو دیکھا تو اس میں عمران کی شکل کا خاکہ چھپا ہوا تھا...... یہ پولیس کی طرف سے اشتہار تھا...... عمران کا خاکہ ہو بہو اس کی شکل کے مطابق تھا...... نیچے لکھا تھا کہ یہ شخص ملٹری اور سول پولیس کو ایک

گھناؤنے جرم کے سلسلے میں مطلوب ہے، جو شخص اس شخص کو پکڑ کر پولیس حوالے کرے گا یا اس کے بارے میں پولیس کو رپورٹ دے گا کہ یہ شخص فلاں جگہ موجود ہے اس کو پچاس ہزار روپے انعام دیا جائے گا...... جبران نے اخبار خرید کر ا پاس رکھ لیا...... ناشتہ لے کر عمران کے پاس واپس آیا تو اخبار اس کے سامنے ر ہوئے کہا۔

"شیخ صاحب نے بالکل درست کہا تھا...... آج کے اخبار میں تمہارا خاکہ چھ ہے اور تمہاری گرفتاری کے لئے پولیس نے پچاس ہزار روپے کے انعام کا بھی ا کر دیا ہے"۔

کمانڈو عمران نے اخبار میں چھپا ہوا اشتہار اور اپنا خاکہ دیکھا تو کہنے لگا۔

"میں جزائر انڈیمان اور خاص طور پر پورٹ بلیئر کی پولیس کو داد دیتا ہو انہوں نے جو خاکہ اپنے آرٹسٹ سے بنوایا ہے وہ ہو بہو میری شکل کا ہے"۔

جبران نے کہا۔

"ہمارے لئے حالات اور زیادہ سنگین ہوتے جا رہے ہیں"۔

عمران بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تم صبح صبح بستی میں جا کر کھانے کو کچھ لے آیا کرو...... یہی ہم رات کو بھی کھا لیا کریں گے...... تمہارا بار بار بستی میں جانا اب مناسب نہیں ہ

جبران نے کہا۔

"ایک دکان ہے جہاں صبح صبح بھی بریانی کے پارسل تیار کئے جاتے ہیں"۔

یہاں ہم ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں...... ہمارے قارئین اس پر ضرور حیران ہو رہے ہوں گے کہ انڈیمان کے دور دراز جزیروں میں بریانی پارسل کہاں سے آ گئے...... ہم اس کی وضاحت یوں کریں گے کہ خلیج بنگال اور ب کے سمندر کا جو جنوب مشرقی علاقہ ہے اور جہاں اوپر کی جانب رنگون ہے...... نیچے

لینڈ ہے...... اس کے بعد جزائر انڈیمان ہیں اور نیچے جنوب کی طرف سری لنکا اور اس کے آگے شمال مشرق کی جانب انڈونیشیا کے جزائر ہیں...... یہ سارے کا سارا علاقہ آج سے چھ سات سو سال پہلے عربوں کے تجارتی جہازوں کی گزرگاہیں تھیں...... مسلمان عرب تاجر بصرے سے جہاز لے کر بحرہ عرب میں سفر کرتے ہوئے سب سے پہلے ہندوستان کے جنوبی ساحل اور سری لنکا کے شمالی ساحل پر لنگر انداز ہوتے تھے...... یہاں ریشمی پارچات، عطریات اور دوسری اشیاء کے عوض ان علاقوں کے گرم مصالحے خریدتے اور پھر آگے انڈونیشیا تک جاتے تھے...... عربوں نے پرتگالیوں اور سپین کے جہاز رانوں سے بہت پہلے یہ تجارتی شاہراہ تلاش کر رکھی تھی...... یہ مسلمان عرب تاجر جس بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئے وہاں کے لوگ عربوں کے اسلامی کلچر اور ثقافت سے بڑے متاثر ہوئے تھے...... عرب تاجروں کے ساتھ علمائے دین مبلغ کی حیثیت سے بھی سفر کرتے تھے...... یہ علمائے دین ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، چنانچہ ان بزرگان دین کی تبلیغ کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سارے جنوب مشرقی ایشیا میں اسلام کا نور پھیلا ہوا ہے...... عرب مسلمان تاجروں نے ان علاقوں میں کئی مسجدیں بنائیں جہاں آج بھی پانچوں وقت اذان کی آواز گونجتی ہے...... یہ بریانی کا پکوان عرب مسلمان تاجر ہی اپنے ساتھ ان علاقوں میں لائے تھے، چنانچہ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان اتنی عمدہ بریانی پکاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے...... مدراس سے نیچے رامشیردم تک ٹرین میں سفر کرتے ہوئے آپ کو چھوٹے سے چھوٹے سٹیشن پر بریانی کھانے کو مل جائے گی...... ہم نے خود ایک سٹیشن پر بریانی لے کر کھائی ہے...... یہ گرم گرم ہوتی ہے اور کیلے کے پتوں میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے...... اس علاقے کے لوگ اسے پارسل کہتے ہیں، چنانچہ جب جنوبی ہندوستان کے کسی سٹیشن پر گاڑی رکتی ہے تو دو تین آدمی بانس کی ٹوکریوں میں بریانی کے پارسل رکھے آتے ہیں اور آواز لگاتے ہیں۔

"بریانی پارسل...... بریانی پارسل"۔

اب ہم واپس اپنے کمانڈو دوستوں عمران اور جبران کی طرف آتے ہیں......

نئی پناہ گاہ شیخ صاحب نے کمانڈو عمران اور جبران کو مہیا کی تھی اور جہاں وہ رہ رہے تھے اس کے بارے میں دونوں دوستوں کو معلوم تھا کہ وہ یہاں زیادہ دیر نہ رہ سکیں گے کیونکہ اسی روز شام کے وقت جب جبران قریبی بستی میں بریانی کا پارسل لینے گیا تو اس نے لوگوں کو باتیں کرتے سنا کہ پورٹ بلیئر کی پولیس فوج کے ساتھ مل کر دہشت گردوں کی تلاش میں گھر گھر چھاپے مار رہی ہے۔

یہ پولیس پارٹی وہاں بھی آسکتی تھی جہاں عمران اور جبران چھپے ہوئے تھے......ان خدشات کا احساس شیخ صاحب کو بھی تھا، چنانچہ اسی رات شیخ صاحب چھپ کر عمران اور جبران سے ملنے آئے اور انہوں نے بھی بتایا کہ پولیس ان کی تلاش میں ہے اور پورٹ بلیئر کی ہر نئی اور پرانی بستی کی تلاشی لی جا رہی ہے...... عمران نے ان سے پوچھا۔

"پھر آپ کا کیا خیال ہے؟ ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"اس وقت جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ آپ کو کسی ایسی جگہ کم از کم ایک دو ماہ کے لئے چھپا دیا جائے کہ جہاں پولیس نہ پہنچ سکتی ہو......اس کے بعد جب ہر طرف کچھ سکون ہو جائے تو آپ کو یہاں سے نکال کر کلکتے کی جانب روانہ کر دیا جائے مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ایسی کون سی جگہ ہو سکتی ہے...... یہاں کے جنگلوں میں بھی آپ نہیں جا سکتے...... یہاں کے جنگل بے حد خطرناک ہیں...... زہریلے حشرات الارض کے علاوہ یہاں کے جنگلوں میں جو جنگلی لوگ رہتے ہیں وہ باہر کے آدمی کو زہریلے تیروں سے ہلاک کر ڈالتے ہیں"۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

"کیا ہم اس جزیرے سے کسی دوسرے جزیرے میں نہیں جا سکتے؟ انڈیمان کے تو بے شمار جزیرے ہیں" مثال کے طور پر کیا ہم مارشل آئی لینڈ میں نہیں جا سکتے؟ وہاں آپ کا دوست عبدالکریم پہلے سے مقیم ہے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"عبدالکریم وہاں نہیں ہے...... مارشل آئی لینڈ سے مجھے یاد آیا کہ یہاں سے پچاس میل جنوب میں بھارت کے مشرقی ساحل کی جانب ایک جزیرہ ہے جس کا نام کتھاکنی ہے......اس کتھاکنی جزیرے میں میرا ایک پنجابی مسلمان دوست جنگل میں لکڑی کا ٹھیکیدار ہے...... وہ ایک مدت سے وہاں ٹھیکیداری کر رہا ہے...... اس کا نام غلام قادر ہے...... اگر تم کسی طرح وہاں پہنچ جاؤ تو پھر تم محفوظ ہو گے اور میرا دوست غلام قادر تمہیں کسی نہ کسی بڑے سٹیمر میں بٹھا کر وہاں سے مدراس بھجوا سکتا ہے...... اس جزیرے سے بڑے سٹیمر اور مال بردار جہاز لکڑیوں کے شہتیر لے کر مدراس جاتے رہتے ہیں"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"پچاس میل کا فاصلہ کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے......اگر ہم ساحل تک پہنچ جائیں اور ہمیں ایک کشتی مل جائے تو ہم کتھاکنی جزیرے پر پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہیں"۔

شیخ صاحب بولے۔

"تمہیں سمندر کے سفر کا تجربہ نہیں ہے اور اس علاقے کا سمندر جسے کالا پانی کہتے ہیں دنیا کا انتہائی خطرناک اور ناقابل اعتبار سمندر ہے......اس سمندر میں کسی بھی وقت کوئی طوفان آ سکتا ہے اور یہ گہرا اتنا ہے کہ آدھا کلکتہ اس میں غرق ہو جائے تو پتہ کا نہ چلے"۔

عمران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"آپ ایک کام کیجئے...... کسی طرح ہمیں سمندر کے اس ساحل تک پہنچا دیں جہاں سے ہم جزیرہ کتھاکنی کی جانب سفر کر سکتے ہیں"۔

شیخ صاحب بولے۔

"یہی تو بات سوچنے والی اور پریشان کرنے والی ہے...... لیکن اس کے
کوشش کی جا سکتی ہے...... میں پتہ کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا پیش رفت ہو
ہے...... انشاءاللہ کل رات کو آکر تمہیں ساری رپورٹ دوں گا"۔

شیخ صاحب چلے گئے...... دن بھی گزر گیا...... اگلے روز رات کو شیخ صاح
حسب وعدہ ان کے پاس پہنچ گئے...... کہنے لگے۔

"تم لوگوں کا کتھاکنی جزیرے میں منتقل ہونے کا کام کافی حد تک مکمل ہو
ہے...... آپ لوگ ایسا کریں گے کہ کل شام کا اندھیرا ہوتے ہی یہاں سے نکل
پرانے کوارٹروں کے پیچھے جو سمندری چٹانیں ہیں وہاں پہنچ جائیں گے...... ان چٹانو
میں ایک سب سے اونچی چٹان ہے اور اس کی چوٹی اوپر سے تکونی ہے...... تم اس چٹا
کے پاس چھپ کر بیٹھ جاؤ گے...... جب آدھی رات گزر جائے گی تو سمندر میں ایک
کشتی نمودار ہوگی...... تم چٹان کے پاس آگ روشن کر کے بیٹھو گے...... کشتی کا ملا
تین بار ٹارچ کی روشنی دکھائے گا...... اس کے جواب میں تم جلتی ہوئی لکڑی کو اٹھا
سمندر کی طرف منہ کر کے گول دائرے کی شکل میں گھماؤ گے...... اس کے بعد کش
ساحل پر آجائے...... تم اس کشتی میں سوار ہو جاؤ گے...... یہ کشتی تمہیں وہاں سے جزیر
کی طرف کتھاکنی جزیرے میں پہنچادے گی...... اس جزیرے میں میرا دوست غلا
قادر پہلے سے موجود ہوگا...... میں تمہیں اس کی فوٹو دکھائے دیتا ہوں...... غلام قا
تمہیں اپنے ساتھ لے جا کر ایک جگہ چھپادے گا اور موقع پا کر تمہیں کتھاکنی جزیر
سے مدراس کی طرف روانہ کر دے گا"۔

اس کے بعد شیخ صاحب نے جیب سے بٹوہ نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکا
کر عمران اور جبران کو دکھائی...... یہ شیخ صاحب کے دوست غلام قادر ٹھیکیدار کی تصو

تھی...... دونوں نے اس تصویر کو اچھی طرح سے دیکھ لیا...... شیخ صاحب نے وہ تصویر
عمران کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تصویر تم اپنے پاس رکھو گے اور کتھاکنی پہنچ کر تصویر غلام قادر کے حوالے
کر دو گے...... یہی تمہاری شناخت ہوگی"۔

عمران نے کہا۔

"ہمیں کل رات کس وقت یہاں سے نکلنا چاہئے"۔

شیخ صاحب بولے۔

"اکیلے نکلنے کی حماقت ہرگز نہ کرنا...... تم راستہ بھول جاؤ گے...... میں خود تمہیں
لینے آؤں گا...... میں کل رات کے نو بجے تمہارے پاس گاڑی لے کر آجاؤں گا...... تم
تیار رہنا"۔

اس کے بعد شیخ صاحب چلے گئے...... اگلا سارا دن دونوں دوستوں نے پناہ گاہ میں
ہی گزارا...... صرف تھوڑی دیر کے لئے جبران کھانے پینے کی چیزیں لینے قریبی بستی
میں گیا...... رات کے ٹھیک نو بجے شیخ صاحب اپنی پرانی جیپ میں وہاں پہنچ گئے......
آتے ہی بولے۔

"خاموشی سے میرے ساتھ آجاؤ"۔

دونوں پہلے سے تیار بیٹھے تھے...... وہ شیخ صاحب کے پیچھے پیچھے چل دیئے......
جیپ ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی تھی...... دونوں شیخ صاحب کے ساتھ اس میں سوار
ہو گئے اور جیپ ساحلی چٹانوں کی طرف روانہ ہو گئی...... فاصلہ کافی تھا...... کوئی آدھے
گھنٹے بعد جیپ سمندر کے اس ساحل پر آ گئی جہاں چٹانیں دور دور تک پھیلی چلی گئی
تھیں...... ان میں ایک سب سے اونچی مخروطی چٹان تھی...... شیخ صاحب نے جیپ
پیچھے ایک جگہ کھڑی کر دی تھی۔

مخروطی چٹان کے پاس آ کر انہوں نے عمران سے کہا۔

"تم لوگ یہاں چٹان کی اوٹ میں آگ جلاؤ گے اور اسی جگہ بیٹھ کر سامنے سمندر کی طرف دیکھتے رہو گے...... آدھی رات گزر جانے کے بعد سمندر میں دور ٹارچ کی روشنی ہو گی...... یہ روشنی تین بار ہو گی...... اس کے جواب میں تم جلتی ہوئی لکڑی کو تین بار دائرے کی شکل میں گھماؤ گے اور پھر خاموشی سے کشتی کے ساحل پر لگنے کا انتظار کرو گے"۔

شیخ صاحب نے عمران کو دیا سلائیوں کا ایک بکس دیا اور بولے۔

"یہاں کافی لکڑیاں اور جھاڑیاں وغیرہ بکھری ہوئی ہیں...... جب میں چلا جاؤں تو تم یہاں آگ روشن کر لینا اور اسے بجھنے مت دینا"۔

شیخ صاحب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھا اور کہا۔

"اس وقت رات کے پونے دس بجے ہیں...... میرا خیال ہے کہ رات کے سوا بارہ بجے کے قریب سمندر میں کشتی نمودار ہو گی...... یہ گھڑی تم اپنے پاس رکھو...... میری طرف سے تمہیں ایک تحفہ ہے"۔

اور شیخ صاحب نے گھڑی عمران کے حوالے کر دی...... اس کے بعد انہوں نے دونوں کمانڈو دوستوں سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"اللہ تمہارا نگہبان ہو"۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے واپس پلٹے اور تیز تیز قدموں سے چلتے رات کے اندھیرے میں چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گئے...... جبران نے عمران سے کہا۔

"شیخ صاحب بڑے مرد مجاہد آدمی ہیں...... ان کے دل میں اسلام، پاکستان اور جہاد کشمیر کے لئے جو محبت کا جذبہ موجزن ہے اس سے میں بہت متاثر ہوا ہوں"

عمران نے کہا۔

"میں بھی ان کے اس جذبے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں...... اب خدا کرے ہم یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں"۔

جبران کہنے لگا۔

"انشاء اللہ ہم یہاں سے نکل جائیں گے...... میرا خیال ہے ہمیں آگ روشن کر دینی چاہئے"۔

اندھیرے میں انہوں نے ادھر ادھر سے گھاس پھوس جھاڑیاں اور لکڑیاں وغیرہ اکٹھی کیں اور چٹان کی اوٹ میں آگ روشن کر دی...... لکڑیاں زیادہ خشک نہیں تھیں اس لئے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھیں...... تھوڑی تھوڑی دیر بعد عمران گھڑی پر وقت دیکھ لیتا تھا...... وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے رہے...... رات گزرتی چلی گئی...... بارہ بج گئے...... پھر جب گھڑی نے رات کے سوا بارہ بجائے تو دونوں دوستوں کی نگاہیں سمندر میں ٹارچ کی روشنی کا انتظار کرنے لگیں...... بارہ بج کر بیس منٹ پر دور سمندر میں تین بار ٹارچ کی روشنی جل کر بجھی...... عمران نے فوراً ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور سمندر کی طرف منہ کر کے اسے دائرے کی شکل میں گھمانے لگا...... اس کے بعد ٹارچ کی روشنی تو نہ ہوئی لیکن سمندر کی سطح پر رات کے اندھیرے میں ایک کافی بڑا سیاہ دھبہ سا ساحل کی طرف بڑھتا نظر آنے لگا۔

سمندر کا یہ ساحل نسبتاً پر سکون تھا اور لہروں کا زیادہ جوش و خروش نہیں تھا...... سیاہ دھبہ ساحل کے قریب آتا جا رہا تھا...... وہ سمجھ گئے کہ وہی کشتی ہے جس نے ٹارچ کی روشنی کا سگنل دیا تھا...... کشتی ساحل کے اور قریب آئی تو ستاروں کی روشنی میں وہ نظر آنے لگی...... یہ کافی بڑی کشتی تھی اور اسے دو ملاح کشتی کے دونوں کناروں پر بیٹھے لمبے لمبے چپوؤں کی مدد سے چلا رہے تھے۔

کشتی ساحل پر آ کر رک گئی...... عمران اور جبران اس کی طرف بڑھے...... ایک ملاح کشتی سے اتر کر ساحل پر آ گیا...... اس نے عمران اور جبران کو اندھیرے میں غور سے دیکھا اور ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی میں پوچھا۔

"تم شیخ صاحب کا آدمی؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... ہمیں شیخ صاحب نے یہاں بھیجا ہے...... ہم تمہاری کشتی کا ہی انتظا کر رہے تھے"۔

ملاح نے کہا۔

"کشتی میں بیٹھو"۔

دونوں کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی سمندر میں واپس روانہ ہو گئی...... دونو ملاح بڑے تجربہ کار ملاح تھے...... وہ کشتی کو سمندر کی موجوں کے اوپر سے نکال کر کھ سمندر میں لے آئے...... اس کے بعد کشتی ایک ہموار رفتار کے ساتھ چل پڑی... کھلے سمندر میں لہروں کا وہ جوش و خروش تو نہیں تھا مگر سمندر اوپر نیچے ضرور ہو تھا...... اس طرح کشتی ایک جھولا سا جھولتی ہوئی اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی... کچھ دور تک ساحل سمندر کی چٹانوں کے سیاہ دھبے رات کے اندھیرے میں نظر آ رہے، پھر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے...... اب کشتی کے چاروں جانب سمندر سمندر تھا...... رات کی تاریکی میں سمندر کے سیاہ پانی سے خوف سا محسوس ہوتا تھا۔

عمران بڑا حیران تھا کہ دونوں ملاحوں کو سمت کا اندازہ کیسے ہو رہا ہے...... شاید آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں سے رہنمائی حاصل کر رہے تھے...... سمندر میں کوئی ا گھنٹے تک سفر کرنے کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں ملاحوں نے جفاکشی کے ساتھ چلانے بند کر دیئے...... اب وہ سمندر میں چپو ڈال کر انہیں ایسی حرکت دے رہے جیسے کشتی کو ایک خاص سمت پر رکھنے کی کوشش کر رہے ہوں...... عمران نے محسو کیا کہ سمندر کی لہروں کا بہاؤ ایک خاص سمت کو ہو گیا ہے اور کشتی اپنے آپ بہاؤ پر جا رہی ہے...... جبران نے کہا۔

"کتھا کنی جزیرے کا ساحل قریب آ رہا ہے"۔

عمران بولا۔

"ہاں...... ساحل قریب ہو تو سمندری لہروں کا بہاؤ ساحل کی طرف ہو جاتا ہے...... یہ قدرتی بات ہے"۔

اس کے باوجود ساحل ابھی کافی دور تھا...... گھنٹہ سوا گھنٹہ کشتی بہاؤ کے ساتھ ہی بہتی رہی...... سوا گھنٹے کے بعد جا کر عمران نے ایک طرف اشارہ کیا...... جبران نے اس طرف دیکھا...... رات کی تاریکی اور ستاروں کی پھیکی روشنی میں اسے دور سمندر میں ابھرتے ہوئے بڑے بڑے دھبے نظر آئے...... جبران بولا۔

"یہ کتھا کنی کا جزیرہ ہی ہو سکتا ہے"۔

"خدا کرے کہ وہی ہو" عمران نے آہستہ سے کہا۔

سیاہ دھبے بڑے ہوتے ہوئے ٹیلوں کی شکل اختیار کر گئے...... یہ بڑے بڑے سیاہ ٹیلے یا پہاڑیاں تھیں جن کے قریب سے کشتی گزری تھی...... ساحل کے قریب آ کر کشتی کی رفتار اپنے آپ تیز ہو گئی تھی...... سمندری ٹیلے کبھی ان کی دائیں جانب آ جاتے کبھی بائیں جانب آ جاتے تھے...... آخر دور ساحل پر روشنی کے نقطے جھلملاتے نظر آئے...... جبران بولا۔

"یہ جزیرہ کتھا کنی کا ساحل ہو گا"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔

کشتی اپنے آپ لہروں کے بہاؤ کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی...... ساحل تک پہنچتے پہنچتے بھی آدھ گھنٹہ لگ گیا...... آخر کشتی ساحل کی ریت پر آدھی چڑھ کر رک گئی...... دونوں ملاح کشتی سے اتر کر اسے ایک پتھر کے ساتھ باندھنے لگے...... اتنے میں درختوں میں سے نکل کر ایک آدمی کشتی کی طرف بڑھا...... جبران نے عمران سے کہا۔

"یہ شیخ صاحب کا دوست غلام قادر ہی ہو سکتا ہے"۔

وہ آدمی کشتی کے پاس آ کر رک گیا...... عمران اور جبران بھی کشتی سے اتر آئے

تھے...... اس آدمی نے پوچھا۔

"تمہارے نام کیا ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرا نام عمران ہے...... یہ میرا دوست ہے...... اس کا نام جبران ہے"۔

اجنبی بولا۔

"میرا نام غلام قادر ہے"۔

پھر اس نے کہا۔

"کیا تمہارے پاس میری تصویر ہے؟"۔

عمران بولا۔

"جی ہاں...... آپ کی تصویر میرے پاس موجود ہے...... یہ شیخ صاحب نے ہمیں دی تھی کہ آپ کی امانت ہے منزل پر پہنچ کر اسے آپ کے حوالے کر دیں"۔

غلام قادر نے دیا سلائی جلائی اور بولا۔

"تصویر مجھے دے دو اور میری شکل بھی دیکھ لو کہ تصویر کے عین مطابق ہے"۔

عمران اور جبران نے غلام قادر کو دیا سلائی کی روشنی میں دیکھا...... ہو بہو تصویر والی شکل تھی...... غلام قادر نے اپنی تصویر عمران سے لے کر جیب میں رکھ لی اور سلائی بجھا کر بولا۔

"میرے ساتھ آجاؤ"۔

غلام قادر انہیں اپنے ساتھ لے کر درختوں کے نیچے سے گزرنے لگا...... کا دیر تک چلنے کے بعد درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ایک کھاڑی آ گئی...... کھاڑی وہ ہوتی ہے جہاں سمندر ایک ندی یا جھیل کی شکل میں جنگل کے اندر آ جاتا ہے کھاڑی کے دوسرے کنارے پر روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں...... غلام قادر نے

"یہ روشنیاں کھاٹنی جزیرے کی بندرگاہ کی ہیں...... یہ بہت چھوٹا جزیرہ ہے

کھاٹنی انڈیمان کے تمام جزیروں میں سے چھوٹا جزیرہ ہے...... لیکن یہاں سے انڈیا کا مشرقی ساحل اور مدراس کی بندرگاہ کا فاصلہ سب سے کم ہے، چنانچہ جنگل کی لکڑی سے بھرے ہوئے جہاز اسی بندرگاہ سے انڈیا کی طرف جاتے ہیں...... شیخ صاحب نے تمہیں بتا دیا ہوگا...... میرا یہاں ٹھیکیداری کا چھوٹا سا کاروبار ہے...... میں جنگل کا چھوٹا سا حصہ ٹھیکے پر لیتا ہوں اور جنگل کے پرانے درختوں کو کٹوا کر ان کی لکڑی انڈیا بھیج دیتا ہوں...... میں جوان تھا جب یہاں آیا تھا...... اب میری عمر ساٹھ سال کی ہو گئی ہے...... میرے بال بچے مدراس میں ہوتے ہیں...... مہینے میں ایک بار ان سے ملنے چلا جاتا ہوں"۔

وہ لوگ کھاڑی کے کنارے کنارے چل رہے تھے...... ایک جگہ غلام قادر کنارے سے ہٹ کر دائیں جانب درختوں میں ہو گیا...... یہ درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی پگڈنڈی بنی ہوئی تھی...... پگڈنڈی جہاں جا کر ختم ہوئی وہاں ایک کھلی جگہ تھی جہاں کٹے ہوئے درختوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا...... اندھیرے میں دو آرہ مشینیں بھی نظر آئیں...... پیچھے ناریل کے درختوں کے درمیان ایک ڈھلوان چھت والا مکان بنا ہوا تھا...... یہ مکان بھی زمین سے تین چار فٹ اونچی مچان پر بنا ہوا تھا...... اس کے باہر ایک لالٹین روشن تھی...... غلام قادر کہنے لگا۔

"اس جزیرے میں ابھی بجلی نہیں آئی...... ہم ڈیزل کے انجن کی مدد سے آرہ مشینیں چلا کر لکڑیوں کی کٹائی کرتے ہیں"۔

مکان کے دو کمرے تھے...... غلام قادر نے کہا۔

"آپ دونوں اس کمرے میں اطمینان سے سو جائیں...... یہاں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے آپ لوگ بے فکر ہو کر سوئیں"۔

کمرے میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں...... غلام قادر چلا گیا...... عمران اور جبران ایک ایک چارپائی پر لیٹ گئے...... کمرے کی دو کھڑکیاں تھیں جن میں سے سمندر کی ہوا آ رہی تھی...... بستر پر لیٹتے ہی وہ گہری نیند سو گئے...... صبح کافی دیر بعد ان کی آنکھ

کھلی...... غلام قادر نے کہا۔

"آجاؤ...... ناشتہ کرلو"۔

برآمدے میں بیٹھ کر انہوں نے ناشتہ کیا...... تھوڑی دیر بعد ڈیزل کا انجن سٹارٹ کردیا گیا...... آرہ مشین چلنے لگی اور مزدور شہتیروں کی چرائی کرنے لگے...... غلام قادر بولا۔

"پرسوں ایک مال بردار جہاز لکڑیاں لے کر مدراس جارہا ہے...... جہاز کا کپتان میرا دوست ہے...... میں تمہیں اس کے حوالے کردوں گا...... وہ تمہیں پوری حفاظت سے مدراس پہنچادے گا"۔

دونوں دوستوں نے دوسرا دن بھی غلام قادر کے ہاں گزار دیا...... تیسرے روز صبح جہاز نے چلنا تھا...... غلام قادر نے پچھلے پہر منہ اندھیرے آکر عمران اور جبران کو اٹھادیا...... دونوں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور غلام قادر کے ساتھ کٹھاکنی کی بندرگاہ کی طرف روانہ ہوگئے...... بندرگاہ وہاں سے قریب ہی تھی...... صرف ایک جیٹی (پلیٹ فارم) کی بندرگاہ تھی...... ایک بحری جہاز جیٹی پر لگا ہوا تھا...... غلام قادر نے جہاز کے کپتان سے عمران اور جبران کا تعارف کرایا اور کہا۔

"یہی میرے دونوں کزن ہیں جنہیں مدراس جانا ہے"۔

جہاز کا کپتان گوا کا رہنے والا مضبوط قد کاٹھ کا آدمی تھا...... پائپ پی رہا تھا...... اس نے بڑی گرمجوشی سے عمران اور جبران سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"نو پرابلم...... ہم تمہیں مدراس پہنچادے گا"۔

غلام قادر...... عمران اور جبران کو کپتان کے حوالے کرکے چلا گیا...... کپتان دونوں کو جہاز کے اوپر والے ڈیک پر لے آیا...... کہنے لگا۔

"یہاں تم لوگ کیبن میں رہے گا"۔

ڈیک کی ایک جانب چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا...... کپتان بولا۔

"کھانے کے ٹائم پر تم لوگ نیچے کینٹین میں آجائے گا...... نو پرابلم"۔

اور کپتان چلا گیا...... تھوڑی دیر بعد یہ مال بردار جہاز مدراس کی طرف اپنے سمندری سفر پر روانہ ہوگیا...... کپتان نے انہیں بتایا تھا کہ کٹھاکنی سے مدراس کی بندرگاہ کا فاصلہ پونے تین سو سمندری میل ہے اور جہاز تیسرے دن مدراس پہنچے گا۔

سمندر پر سکون تھا...... جہاز ایک خاص رفتار سے سمندر میں سفر کرتا رہا...... تیسرے دن سورج غروب ہورہا تھا کہ دور سے انڈیا کے ساحل کی روشنیاں نظر آنا شروع ہوگئیں...... عمران اور جبران ڈیک کے جنگلے کے ساتھ لگے ان روشنیوں کو دیکھ رہے تھے...... جبران نے کہا۔

"حالات ایسی صورت اختیار کرگئے تھے کہ مجھے انڈیا واپس پہنچنا ناممکن نظر آرہا تھا"۔

عمران بولا۔

"اللہ کی مدد ہمارے شامل حال تھی...... سارا سبب اسی مسبب الاسباب نے پیدا کیا ہے...... ہم اللہ تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کریں کم ہے"۔

شام ہوگئی تھی جب جہاز مدراس کے ساحل کے ساتھ لگ گیا...... کپتان اوپر ڈیک پر آگیا...... کہنے لگا۔

"ہم مدراس پہنچ گئے ہیں...... میرے ساتھ آؤ...... میں تمہیں خود بندرگاہ سے باہر نکالوں گا...... غلام قادر ہمارا دوست ہے...... اس نے ہمیں آرڈر کیا تھا کہ تم لوگوں کو خود بندرگاہ سے باہر نکالوں...... کم آن"۔

فرار کا ایسا انتظام عمران اور جبران کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا...... جہاز کے کپتان نے عمران اور جبران کو اپنے ساتھ لیا...... جہاز سے اتارا اور بندرگاہ کی جیٹی کے ایک مال گودام میں سے گزار کر بندرگاہ والی بڑی سڑک پر لے آیا...... کہنے لگا۔

"اب تم مدراس میں ہو...... جہاں چاہے جاسکتے ہو"۔

عمران اور جبران نے کپتان کا شکریہ ادا کیا تو کپتان بولا۔

"شکریئے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... غلام قادر ہمارا دوست ہے...... اس آرڈر تھا کہ تمہیں اپنی سیفٹی میں مدراس پہنچاؤں...... او کے...... اب ہم واپس جہاز جائے گا...... بائی!!

کپتان بندرگاہ کی طرف چلا گیا۔

عمران اور جبران مدراس کی ایک کشادہ سڑک پر کھڑے تھے جس کی دونو جانب بجلی کے کھمبوں پر مرکری لائٹیں روشن تھیں اور سڑک کی دوسری طرف سٹور کی بہت بڑی عمارت تھی جس کے اوپر نیون سائن کا بورڈ جگ مگ کر رہا تھا۔ ایک طرف کوکا کولا کا نیون سائن کبھی روشن ہو رہا تھا اور کبھی بجھ رہا تھا...... سڑک ٹریفک رواں دواں تھی...... مدراس بھارت کا ایک اہم شہر اور بندرگاہ ہے اور صوبہ صدر مقام بھی ہے...... یہاں کے لوگ تامل زبان بولتے ہیں جو دراوڑ قوم کی قد زبان تھی...... تاریخی تحقیق کے مطابق برصغیر میں آریاؤں کی آمد سے پہلے یہی ہڑپہ اور موہنجوداڑو میں حکومت کرتی تھی...... آریاؤں کے شمالی ہند پر قبضہ کے بع قوم جنوبی ہند کی طرف پسپا ہو گئی...... عمران اور جبران کو اس شہر میں ٹھہرنا نہ تھا...... ان کی منزل دلی تھی...... چنانچہ وہ ایک آٹو رکشا میں بیٹھ کر مدراس سنٹرل ریلوے سٹیشن پر آ گئے...... یہاں سے انہیں دلی جانے والی گاڑی پکڑنی تھی...... یہ بڑا ریلوے سٹیشن تھا۔

دونوں دوست پلیٹ فارم پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے...... عمران کہنے لگا۔

"یہ معلوم کرنا چاہئے کہ دلی کی طرف کون سی گاڑی جاتی ہے اور کب جائے گی"۔

جبران بولا۔

"تم یہیں بیٹھو...... میں جا کر پتہ کرتا ہوں"۔

جبران چائے کے سٹال کی طرف چلا گیا...... عمران بنچ پر ہی بیٹھا رہا...... اگرچہ شہر دلی اور انڈیمان سے بہت دور تھا...... پھر بھی عمران اس نگاہ سے ماحول کا جائزہ

رہا تھا کہ وہ کسی کی نظر میں تو نہیں آ گئے...... پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کے سپاہی چل پھر رہے تھے...... ایک ملٹری پولیس کا جوان بھی گیٹ کے پاس کھڑا تھا...... جبران واپس آ گیا...... کہنے لگا۔

"دو گھنٹے بعد ایک گاڑی دلی کی طرف جا رہی ہے، مگر یہ پسنجر ٹرین ہے...... راستے میں بڑی دیر لگا دے گی"۔

عمران نے کہا۔

"پسنجر ٹرین ہمارے لئے بہت موزوں رہے گی...... مسافروں کے ہجوم میں ہم بھی روپوش رہیں گے"۔

جبران نے کہا۔

"یہ دو گھنٹے ہم کہاں گزاریں؟ یہاں پلیٹ فارم پر بیٹھے رہے تو خواہ مخواہ لوگوں کی نظروں میں آ جائیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"تو چلو تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں چل کر بیٹھ جاتے ہیں"۔

تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ باہر تھا...... پلیٹ فارم پر صرف فسٹ اور سیکنڈ کلاس کے مسافر خانے ہی تھے...... وہ باہر نکل آئے...... تھرڈ کلاس کے مسافر خانے میں کافی لوگ بیٹھے تھے...... دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے...... یہاں پولیس کا کوئی سپاہی نہیں تھا...... یہیں انہوں نے کینٹین سے چاول وغیرہ لے کر کھائے...... جب پونے دو گھنٹے گزر گئے تو مسافروں میں ہلچل سی پیدا ہوئی...... ٹرین کا وقت ہو گیا تھا...... عمران اور جبران بھی مسافروں کے ساتھ پلیٹ فارم پر آ گئے...... ٹکٹ انہوں نے پہلے ہی خرید رکھے تھے...... پلیٹ فارم پر دلی جانے والی پسنجر ٹرین کھڑی تھی...... وہ ٹرین میں سوار ہو گئے...... یہ سفر بھی کافی طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا...... ٹرین صوبہ تامل ناڈو سے نکل کر دوسرے دن صبح صوبہ آندھرا پردیش میں داخل ہو گئی...... حیدر آباد دکن کے

سٹیشن پر ٹرین کافی دیر کھڑی رہی...... عمران اور جبران ٹرین کے ڈبے میں ہی چھپ کر بیٹھے رہے...... باہر پلیٹ فارم پر نکلنا خطرے کو دعوت دینا تھا...... آخر حیدر آباد (دکن) سے ٹرین چل پڑی...... اس کے بعد دوسرا بڑا اسٹیشن ناگ پور آتا تھا...... حیدر آباد سے اس کا فاصلہ بہت طویل تھا...... آخر ناگ پور کے بہت بڑے ریلوے سٹیشن سے بھی ٹرین آگے نکل گئی...... اس کے بعد ٹرین مدھیہ پردیش کے بڑے اہم سٹیشن جبل پور سے ہوتی ہوئی اتر پردیش کے تاریخی شہر بنارس کی طرف روانہ ہوئی...... بنارس انگریزوں کے زمانے کا نام ہے...... اب اس شہر کا نام وارناسی ہو گیا ہے...... وارناسی سے گاڑی لکھنئو، بریلی اور مراد آباد سے ہوتی ہوئی دلی پہنچ گئی۔

یہ سفر تین دنوں میں طے ہوا تھا...... ٹرین جب دلی کے ریلوے سٹیشن میں داخل ہوئی تو دن ڈھل رہا تھا...... ٹرین میں ہی عمران نے جبران کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ حاجی صاحب کے ہوٹل میں الگ الگ ہو کر جائیں گے اور پلیٹ فارم پر اجنبی مسافروں کی طرح اتریں گے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا...... عمران اتر کر ایک طرف اور جبران اتر کر دوسری طرف منہ کر کے چل دیا...... ایک گھنٹے بعد وہ آگے پیچھے حاجی صاحب کے چاندنی چوک والے ہوٹل میں حاجی صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔

حاجی صاحب نے کہا۔

”ہم تمہارے اس کارنامے پر جتنا فخر کریں کم ہے...... بھارت کی میزائل فیکٹری اڑا کر تم نے کشمیری مجاہدین کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں اور بھارتی فوج کے وقار کو کاری ضرب لگائی ہے...... اب تمہارا کیا پروگرام ہے“۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

”ہمیں اپنے بیس Base یعنی کشمیر کے محاذ پر واپس جانا ہے“۔

حاجی صاحب نے عمران کو خاص طور پر متنبہ کرتے ہوئے کہا۔

”عمران! تمہیں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انڈیا کے

اخباروں میں تمہاری تصویر کا وہ خاکہ جو انڈیمان کے انگریزی اخبار میں چھپا تھا شائع ہو چکا ہے اور یہاں کے لوگ تمہاری شکل سے واقف ہو گئے ہیں...... پولیس نے تمہارے خاکے کے نیچے یہ اعلان بھی شائع کرایا ہے کہ یہ شخص پاکستان کا دہشت گرد جاسوس ہے اور جو کوئی اس کو گرفتار کروائے گا یا اس کے بارے میں پوری معلومات مہیا کرے گا اسے پچاس ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا“۔

”مائی گاڈ“ عمران بے اختیار بولا...... ”تو میری تصویر یہاں کے اخباروں میں بھی چھپ چکی ہے...... خیر کوئی بات نہیں...... ہم پہلے سے زیادہ محتاط ہو کر سفر کریں گے“۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

”بلکہ ہمیں دلی سے کشمیر تک کا سفر الگ الگ ہو کر کرنا چاہئے“۔

حاجی صاحب بولے۔

”یہ سب سے بہتر رہے گا“۔

پھر حاجی صاحب نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تمہاری تصویر کا جو خاکہ اخباروں میں چھپا ہے اس میں تمہاری شیو بالکل صاف ہے...... اب تمہاری شیو تھوڑی بڑھ گئی ہے...... تم ابھی شیو مت کرنا...... شیو کرو گے تو فوراً پہچانے جاؤ گے“۔

رات دونوں کمانڈو دوستوں نے حاجی صاحب کے ہاں بسر کی...... صبح صبح جبران کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا...... دوسری گاڑی دوپہر کے دو بجے جاتی تھی...... عمران ایک بجے تک حاجی صاحب کے ہوٹل میں ہی چھپا رہا...... پورے ایک بجے وہ آٹو رکشے میں بیٹھ کر سٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹرین ٹھیک دو بجے چلتی تھی...... عمران نے جموں تک کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ کر کونے میں بیٹھ گیا...... اس نے احتیاط کے طور پر سر پر مفلر لپیٹ رکھا تھا...... ٹرین ابھی نہیں آئی تھی...... یہ ٹرین بمبئی سے جموں تک چلتی تھی...... پلیٹ فارم پر دلی سے

آگے جانے والی سواریوں کا کافی ہجوم تھا...... دو تین پولیس والے بھی چل پھر رہے تھے...... سپیکر پر اعلان ہوا کہ جموں توی جانیوالی ٹرین ایک گھنٹہ دیر سے پہنچے گی...... یہ خبر عمران کے لئے بڑی منحوس تھی...... اسے مزید ایک گھنٹہ پلیٹ فارم پر بسر کرنا تھا جہاں پر کوئی اسے دیکھ سکتا تھا، لیکن مجبوری تھی...... وہ واپس حاجی صاحب کے ہوٹل میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا...... یہی سوچ کر بیٹھا رہا کہ ایک گھنٹے کی بات ہے...... گزر جائے گا، لیکن اس ایک گھنٹے میں کیا کچھ ہونے والا تھا اس کی عمران کو خبر نہیں تھی......

وہ کچھ دیر تو بنچ پر بیٹھا رہا...... پھر اٹھ کر ٹہلتا ٹہلتا پلیٹ فارم کے اس سرے کی طرف چلا گیا جہاں کوئی مسافر نہیں تھا...... وہاں لکڑی کے تین چار کریٹ ساتھ ساتھ پڑے تھے...... وہ ایک کریٹ پر بیٹھ گیا...... اس کا رخ ریلوے لائن کی طرف تھا۔

اتنے میں پیچھے سے کسی نے اسے آواز دے کر پوچھا۔

"بھائی صاحب...... آپ کے پاس ماچس ہوگی؟"۔

عمران نے مڑ کر دیکھا...... ایک پتلون قمیض والا سانولی رنگت اور گھنگھریالے سیاہ بالوں والا مضبوط جسم کا آدمی ہاتھ میں سگریٹ لئے کھڑا تھا...... عمران کی چھٹی حس نے اچانک بیدار ہو کر اسے بتا دیا کہ عمران تم خطرے میں گھر گئے ہو...... لیکن کمانڈو عمران نے اپنے چہرے پر پریشانی کا ذرا سا بھی تاثر نہ آنے دیا...... اس نے کہا۔

"میں سگریٹ نہیں پیتا"۔

"اچھا...... آئی ایم سوری" اجنبی نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا اور پھر اس کے پاس ہی دوسرے کریٹ پر بیٹھ گیا...... کہنے لگا۔

"آپ اچھا کرتے ہیں سگریٹ نہیں پیتے...... یہ بڑی بری عادت ہے...... کریں...... یہ عادت ہمیں پڑ چکی ہے"۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا اور سامنے دوسرے پلیٹ فارم کی طرف دیکھتا رہا...... اجنبی نے پوچھا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"۔

عمران سمجھ گیا کہ اس آدمی کو اس پر شک ہو گیا ہے اور وہ اس کا اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے...... اس نے یونہی کہہ دیا۔

"امرتسر جا رہا ہوں"۔

"وہاں آپ کا کوئی کاروبار ہے؟" اجنبی نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"جی نہیں...... میں اپنے ایک دوست رام پرشاد سے ملنے جا رہا ہوں...... اس کی نئی سیوان کے بازار میں کتابوں کی دکان ہے"۔

"آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟" اجنبی نے دوسرا سوال کیا...... عمران نے سوچا کہ اگر اس شخص سے اونچی نیچی بات کی تو کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے...... اس لئے اس کے ساتھ نارمل انداز میں ہی بات کی جائے تو بہتر ہے...... اس نے کہا۔

"میں دلی ہی کا رہنے والا ہوں، مگر آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"۔

اجنبی نے عمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے"۔

عمران نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ہو سکتا ہے دلی میں کہیں دیکھا ہو"۔

اجنبی بولا۔

"آپ کی زبان دلی والوں کی زبان نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں امرتسر پنجاب کا رہنے والا ہوں...... دلی کے چاندنی چوک میں میری کتابوں کی دکان ہے...... اپنی فیملی کے ساتھ دلی میں ہی رہ رہا ہوں"۔

اجنبی نے کہا۔

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟"۔

عمران کو غصہ تو بہت آیا، مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ ٹھنڈے دل سے کام لے اور اس آدمی کے ہر سوال کا جواب دینے کی کوشش کرے...... یہاں پھر جلدی میں عمران سے غلطی ہوگئی اور اس نے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرا نام کرم چند ہے"۔

خدا جانے اس اجنبی نے کوئی خاص اشارہ کیا یا انہوں نے پہلے سے معاملہ طے کر رکھا تھا...... اچانک تین پولیس کے سپاہی کسی طرف سے نکل کر وہاں آگئے۔ اجنبی نے ان میں سے ایک سپاہی سے کہا۔

"یہ کرم چند جی ہیں...... دلی میں کتابوں کا بزنس کرتے ہیں...... امرتسر اپنے دوست رام پرشاد سے ملنے جارہے ہیں...... تھوڑی دیر کے لئے انہیں آفس میں لے چلیں...... مجھے ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں"۔

عمران کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی...... وہ پھنس گیا تھا۔



اجنبی نوجوان سی آئی اے کا آدمی تھا اور اس نے پہلی نظر میں ہی عمران کو پہچان لیا تھا...... عمران نے اپنے ہوش حواس برقرار رکھے اور قدرے رعب سے پوچھا۔

"آپ لوگ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں؟ میں کوئی مجرم نہیں ہوں"۔

اجنبی نے کہا۔

"ہم کب کہتے ہیں کہ آپ مجرم ہیں...... ہم تو صرف آپ کی خاطر داری کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے جارہے ہیں...... آیئے...... تشریف لے چلئے"۔

عمران کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ پولیس کے سپاہیوں نے اسے پکڑ کر فوراً ہتھکڑی لگادی...... سی آئی اے کے آدمی نے کہا۔

"اسے لے چلو"۔

عمران اب بے بس ہو گیا تھا...... وہ پولیس کے قبضے میں تھا اور بھاگ نہیں سکتا تھا...... وہ یہ سوچنے لگا کہ اب آگے کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے...... پلیٹ فارم پر ریلوے پولیس کا آفس تھا...... سپاہی اسے وہاں لے آئے اور ایک چھوٹے خالی کمرے میں کرسی پر بٹھادیا...... تھوڑی دیر بعد اجنبی نوجوان بھی آگیا...... اس کے ساتھ ایک باوردی پولیس آفیسر بھی تھا...... دونوں اس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے...... اجنبی نے عمران سے کہا۔

"تمہارا پورا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے...... بہتر ہے کہ تم اپنے جرم کا اعتراف کرلو...... اپنا جرم تسلیم کر لینے میں ہی تمہاری بھلائی ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا...... آپ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں...... میں بھارت کا آزاد شہری ہوں...... آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ بغیر وارنٹ دکھائے مجھے گرفتار کریں"۔

اجنبی نے پولیس آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کپور جی! اسے وارنٹ دکھا ہی دیں"۔

پولیس آفیسر نے جیب سے اخبار کا ایک تراشہ نکال کر عمران کے سامنے رکھ دیا...... یہ اخبار میں چھپی ہوئی عمران کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا تھا کہ یہ خطرناک پاکستانی دہشت گرد ہے، جو کوئی اسے زندہ گرفتار کروانے میں پولیس کی مدد کرے گا یا اس کے بارے میں کوئی اطلاع دے گا اسے نقد انعام دیا جائے گا۔

پولیس آفیسر کپور نے عمران کو اس کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی تصویر ہے اور یہی آپ کی گرفتاری کا وارنٹ بھی ہے"۔

پھر اس نے رعب دار آواز میں کہا۔

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اپنے جرم کا اعتراف کر لو"۔

عمران بولا۔

"یہ میری تصویر نہیں ہے...... کسی نے جان بوجھ کر مجھ سے دشمنی کرتے ہوئے یہ خاکہ میری شکل کا بنا کر پولیس کو دے دیا ہوگا"۔

پولیس آفیسر نے اخبار کا تراشہ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور سی آئی اے نوجوان سے پوچھا۔

"اس نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟"۔

سی آئی اے والے نے کہا۔

"کرم چند نام بتایا تھا"۔

پولیس آفیسر بولا۔

"ذرا اسے اندر لے جا کر چیک کراؤ کہ یہ اصل میں کون ہے"۔

اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کر کے کتنی حماقت کی ہے...... اب تو وہ بالکل پھنس گیا تھا...... سی آئی اے والے نے سپاہیوں سے کہا۔

"اسے اندر لے جا کر دیکھو...... یہ ہندو ہے کہ مسلمان ہے"۔

سپاہی اسے دوسرے کمرے میں لے گئے...... چند لمحوں کے بعد اسے باہر لے آئے...... ایک سپاہی نے کہا۔

"سر! یہ مسلمان ہے...... ہندو نہیں ہے"۔

پولیس آفیسر اب عمران کی طرف متوجہ ہوا...... اس نے کرسی کھینچ لی اور عمران کے بالکل سامنے اور قریب ہو گیا اور عمران کی ٹھوڑی کو اپنے بید کے ڈنڈے سے اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ انڈیمان میں ایٹمی فیکٹری کی تباہی میں تمہارے ساتھ کون کون کمانڈو تھے...... اگر تم ہمیں ان کے نام بتا دو اور یہ بتا دو کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے"۔

عمران سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے...... اب آئیں بائیں شائیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے...... اس نے کہا۔

"میں نے اکیلے یہ آپریشن کیا ہے...... میرے ساتھ اور کوئی نہیں تھا"۔

دوسرا سی آئی اے والا کہنے لگا۔

"ہمارے پاس تمہاری فائل کی مکمل کاپی پورٹ بلیئر سے پہنچ چکی ہے...... اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم اکیلے نہیں تھے...... تمہارے ساتھ اور بھی پاکستانی کمانڈو تھے ہمیں ان کے ٹھکانے بتا دو اور اپنی جان بچا کر چلے جاؤ...... اگر اس بات کی

تصدیق ہوگئی کہ تمہارے ساتھی کمانڈو پولیس کی تحویل میں آگئے ہیں تو ہم تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کریں گے اور تمہیں خود فرار ہونے کا موقع دے دیں گے"۔

عمران جانتا تھا کہ یہ سب جھوٹ ہے..... یہ خود مجھے چھوڑ دیں؟ اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا..... اب تو اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ سی آئی اے کے ہاؤس میں ان کی وحشیانہ درندہ صفت اذیتیں برداشت کرنے کی کوشش کرے اور زبان بند رکھے اور جب تک زندہ رہ سکتا ہے زندہ رہے اور ان لوگوں کو کچھ نہ بتانے کی کوشش کرتا رہے اور پھر اگر مر جائے تو مر جائے۔

عمران نے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ کوئی کمانڈو ساتھی نہیں تھا اور میں بھی پاکستانی کمانڈو نہیں ہوں..... میرا تعلق کشمیر کے مجاہدین کی ایک جماعت سے ہے جو انڈین آرمی کی درندگیوں کا مقابلہ کر رہی ہے"۔

سی آئی اے والے نوجوان کا نام بنواری لعل تھا..... پولیس آفیسر کپور نے سی آئی اے کے آدمی بنواری لعل سے کہا۔

"بنواری! لاتوں کے بھوت باتوں سے کبھی نہیں مانتے..... اسے قلعے میں لے چلو"۔

دلی کے لال قلعے میں بھارت کا سب سے بدنام اور خطرناک ترین ٹارچر سیل تھا..... کمانڈو عمران نے اس تہہ خانے کے بارے میں بڑی ہوش ربا اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستانیں سن رکھی تھیں..... بھاگنے کا کوئی مقام نہیں تھا..... اسے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی اور دو سپاہی اس کے دائیں بائیں موجود تھے..... بنواری لعل نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! میں اسے خود لال قلعے لے جاتا ہوں..... آپ بھی پہنچ جائیں اور سب تھانوں کو سگنل دے دیں کہ انڈیمان کا مفرور دہشت گرد پکڑ لیا گیا ہے"۔

"او کے"۔

یہ کہہ کر پولیس آفیسر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا..... سپاہی عمران کو لے کر باہر پلیٹ فارم پر آگئے..... باہر پولیس کی گاڑی موجود تھی..... سپاہیوں نے عمران کو گاڑی کے اندر دھکیل دیا..... خود بھی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے..... بنواری لعل خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور گاڑی دلی کے شور وغل والے بازاروں میں سے گزرتی دلی کے مشہور لال قلعے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

لال قلعے میں جا کر عمران کو ایک زیر زمین کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا..... کوٹھڑی میں صرف ایک کمزور روشنی والا بلب جل رہا تھا..... فرش پر گھاس پھوس کے اوپر ایک پھٹی پرانی سی دری بچھی ہوئی تھی..... کوٹھڑی کا دروازہ آہنی تھا اور بند تھا..... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کمانڈو جبران اس کے ساتھ نہیں تھا، ورنہ وہ بھی عمران کے ساتھ پکڑا گیا ہوتا..... اب عمران کو کم از کم یہ تسلی ضرور تھی کہ جبران آزاد ہے اور وہ کشمیر کے جہاد میں شریک ہو جائے گا..... اگرچہ وہاں سے فرار ہونے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر عمران نے فرار کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

دوسرے روز عمران سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی..... اسے گرفتار کرنے والے اور تھے اور پوچھ گچھ کرنے والے دوسرے لوگ تھے..... یہ تین آفیسر تھے..... ان کی وردیاں بری فوج کی تھیں..... ان میں ایک مراٹھا تھا باقی دو ڈوگرے تھے..... مراٹھا آفیسر کی وردی پر ایک کراؤن بنا ہوا تھا جو میجر کا نشان ہوتا ہے..... باقی دونوں فوجیوں کی وردیوں پر عہدے کا کوئی نشان نہیں تھا، لیکن شکل صورت سے وہ بھی فوجی افسر لگتے تھے..... مراٹھا میجر کو ان میں سے ایک نے بالاجی کے نام سے پکارا تھا..... بالا جی کا رنگ گہرا سانولا تھا اور ماتھے پر زخم کا لمبا نشان تھا..... وہ شکل ہی سے سنگدل لگتا تھا..... اس نے عمران کی کوٹھڑی میں آتے ہی عمران کو زور سے ٹھڈا مارا..... عمران بلبلا کر اٹھ کھڑا ہوا..... اس کے بعد عمران سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی..... سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ تمہارے ساتھ اور کون کون تھا..... تم جزائر انڈیمان بس

س جگہ ٹھہرے تھے...... عمران کے پاس ان کے ہر سوال کا ایک ہی جواب تھا کہ
اکیلا ہوں...... میرے ساتھ اور کوئی نہیں تھا اور میں پاکستانی کمانڈو نہیں ہوں
کشمیری مجاہد ہوں...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ لوگ یہ تسلیم کرتے، چن
عمران پر تشدد شروع ہو گیا۔

اس وحشیانہ تشدد کی تفصیل بیان کرنے کی ہم اس لئے ضرورت محسوس نہ کرتے کہ بھارت کی پولیس اور انٹیلی جنس پکڑے جانے والے کشمیری مجاہدین ساتھ جو درندوں والا وحشیانہ سلوک کرتی ہے اس سے ہمارے قارئین بھی اور سا دنیا واقف ہے...... عام کشمیری مجاہد اور عمران میں صرف اتنا ہی فرق تھا کہ عمران ا تربیت یافتہ کمانڈو بھی تھا اور اسے اذیت برداشت کرنے کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی پھر بھی اذیت اذیت ہی ہوتی ہے...... ٹریننگ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ عمران کے جس اگر بجلی کے جھٹکے دیئے جاتے تھے یا اس کے جسم کو جلتے ہوئے سگریٹوں سے داغا جا یا زنبور ڈال کر اس کا کوئی دانت اکھاڑ دیا جاتا تھا یا اس کے ناخنوں کو چاقو سے گوشت الگ کیا جاتا تھا تو اسے تکلیف نہیں ہوتی تھی...... تکلیف اسے بھی ہوتی تھی، لیکن برداشت کر لیتا تھا۔

ایک ہفتہ عمران پر وحشیانہ تشدد جاری رہا، مگر اس نے زبان سے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہا کہ میں اکیلا ہوں...... میرا کوئی ساتھی نہیں ہے...... میں نے جو کچھ اکیلے ہی کیا...... جب مراٹھا میجر اور دوسرے فوجی عمران کو اذیت دے دے کر خود تنگ آ گئے تو مراٹھا میجر نے عمران سے کہا۔

''ہم تمہیں آخری موقع دے رہے ہیں...... اگر اب بھی تم نے اپنے ساتھ کے نام پتے نہ بتائے تو تمہیں قلعے کی فصیل سے سر کے بل نیچے پھینک دیا جائے گا اوپر سے تم پر مشین گن کی فائرنگ کی جائے گی''۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا...... وہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ اب اسے مار ڈالنے کا

چکے ہیں...... اس نے اپنے آپ سے کہا...... عمران! اگر اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی ہے تو اسے کوئی نہیں ٹال سکتا...... لیکن اگر قدرت کی طرف سے ابھی تمہارا وقت نہیں تو بھارت کی ساری فوج مل کر تم پر گولہ باری کرے تب بھی تمہارا کچھ نہیں بگڑ ...... اگلے روز صبح صبح مراٹھا میجر اور فوجیوں کے ساتھ عمران کی کوٹھڑی میں ...... اس نے آتے ہی عمران سے کہا۔

''تمہارا آخری وقت آ گیا ہے...... لیکن اب بھی کچھ وقت ہے...... اگر تم مجھے یہ دو کہ تمہارے ساتھ اور کون کون تھا اور وہ لوگ انڈیمان میں یا بھارت میں کہاں پوش ہیں تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا اور تمہیں نسی کے تختے سے نیچے اتار لیا جائے گا''۔

اس کے جواب میں عمران نے کہا۔

''میں نے یہ سارا کام اکیلے ہی کیا ہے...... میرے ساتھ کوئی نہیں تھا''۔

مراٹھا میجر نے دو تین بار یہی سوال دہرایا...... عمران نے ہر بار وہی جواب دیا...... اٹھا میجر نے ایک فوجی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن اسے قلعے کی چھت پر لے چلو''۔

وہاں دو اور فوجی آ گئے...... یہ جو نئے فوجی آئے ان کی وردیاں نیلی تھیں اور رفورس کے جوان تھے...... عمران کو ہتھکڑی لگا دی گئی...... اسے کوٹھڑی سے باہر نکالا عمران پر نقاہت طاری تھی...... دو فوجیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا...... اسے قلعے کی ت پر لے جایا گیا...... چھت پر ایک طرف چھوٹا سا خیمہ لگا تھا جس کے آگے ایک اور دو کرسیاں پڑی تھیں...... خیمہ کے پاس آ کر عمران کو چھت کے فرش پر بٹھا دیا ...... مراٹھا میجر نے ایک فوجی سے کہا۔

''سکواڈرن لیڈر صاحب کو رپورٹ کرو کہ پاکستانی دہشت گرد آ گیا ہے''۔

سپاہی فوراً یس سر کہہ کر خیمے کے اندر چلا گیا...... تھوڑی ہی دیر بعد واپس آ کر بولا۔

"سر! سکویڈرن لیڈر صاحب آ رہے ہیں"۔

اتنے میں خیمے کے اندر سے ایک سانولے رنگ کا دبلا پتلا آدمی نکلا جو انڈ ایئر فورس کے سکویڈرن لیڈر کی وردی میں تھا...... عمران نے اسے پہلی نظر میں پہچان لیا...... یہ وہی انڈین پائلٹ رام گوپال تھا جس کے جہاز کو کارگل کے محاذ مجاہدین نے مار گرایا تھا اور اسے گرفتار کر لیا تھا اور بعد میں عمران نے اس کو اسلام بارے میں تھوڑی بہت تبلیغ کی تھی اور رام گوپال اسلامی تعلیمات اور کشمیری مجاہد کے سلوک سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے...... ا کے بعد دلی سے انڈین پائلٹ آفیسر کو خط ملا تھا کہ اس کی ماتا جی بڑی بیمار ہیں...... یہ اس نے کشمیری مجاہدین کو دکھایا تو انہوں نے اسے فوراً رہا کر کے ریڈ کراس کے ذر بھارتی سفارت خانے پہنچا دیا تھا...... پائلٹ رام گوپال مجاہدین کے سلوک سے بے متاثر ہوا تھا اور اس نے عمران کو بتا دیا تھا کہ وہ دل سے اسلام قبول کر چکا ہے...... ج رام گوپال کو ریڈ کراس کے حوالے کیا جا رہا تھا تو وہ عمران کے گلے لگ کر ملا تھا اور ا نے کہا تھا۔

"تم لوگوں نے میرے ساتھ جس ہمدردی کا سلوک کیا ہے...... میں اسے سا زندگی فراموش نہیں کر سکوں گا...... اگر کبھی زندگی میں میں تمہارے کام آ گیا تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا"۔

اب وہی پائلٹ رام گوپال سکویڈرن لیڈر کی وردی میں خیمے سے باہر نکلا تھا کو دیکھ کر تینوں چاروں فوجیوں نے اسے سلوٹ کیا تھا...... مراٹھا میجر نے عمران طرف اشارہ کر کے کہا۔

"سر! پاکستانی جاسوس کو لے آئے ہیں"۔

سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے عمران کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"اس نے اپنے ساتھیوں کے نام پتے نہیں بتائے؟"۔

میجر نے کہا۔

"نہیں سر! یہ کچھ نہیں بتاتا"۔

سکویڈرن لیڈر میز پر سے اخبار اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گیا اور اخبار پر نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اسے شوٹ کر کے قلعے کی فصیل سے نیچے گرا دو"۔

میجر نے بازو سے پکڑ کر عمران کو اوپر اٹھایا تو عمران نے سکویڈرن لیڈر رام گوپال سے کہا۔

"سر! جنیوا کنونشن کی رو سے آپ دشمن کے کسی قیدی کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک نہیں کر سکتے"۔

سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر عمران کو دیکھا...... وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ عمران پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک سا گیا...... اس نے عمران کو پہچان لیا تھا...... اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس نے عمران کو پہچان لیا ہے، مگر سکویڈرن لیڈر نے ظاہر نہ ہونے دیا...... چہرے کے تاثرات وہی رکھے اور مراٹھا میجر سے کہا۔

"میجر! اسے میرے پاس چھوڑ جاؤ...... میں خود اس سے آخری بار پوچھ گچھ کروں گا...... میں اسے جنیوا کنونشن کی رو سے ایک موقع اور دینا چاہتا ہوں"۔

مراٹھا میجر بولا۔

"یس سر!"۔

اس نے عمران کو وہیں بٹھا دیا اور اپنے ساتھی فوجیوں کو لیکر وہاں سے چل دیا...... اس کے جانے کے بعد سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے عمران کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا۔

"دوست! تم نے مجھ پر جو بہت بڑا احسان کیا تھا...... شاید اس کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے...... میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا...... کوئی سوال نہیں کروں گا اور

تمہیں یہاں سے فرار ہونے کا موقع فراہم کروں گا، لیکن میں یہ سب کچھ ضابطے کے اندر رہ کر کروں گا...... میں تمہارے احسان کو کبھی نہیں بھلا سکتا...... اگر تم اس وقت مجھے رہائی نہ دلواتے تو میری ماتاجی میرے غم میں مر جاتیں"۔

عمران نے کہا۔

"ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ میں تمہارے ساتھ رحم کا سلوک کروں"۔

رام گوپال بولا۔

"میں بھی ایک مسلمان ہی ہوں...... میں نے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے، لیکن کسی پر ظاہر نہیں کیا...... میں ظاہر کر بھی نہیں سکتا...... یہ میری مجبوری ہے...... میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں بھی تمہارے کسی کام آسکوں...... اب ایسا ہے کہ میں تم سے بظاہر سختی کا سلوک کروں گا، مجھے ایسا کرنا پڑے گا...... میں تمہاری ہتھکڑی کھول کر تمہیں یہ نہیں کہوں گا کہ عمران بھائی...... بھاگ جاؤ...... اب تم آزاد ہو...... میں خواہش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا...... البتہ میں تمہارے لئے ایسے حالات ایسا موقع پیدا کر دوں گا کہ تم فرار ہو سکو...... اب تم ایک کام کرو...... مجھے تین آدمیوں کے اسلامی نام بتاؤ"۔

اور سکواڈرن لیڈر رام گوپال نے کاپی بال پوائنٹ نکال کر سامنے رکھ لیا...... عمران نے اسے تین اسلامی نام لکھوا دیئے...... رام گوپال نے تینوں مردانہ نام کاپی پر لکھ لیے اور بولا۔

یہ فوجی لوگ تم سے پوچھیں تو تم یہی کہنا کہ میں نے موت کے خوف کی وجہ سے سکواڈرن لیڈر صاحب کو اپنے ساتھیوں کے نام بتا دیئے تھے...... یہ نام فرضی ہیں...... میں ان کے ایڈریس بھی فرضی لکھوں گا...... اس طرح سے ضابطے کی کارروائی کی ایک شق پوری ہو جائے گی...... ملٹری پولیس ان پتوں پر جا کر چھاپے مارے گی......

آدمی کہیں نہیں ملیں گے...... اس کی رپورٹ میرے پاس آئے گی اور میں اس پر نوٹ لکھ دوں گا کہ پاکستانی جاسوس نے جان بچانے کے لئے جھوٹے نام پتے لکھوا دیئے تھے...... اس لئے اس سے ایک بار پھر پوچھ گچھ کی جائے، لیکن اس دوران تم فرار ہو چکے ہو گے، اسی طرح زمین پر بیٹھے رہو"۔

میز کی ایک جانب کالے رنگ کا پرانی طرز کا ٹیلی فون پڑا تھا...... رام گوپال نے فون کا نمبر ملایا اور کسی سے کہا۔

"میجر کو اوپر بھیج دو...... پاکستانی جاسوس نے اپنے ساتھیوں کے نام اور ایڈریس بتا دیئے ہیں...... اوپر آ جاؤ"۔

تھوڑے وقفے کے بعد وہی مراٹھا میجر اور دونوں فوجی قلعے کی چھت پر آ گئے...... اس دوران سکواڈرن لیڈر رام گوپال نے فرضی مسلمانوں کے ناموں کے آگے دلی اور کلکتے کے فرضی ایڈریس لکھ رکھے تھے...... اس نے کاغذ کی لسٹ میجر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"میجر! اس کاغذ پر اس کے ساتھی دہشت گردوں کے نام اور پتے درج ہیں...... دو دہشت گرد بھوپال میں روپوش ہیں اور ایک دہشت گرد دلی میں ہے...... فوراً چھاپہ مار پارٹی تیار کر کے دلی میں روپوش پاکستانی دہشت گرد کو گرفتار کیا جائے اور دوسرے دو دہشت گردوں کے لئے تم خود پارٹی لے کر بھوپال جاؤ اور ان دہشت گردوں کے ایڈریس پر اچانک چھاپہ مار کر انہیں گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ...... میں حیران ہوں کہ تم کس طرح پوچھ گچھ کرتے ہو کہ کوئی مجرم تمہارے آگے اقبال جرم نہیں کرتا...... میں نے ایک منٹ کے اندر اندر اس سے تین دہشت گردوں کے نام اور پتے معلوم کر لئے ہیں"۔

میجر نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے سر آپ کے آرڈر پر فوری عمل ہو گا، لیکن سر اس پاکستانی دہشت گرد

کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"۔

رام گوپال نے کہا۔

"اسے واپس قلعے کے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دو...... یہ اس وقت تک تہہ خانے میں بند رہے گا جب تک کہ اس کے ساتھی گرفتار نہیں ہو جاتے...... اگر وہ گرفتار نہ ہوئے تو ہم سمجھ جائیں گے کہ اس نے جان بچانے کے لئے جھوٹ بولا ہے اور ہمیں فرضی نام پتے لکھوائے ہیں...... اس کے بعد اس پاکستانی دہشت گرد کو میں خود گولی سے اڑاؤں گا"۔

"یس سر"۔

میجر نے سپاہیوں سے کہا۔

"اسے نیچے لے جا کر بند کر دو"۔

عمران کو ہتھکڑی لگی ہوئی تھی...... انہوں نے اسے اٹھایا اور قلعے کے تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا...... عمران قدرت کے اس معجزے پر ابھی تک حیران تھا...... اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ قدرت نے نہ صرف اسے موت کے منہ سے بچا لیا ہے بلکہ اس کے لئے فرار کی راہ بھی ہموار کر دی ہے...... خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے عمران کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

مرہٹہ میجر نے اسی وقت ملٹری پولیس کو ساتھ لیا اور رام گوپال کے لکھے ہوئے فرضی ایڈریس کی تلاش شروع کر دی...... وہ تو بالکل فرضی ایڈریس تھا...... نام بھی فرضی تھا...... ملٹری پولیس کی پارٹی ایک گھنٹے کی دربدری کے بعد ناکام واپس قلعے میں آ گئی...... مرہٹہ میجر نے فوراً سکوڈرن لیڈر رام گوپال کو جا کر رپورٹ کی اور کہا کہ پاکستانی جاسوس نے اپنے دلی کے جس ساتھی کا نام اور ایڈریس بتایا تھا اس نام کا کوئی آدمی وہاں نہیں رہ رہا۔

"اور سر! یہ ایڈریس بھی غلط ملط ہے"۔

رام گوپال سکوڈرن لیڈر نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اس نے جھوٹ بولا ہے...... اس کو جھوٹ کا مزا چکھایا جائے گا، لیکن کارروائی پوری ہونی چاہئے...... تم فوراً ایک دوسری پارٹی ترتیب دو اور بھوپال چلے جاؤ...... قیدی نے بھوپال میں روپوش اپنے جن دو دہشت گردوں کے نام اور ایڈریس بتائے ہیں وہاں چھاپہ مار کر انہیں گرفتار کرو...... اگر اس نام کے کوئی آدمی وہاں پر نہ ہوں تو فوراً واپس آ کر رپورٹ کرو، تاکہ ایک سیکنڈ ضائع کئے بغیر میں اس پاکستانی جاسوس کو شوٹ کر سکوں"۔

"یس سر!"۔

مرہٹہ میجر نے اسی روز ملٹری پولیس کی ایک پارٹی کو ساتھ لیا اور بھوپال شہر کی طرف روانہ ہو گیا...... اسی شام سکوڈرن لیڈر رام گوپال نے ایک پائلٹ آفیسر کو ساتھ لیا اور قلعے کے تہہ خانے میں کمانڈو عمران کی کوٹھڑی میں آ گیا...... پائلٹ آفیسر کو اس نے بطور گواہ ساتھ لیا تھا...... رام گوپال نے کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی عمران کو دو تین ٹھڈے مارے اور کہا۔

"حرام خور...... تو نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی؟ تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تمہارے جھوٹ کا پول کھل جائے گا...... اپنے دلی کے ساتھی کا تم نے جو نام اور ایڈریس دیا تھا وہاں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے...... ایڈریس بھی تم نے غلط لکھوایا تھا...... اب غور سے سنو...... ہماری ایک فوجی پارٹی بھوپال جا چکی ہے...... تم نے اپنے جن دو ساتھیوں کے نام پتے لکھوائے تھے اور بتایا تھا کہ وہ بھوپال میں ان جگہوں پر روپوش ہیں...... اگر وہاں بھی یہ دونوں دہشت گرد نہ ملے تو پھر میں تمہیں قلعے کی فصیل کے اوپر لے جا کر خود شوٹ کروں گا...... لیکن"۔

رام گوپال رک گیا...... پھر بولا۔

"لیکن میں تمہیں ایک آخری موقع دینا چاہتا ہوں...... اب بھی اگر تم اپنے

ساتھیوں کے صحیح صحیح نام اور ان کے ایڈریس بتادو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے..... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ہم نے تمہارے ساتھی گرفتار کر لئے تو پھر تمہیں ہم آزاد کر دیں گے"۔

عمران بولا

"میں نے سب نام پتے صحیح بتائے تھے..... اس کے سوا میں کچھ نہیں کہنا چاہتا"۔

عمران سمجھ گیا تھا کہ سکویڈرن لیڈر رام گوپال اپنی سکیم کے تحت اسے کوئی خاص بات کہنے آیا ہے..... کیونکہ یہ ساری سکیم اس کی تھی..... اس نے فرضی نام لکھے تھے اور اسی نے دہشت گردوں کے فرضی ایڈریس لکھے تھے..... رام گوپال نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم علیحدگی میں مجھے اپنے ساتھیوں کے نام پتے بتانا چاہتے ہو تو میں اپنے آفیسر کو باہر بھیج دیتا ہوں"۔

اس نے اپنے پائلٹ آفیسر سے کہا۔

"مسٹر منوہر لعل! تم تھوڑی دیر کے لئے باہر چلے جاؤ..... ہو سکتا ہے یہ ذلیل قیدی مجھے علیحدگی میں اپنے ساتھیوں کے نام بتادے"۔

"یس سر!"۔

اتنا کہہ کر پائلٹ آفیسر کوٹھڑی سے نکل گیا..... اس کے جاتے ہی سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے دھیمی آواز میں کمانڈو عمران سے کہا۔

"میں تمہیں اس کوٹھڑی کے تالے کی ڈپلی کیٹ چابی دیئے جا رہا ہوں..... جب ہم یہاں سے نکل جائیں تو تم سلاخوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر تالا کھول کر نکل جانا..... اس قلعے کی ایک خفیہ سرنگ ہے..... تم کوٹھڑی سے نکلنے کے بعد اوپر سیڑھیاں چڑھنے کے بجائے راہ داری میں بائیں جانب مڑ جانا..... اس راہ داری کے آگے سیڑھیاں ہیں جو نیچے سرنگ میں اترتی ہیں..... یہ سرنگ لال قلعے کے پچھواڑے میدان میں جا نکلتی ہے..... بس میں تمہارے لئے اتنا ہی کر سکتا ہوں"۔

اس کے بعد سکویڈرن لیڈر رام گوپال نے جیب سے چابی نکال کر عمران کو دے دی اور پائلٹ آفیسر کو آواز دی..... پائلٹ آفیسر منوہر لعل اندر آ گیا..... سکویڈرن لیڈر نے اس کے سامنے عمران کو برا بھلا کہا..... دو تین ٹھڈے بھی مارے اور کہا۔

"بھوپال والے تمہارے ساتھی بھی فرضی نکلے تو کل صبح میں خود آکر تمہیں گولی سے اڑا دوں گا"۔

اور سکویڈرن لیڈر رام گوپال اپنے پائلٹ آفیسر کے ساتھ کوٹھڑی سے نکل گیا..... باہر سے اس نے سلاخوں والے دروازے پر تالا لگا دیا اور دونوں چلے گئے..... کمانڈو عمران نے اٹھ کر تالے کا جائزہ لیا..... اس کوٹھڑی کا ایک ہی کیواڑ تھا جو بڑے مضبوط اور لوہے کی موٹی سلاخوں کا جنگلا تھا..... اس کا تالا دیوار میں لگتا تھا..... سلاخوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا کہ اس کا ہاتھ باہر نکل سکتا تھا..... عمران نے ہاتھ باہر نکال کر تالے پر پھیرا..... اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ تالے کو چابی لگا سکتا ہے..... یہ کام اس نے رات کے وقت جب اندھیرا ہو جائے تو کرنا تھا..... وہ رات کا انتظار کرنے لگا..... وہاں نہ کوئی روشن دان تھا نہ کہیں سے دن کی روشنی ہی اندر آتی تھی کہ جس سے عمران کو سورج غروب ہونے اور رات کے چھا جانے کا علم ہو سکتا..... اسے اتنا معلوم تھا کہ رات کے وقت ایک آدمی اس کے لئے دال اور روٹی لے کر آتا ہے۔

وہ چپ چاپ بیٹھا اللہ کی قدرت پر حیران ہوتا اور خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے غیب سے اس کے فرار کا انتظام کر دیا تھا..... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس بھارتی پائلٹ کو اس نے قید سے رہائی دلوائی تھی وہ اس طرح اسے اچانک مل جائے گا اور اس کے فرار کی راہ ہموار کر دے گا..... سچ ہے اللہ جب مہربان ہوتا ہے تو غیب سے مدد کے سامان مہیا کر دیتا ہے..... اب وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا..... آخر وہ آدمی عمران کے لئے دال اور دو روٹیاں لے کر آ گیا، جو رات کے وقت آیا کرتا تھا..... جب وہ دال روٹی سلاخوں کے نیچے سے اندر رکھ کر چلا گیا تو عمران ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا.....

اس کی کوٹھڑی میں کوئی بلب نہیں لگا ہوا تھا...... راہ داری میں ایک دھیمی روشنی والا لیمپ روشن تھا جس کی روشنی سلاخوں میں سے ہوتی ہوئی کوٹھڑی میں آ رہی تھی۔ عمران نے جیب سے چابی نکالی اور تالے کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے کان لگا کر سنا کہ باہر سے آدمیوں کے بولنے کی آواز تو نہیں آ رہی...... ایسا نہیں تھا...... باہر اور اندر ہر طرف گہری خاموشی طاری تھی۔

عمران نے اللہ کا نام لے کر چابی والا ہاتھ سلاخوں کے چوکور سوراخ میں سے باہر نکالا اور تالے کے قریب لے جا کر چابی تالے میں ڈالنے کی کوشش شروع کر دی...... تین چار بار کوشش کرنے کے بعد وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو گیا...... اس نے تالا سلاخ سے الگ کر دیا اور کوٹھڑی کے کیواڑ کو باہر کی طرف دھکیلا...... وہ کھل گیا...... عمران دبے پاؤں کوٹھڑی سے نکلا اور سامنے اوپر کو جاتی سیڑھیاں چڑھنے کی بجائے اپنی بائیں جانب ہو گیا...... راہ داری میں چلتے چلتے آگے زینہ نیچے جاتا دکھائی دیا...... سکویڈرن لیڈر رام گوپال کی ہدایت کے مطابق خاموشی سے آگے جا کر بائیں جانب مڑ گیا...... آگے زینہ نیچے جاتا تھا...... عمران زینہ اتر کر سرنگ میں داخل ہو گیا...... سرنگ میں کالا سیاہ اندھیرا چھایا ہوا تھا...... وہ دیوار کا سہارا لے کر سرنگ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا گیا...... سرنگ کبھی بائیں جانب مڑ جاتی اور کبھی دائیں جانب مڑ جاتی...... ایک جگہ سرنگ کی چڑھائی آ گئی...... بیس پچیس قدم چلنے کے بعد سرنگ ہموار ہو گئی...... یہاں پہنچ کر پہلی بار عمران کو ہوا میں تازگی اور گھاس پتوں کی مہک سی محسوس ہوئی...... پھر سامنے سے تازہ ہوا کے ایک دو جھونکے آ گئے۔

عمران سمجھ گیا کہ سرنگ ختم ہونے والی ہے۔

کچھ دیر کے بعد دور سرنگ میں دھیمی دھیمی روشنی کا غبار سا دکھائی دیا...... یہ سرنگ کا وہ دہانہ تھا جو قلعے کے عقب میں جھاڑیوں کے درمیان نکلتا تھا...... عمران سرنگ سے نکل کر جھاڑیوں کو سامنے سے ہٹاتا باہر آ گیا...... اس نے دیکھا کہ وہ قلعے

کے عقبی میدان مین کھڑا ہے اور دائیں بائیں اور سامنے دلی شہر کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں...... اس کے پیچھے قلعے کی دیو ہیکل دیوار تھی جو اندھیرے میں ایک پہاڑ کی ڈھال بنی ہوئی تھی...... عمران نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا...... اس کی جیب خالی تھی...... وہ میدان عبور کر کے سڑک پر نکل آیا...... سڑک پر کسی کسی وقت کوئی گاڑی وغیرہ گزر جاتی تھی...... عمران نے سمت کا اندازہ لگایا...... پھر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ پرانی دلی کے کس علاقے میں آ گیا ہے...... صرف یہ اسے تسلی اور اطمینان تھا کہ چاندنی چوک لال قلعے کے قریب ہی ہے اور اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا...... حاجی صاحب کا ہوٹل چاندنی چوک میں ہی تھا۔

وہ قلعے کی فصیل کے جنوب مشرق کی طرف ہو گیا اور چلتا رہا...... کچھ دیر کے بعد اسے اپنی دائیں طرف دلی کی جامع مسجد کے میناروں کی روشنی نظر آ گئی...... اس روشنی نے اسے راستہ بتا دیا...... دشمن کی اذیتیں برداشت کرتے کرتے اس پر کسی حد تک نقاہت ضرور طاری تھی، مگر اس کا جذبہ اور عزم بلند تھا اور یہی جذبہ اسے ایک شیر کی طرح زندہ رکھے ہوئے تھے...... آخر وہ چاندنی چوک میں پہنچ گیا...... رات زیادہ نہیں گزری تھی...... چاندنی چوک میں خوب چہل پہل تھی...... عمران کا کرتہ پاجامہ بوسیدہ حالت میں تھا...... وہ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا ہوا حاجی صاحب کے ہوٹل کے سامنے آ گیا...... ہوٹل میں گاہک بیٹھے رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے...... اکاؤنٹ پر حاجی صاحب خود بیٹھے تھے۔

عمران خاموشی سے ہوٹل میں داخل ہوا اور اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھا...... زینے میں جا کر وہ رک گیا اور ایک نظر حاجی صاحب کو دیکھا...... حاجی صاحب نے بھی عمران کو دیکھ لیا تھا اور اس کو دیکھتے ہی وہ بے چین سے ہو کر کاؤنٹر سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے...... عمران زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے کے بند دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اتنے میں حاجی صاحب بھی اوپر آ گئے......

انہوں نے آتے ہی عمران کو دیکھ کر کہا۔

"کیا بات ہوئی؟"۔

عمران نے آہستہ سے کہا۔

"پہلے کمرہ کھولیں"۔

حاجی صاحب نے چابی لگا کر کمرہ کھول دیا...... عمران جلدی سے کمرے میں داخل ہوا اور پلنگ پر بیٹھ گیا...... حاجی صاحب بھی اندر آ گئے اور انہوں نے بتی روشن کر دی اور دروازہ بند کر دیا...... حاجی صاحب عمران کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔

"جبران کہاں ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"وہ کشمیر کے محاذ پر پہنچ گیا ہو گا...... میں سٹیشن پر ہی پکڑا گیا تھا اور لال قلعے سے فرار ہو کر آ رہا ہوں"۔

حاجی صاحب عمران کے سامنے بیٹھ گئے۔

"تمہاری آنکھ سوجھی ہوئی ہے"۔

"مجھے وحشیانہ اذیت کا نشانہ بنایا گیا، مگر میں ثابت قدم رہا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا"۔

اس کے بعد عمران نے مختصر الفاظ میں اپنی ساری داستان بیان کر دی...... حاجی صاحب تعجب کے ساتھ سنتے رہے...... کہنے لگے۔

"سکویڈرن لیڈر رام گوپال کا ملنا قدرت کا ایک معجزہ تھا"۔

عمران نے کہا۔

"اگر وہ نہ ملتا تو میں اس وقت آپ کے سامنے نہ بیٹھا ہوتا اور بہت ممکن ہے کل مجھے شوٹ کر دیا جاتا، کیونکہ میں نے تھرڈ ڈگری ٹارچر کے باوجود اپنے کسی ساتھی کا نام اور پتہ نہیں بتایا تھا"۔

حاجی صاحب بولے۔

"تم منہ ہاتھ دھو لو...... میں تمہارے لئے کھانے کو لاتا ہوں"۔

حاجی صاحب تیزی سے باہر نکل گئے...... عمران نے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... بال ٹھیک کئے اور صوفے پر آ کر بیٹھ گیا...... حاجی صاحب خود عمران کے لئے کھانا لے کر آ گئے...... انہوں نے عمران کو گرم گرم سوپ پلایا...... تھوڑی سی مرغ بریانی کھلائی...... اس کے بعد عمران نے چائے پی تو اس کے جسم کی کھوئی ہوئی توانائی کافی حد تک واپس آ گئی...... حاجی صاحب بولے...... "اب تم سو جاؤ...... کل صبح بات ہو گی"۔

عمران اسی حالت میں پلنگ پر لیٹ گیا...... تھوڑی دیر بعد ہی وہ گہری نیند سو رہا تھا...... دوسرے دن اس کی جاگ کھلی تو اس نے کارنس پر رکھے کلاک کی طرف دیکھا...... دن کے دس بج رہے تھے...... عمران نے اٹھ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شیو بنا ڈالی...... غسل کیا اور تازہ دم ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا...... اتنے میں حاجی صاحب بھی آ گئے...... ان کے ہاتھ میں بڑا سا لفافہ تھا...... کہنے لگے۔

"پرانے کپڑے اتار کر یہ کپڑے پہن لو"۔

حاجی صاحب عمران کے لئے ایک ریڈی میڈ پتلون اور قمیض لائے تھے...... کہنے لگے۔

"میں تمہیں باہر نکلنے کی اجازت نہیں دوں گا...... مجھے اپنے پاؤں کا ناپ دے دینا میں تمہارے لئے نئے جوگر شوز بھی لے آؤں گا...... اب ناشتہ کر لو"۔

ہوٹل کا بوڑھا ملازم ناشتہ لے کر آ گیا...... عمران نے ناشتہ کیا...... اس کے بعد حاجی صاحب اس کے پاؤں کا ناپ لے کر چلے گئے...... ایک گھنٹے بعد واپس آئے تو ان کے نئے جوگر شوز ان کے پاس تھے...... عمران نے شوز پہن لئے...... پتلون وہ پہلے ہی پہن چکا تھا...... حاجی صاحب اس کے پاس بیٹھ گئے اور بولے۔

"تم لال قلعے سے فرار ہوئے ہو اور یہ سارا علاقہ لال قلعے کا ہی علاقہ ہے۔ اس اعتبار سے پولیس نے اور سی آئی ڈی نے خاص طور پر اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہوگا، چنانچہ میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ کم از کم تین دن تک تم باہر مت نکلنا...... اس کے بعد جیسے حالات ہوں گے اس کے مطابق عمل کریں گے...... میں ایک ایک منٹ کی رپورٹ لیتا رہوں گا...... میرے آدمی مجھے صورت حال سے باخبر رکھیں گے"۔

ہوٹل کے اس چھوٹے سے کمرے میں روپوش ہوئے کمانڈو عمران کو دو دن گزرے تھے کہ شام کے وقت حاجی صاحب آ گئے...... کمرے کی بتی روشن تھی...... وہ عمران کے قریب ہو کر بیٹھ گئے اور جیب میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر عمران کو دکھایا اور بولے۔

"اسے پڑھو"۔

عمران نے کہا۔

"اس میں پڑھنے والی کون سی بات ہے...... یہ تو کسی نے آپ کے نام خط لکھا ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"میں جانتا ہوں...... تم اسے پڑھو...... اور مجھے بھی سناؤ"۔

کمانڈو عمران ذرا اونچی آواز میں خط پڑھنے لگا...... لکھا تھا۔

"محترمی حاجی صاحب!

پرسوں میرے بیٹے کے ولیمے کی دعوت ہے...... میں چاہتا ہوں کہ ولیمے پر آپ کے ہوٹل کی طرف سے مہمانوں کے کھانے پینے کا اہتمام ہو...... برائے مہربانی اپنے ریٹ مندرجہ ذیل پتے پر ہمیں لکھ بھیجیں۔ شکریہ!

احسان الٰہی ٹھیکیدار

بازار سیتا رام دلی"

کمانڈو عمران نے خط سنا کر کہا۔

"یہ آپ مجھ سے کیوں پڑھا رہے ہیں...... اس میں تو کسی ٹھیکیدار نے آپ کے ہوٹل کے ریٹ مانگے ہیں"۔

حاجی صاحب نے خط اپنے ہاتھ میں لے لیا اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اس خط میں جو تحریر لکھی ہوئی ہے اس کا اصل مفہوم کچھ اور نکلتا ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں"۔

حاجی صاحب بولے۔

"جب تک میں نہیں سمجھاؤں گا تم سمجھو گے بھی نہیں"۔

اس کے بعد حاجی صاحب بولے۔

"یہ خط کوڈ الفاظ میں لکھا گیا ہے...... اس کی تحریر کچھ اور ہے مگر اس کا مطلب کچھ اور ہے...... یہ ایک خفیہ پیغام ہے جو میرے نام آیا ہے اور جسے بھارت میں تعینات ہمارے سب سے بڑے جاسوس باس نے بھیجا ہے...... اس کے اصل نام سے کوئی بھی واقف نہیں اور اس کو ہم میں سے کسی نے آج تک دیکھا بھی نہیں...... سب اسے مسٹر ایکس کے لقب سے یاد کرتے ہیں...... ہمارا باس مسٹر ایکس صرف ان حالات میں ہم سے رابطہ پیدا کرتا ہے جب اس نے ہم سے کوئی بڑا اہم کام لینا ہوتا ہے...... اب سنو...... میں تمہیں اس خط کے خفیہ الفاظ کو کھول کر خط کا اصلی مطلب بتاتا ہوں...... اس خط میں لکھا ہے...... دلی میں حکومت کے سب سے بڑے خفیہ ادارے ایف بی آئی کا نیا سربراہ آیا ہے جس کا نام جنرل کرشنم چاری ہے...... یہ شخص مدراس کا رہنے والا ہے اور مدراسی جلاد کے نام سے مشہور ہے...... یہ شخص دلی میں ہم لوگوں کے خلاف ایک بڑی خونی قسم کی مہم شروع کرنے والا ہے...... اس مہم میں ہمارے سارے آدمیوں کو گرفتار کر کے انہیں فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑے کر کے شوٹ کر دیا

جائے گا...... اس آدمی کو قتل کرنا بہت ضروری ہے...... یہ شخص نئی دلی کی لودھی سٹریٹ والے اپنے بنگلے سے روزانہ صبح نو بجے راج بھون اپنے ہیڈ آفس میں جانے کے لئے نکلتا ہے...... باقی باتیں للّی بتائے گی...... للّی سے رابطہ کرو۔

فقط! مسٹر ایکس

حاجی صاحب نے خط میز پر رکھ دیا اور کہنے لگے۔

"اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ جس خط کو تم ایک معمولی کاروباری خط سمجھ رہے تھے وہ ہمارے لئے کتنی زبردست اہمیت کا حامل ہے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"یہ للّی کون ہے؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ للّی کون ہے...... للّی ہمارے زمین دوز گروپ کی سب سے زیادہ بہادر اور دلیر لڑکی ہے"۔

حاجی صاحب کہنے لگے۔

"اس نے آج تک اپنے مذہب کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا...... سب اسے للّی کے نام سے جانتے ہیں...... للّی اپنے ماں باپ، اپنے خاوند اور دو بچوں کے ساتھ مدراس میں رہتی تھی...... اس کا خاوند سرکاری ملازم تھا اور مسلمانوں اور پاکستان کے لئے اس کے دل میں محبت کا جذبہ تھا...... اتفاق سے اس کے سرکاری آفس میں ایک سازش کا انکشاف ہوا جس کے سلسلے میں للّی کے خاوند پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ بھارتی حکومت کے خلاف یہ سازش اسی نے تیار کی تھی...... اسے گرفتار کر لیا گیا...... کرشنم چاری جو اب ایف بی آئی کا ہیڈ بن کر نئی دلی آیا ہے، اس وقت سرکاری ایجنسی کا ہیڈ تھا...... اس کے حکم سے للّی کے خاوند، اس کے ماں باپ اور اس کے دونوں بچوں کو پاکستان سے محبت کے جذبات رکھنے اور انڈیا کے خلاف سازش کا جال بچھانے کے

الزام میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا...... وہ للّی کو بھی قتل کروانا چاہتا تھا لیکن وہ موقع پر فرار ہو گئی...... اس کے بعد سے للّی ہمارے گروپ میں شامل ہو گئی اور عہد کر لیا کہ جب تک وہ کرشنم چاری کو قتل کر کے اپنے ماں باپ، خاوند اور بچوں کے قتل کا بدلہ نہیں لے گی چین سے نہیں بیٹھے گی، چنانچہ اسی وجہ سے ہمارے مسٹر ایکس نے تمہیں للّی سے ملنے کو کہا ہے"۔

کمانڈو عمران نے پوچھا۔

"مس للّی کہاں ملے گی؟"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اس سلسلے میں مجھے آج رات کو باس مسٹر ایکس کی طرف سے کوئی نہ کوئی سگنل ضرور مل جائے گا...... اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہ سارا منصوبہ ایف بی آئی کے نئے سربراہ کرشنم چاری کو قتل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے...... اگر اسے قتل نہ کیا گیا تو وہ تمام کشمیری مجاہدوں کے لئے زیر زمین کام کرنے والے ہمارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا...... ایک اطلاع کے مطابق کرشنم چاری کو ہمارے زیر زمین کام کرنے والے سرفروشوں کے ٹھکانے کا تھوڑا بہت سراغ مل چکا ہے...... اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس جلاد کا قتل کیا جانا کس قدر ضروری ہے...... اس آپریشن میں للّی بھی تمہارے ساتھ ہو گی...... للّی تربیت یافتہ کمانڈو ہے...... اس نے ایک پرتگالی انسٹرکٹر سے ٹریننگ لی ہوئی ہے اور ایک جانباز عورت ہونے کے علاوہ پاکستان اور کشمیری مجاہدین کی خاطر اپنی جان قربان کرنے اور دشمن کی جان لینے کا زبردست جذبہ رکھتی ہے...... دوسری بات یہ ہے کہ اس آپریشن میں تمہارے ساتھی کمانڈو جبران کا بھی تمہارے ساتھ ہونا ضروری ہے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"مگر وہ تو کشمیر کے محاذ پر ہے"۔

حاجی صاحب بولے۔

"اسے وہاں اطلاع مل چکی ہے اور وہ کل تک ہمارے پاس پہنچ جائے گا"۔

چنانچہ دوسرے روز کمانڈو جبران بھی عمران کے ساتھ آ ملا...... حاجی صاحب نے اسے بھی اس نئے مشن کے بارے میں پوری طرح سے آگاہ کر دیا...... گزشتہ حاجی صاحب کو یہ خفیہ سگنل بھی مل گیا تھا کہ جانباز للّی سے کہاں رابطہ کیا جا ہے...... حاجی صاحب رات کے کھانے کے بعد کمانڈو جبران اور عمران کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ للّی سے کہاں اور کس جگہ رابطہ کیا جا سکتا ہے...... کہنے لگے۔

"للّی اگرچہ بھارت کے خلاف زمین دوز کام کرنے والی دہشت گرد ہے مگر اس کے پاس کافی دولت ہے جو اس نے اپنے ماں باپ اور خاوند کی جائیداد خفیہ طور پر بیچ کر حاصل کی تھی...... اس نے پلاسٹک سرجری سے اپنی شکل میں بھی کافی تبدیلی پیدا کر لی ہے پہچانی نہ جا سکے...... وہ مس جوزی کے نام سے دلی میں ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار ہے...... صرف ہمارے گروپ کے لوگ اسے مس للّی کے نام سے جانتے ہیں"۔

اس کے بعد حاجی صاحب نے عمران اور جبران کو للّی کے بارے میں بتایا انہیں کس جگہ مل سکتی ہے اور وہ اسے کس جگہ ملیں گے...... مصلحت کی وجہ سے مس للّی کے آفس اور اس کی رہائش گاہ یہاں ظاہر نہیں کریں گے، کیونکہ پاکستان کشمیری مجاہدین کے لئے سر فروشانہ جذبے کے ساتھ بھارت کے خلاف کام کر والی یہ دلیر اور جانباز عورت آج بھی بھارت کے کسی شہر میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف ہے...... ہم آپ کو صرف اتنا بتائیں گے کہ عمران اور جبران کو دلی کے ایک علاقے میں جا کر اس کے فلیٹ پر ملے۔

للّی نے کمانڈو عمران اور کمانڈو جبران کو پہلے سے نہیں دیکھا ہوا تھا...... خفیہ کوڈ الفاظ نے ان کا آپس میں تعارف کرایا اور ایک دوسرے کی شناخت کرائی جب للّی کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ کمانڈو ہیں جن سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے اسے

ہدایات ملی ہیں اور دوسری طرف جب عمران اور جبران کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ للّی ہی ہے جس سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے انہیں کہا گیا ہے تو وہ تینوں ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ گئے...... کمرہ بڑی سادگی سے سجا ہوا تھا...... عمران نے دیکھا للّی تیس بتیس سال کی ایک خوش شکل عورت تھی...... آنکھوں میں خاص طور پر ذہانت کی چمک تھی...... اس نے ہلکے عنابی رنگ کی پتلون اور سفید قمیض پہنی ہوئی تھی...... بال شانوں تک کٹے ہوئے تھے...... وہ سگریٹ بھی پی رہی تھی...... اس نے خود چائے بناتے ہوئے عمران سے کہا۔

"یہ مشن میری زندگی کا ایک بڑا اہم مشن ہے"۔

میں نے ہمیشہ اس مشن کا خواب دیکھا ہے، مگر میرا یہ خواب کبھی حقیقت کی شکل اختیار نہیں کر سکا تھا...... ایف بی آئی کا نیا سربراہ مسٹر کرشنم چاری میرے ماں باپ، میرے خاوند اور میرے دو بچوں کا قاتل ہے...... میں نے ہمیشہ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے بارے میں سوچا مگر میں اکیلی یہ کام نہیں کر سکتی تھی اور مجھے اپنے باس مسٹر ایکس کی طرف سے اس کی اجازت بھی نہیں مل رہی تھی...... اب یہ قاتل ایف بی آئی کا چیف بن کر دلی آیا ہے تو مجھے آپ کے ساتھ مل کر اسے قتل کر دینے کی ہدایات ملی ہیں، کیونکہ یہ شخص زیر زمین کام کرنے والے کشمیری مجاہدین کے خلاف ایک فوجی مہم شروع کرنے والا ہے...... میں بہت خوش ہوں کہ مجھے اپنے خاندان کے قاتل کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع میسر آیا ہے"۔

کمانڈو عمران نے للّی سے کہا۔

"اس کام کے لئے ہمیں بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بندی کرنی ہو گی"۔

"بغیر منصوبہ بندی کے میں نے آج تک کوئی کام نہیں کیا...... للّی نے جواب دیا"...... کمانڈو جبران نے کہا۔

"مس للّی! ایف بی آئی بھارت کی سب سے بڑی خفیہ ایجنسی ہے...... ان لوگوں

کے پاس ہر قسم کے متعلقہ افراد کا ریکارڈ مع ان کی فوٹو کے موجود ہے...... کہیں یہ لوگ
تمہیں پہچان تو نہیں لیں گے ؟''۔

للّی نے کہا۔

''میں نے آج سے دو سال پہلے اپنی پلاسٹک سرجری کروالی تھی...... میرا چہرہ
بالکل بدل گیا ہے...... میں تمہیں اپنی پلاسٹک سرجری سے پہلے کی تصویر دکھاتی
ہوں...... اس سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں کتنی بدل چکی ہوں''۔

للّی نے ایک الماری میں سے ایک فوٹو نکال کر عمران اور جبران کو دکھائی
دونوں نے دیکھا کہ پہلے والی للّی اور وہ للّی جو ان کے سامنے بیٹھی تھی دونوں کی شکل
میں زمین آسمان کا فرق تھا...... للّی نے کہا۔

''کیا اب بھی تم سمجھتے ہو کہ مجھے کوئی پہچان سکے گا...... اگر ایسی بات ہوتی تو مجھے
بہت پہلے پولیس نے پہچان کر گرفتار کر لیا ہوتا...... کرشنم چاری کی خفیہ انٹیلی جنس
سال سے میری تلاش میں ہے...... اگر میری پہلے والی شکل قائم ہوتی تو میں اس وقت
تمہارے سامنے نہ بیٹھی ہوتی بلکہ قاتل کرشنم چاری کے آدمی مجھے گولیوں سے چھلنی
کر چکے ہوتے...... جبکہ اب صورت حال یہ ہے کہ ایف بی آئی کے کئی ذمے دار
شام کو میرے ساتھ کلب میں ڈانس کرتے ہیں اور مجھے اپنے دام حرص و ہوس میں
پھنسانے کی ناکام کوششوں میں لگے رہتے ہیں''۔

کمانڈو عمران نے چائے کا گھونٹ بھرنے کے بعد کہا۔

''اب ہمیں اپنے نئے مشن کے بارے میں بھی کچھ ضروری باتیں کرنی
چاہئیں...... سب سے پہلے ہمیں یہ مشاہدہ کرنا ہو گا کہ صبح نو بجے جب ایف بی آئی
چیف کرشنم چاری اپنے بنگلے سے دفتر جانے کے لئے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ سیکورٹی
کا کیا انتظام ہوتا ہے اور اس کی گاڑی کہاں کہاں سے گزرتی ہے''۔

للّی نے کہا۔

''اس کی پوری رپورٹ میرے پاس موجود ہے...... اس جلاد کی گاڑی کے ساتھ
ایک کھلی جیپ ہوتی ہے جس میں چار مسلح باڈی گارڈ سوار ہوتے ہیں اور یہ جیپ اس کی
گاڑی کے پیچھے پیچھے چلتی ہے...... باڈی گارڈز کے پاس چھوٹی مشین گنیں ہوتی ہیں،
جس گاڑی میں کرشنم چاری سوار ہوتا ہے اس میں بھی ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر
ایک مسلح باڈی گارڈ بیٹھا ہوتا ہے...... بس اس کے علاوہ سیکورٹی کا اور کوئی انتظام نہیں
ہوتا، جہاں سے اس کی گاڑی گزرتی ہے وہاں کوئی سیکورٹی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ شخص
ایف بی آئی کا سربراہ ہی ہے کوئی وزیر وغیرہ نہیں ہے''۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

''پھر بھی وہ سڑک دیکھنی بہت ضروری ہے جہاں سے اس کی گاڑی گزرتی ہے''۔

للّی کہنے لگی۔

''کرشنم چاری کا سرکاری بنگلہ نئی دہلی کی لودھی روڈ پر ہے...... وہاں سے اس کا
دفتر زیادہ دور نہیں ہے...... راستے میں صرف ایک چوک آتا ہے جہاں ٹریفک سگنل لگا
ہوا ہے...... ہمیں جو کچھ کرنا ہے اسی چوک میں کرنا ہو گا اور اس وقت کرنا ہو گا جب اس
جلاد کی گاڑی سرخ بتی کے اشارے پر چوک میں رکی ہوئی ہو گی''۔

عمران نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اتنے اہم مشن کا سارا دارومدار محض ایک اتفاق پر
ہے...... یعنی اگر اتفاق سے اس وقت سگنل کی بتی سرخ ہو جائے گی تو ہم ایکشن شروع
کر سکیں گے...... اگر اتفاق سے اس وقت جبکہ کرشنم چاری کی گاڑی گزر رہی ہو گی تو
سگنل کی بتی سرخ نہ ہوئی بلکہ سبز ہوئی تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے، کیونکہ اس کی گاڑی
تو چوک میں سے گزر جائے گی''۔

للّی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایک لحاظ سے تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے اس

اتفاق کا علم نہیں تھا؟ مجھے علم تھا اور میں نے بڑا سوچ سمجھ کر کشمیری مجاہدین اور پاکستان کے اس دشمن کو جہنم میں پہنچانے کا منصوبہ تیار کیا ہے“۔

کمانڈر جبران نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مس للّی لیکن سگنل کے اشارے کا آپ کیا کریں گی...... وہ تو آپ کے کنٹرول میں نہیں ہوگا...... آپ ہرگز ہرگز یہ بات دعویٰ سے نہیں کہہ سکتیں کہ جب مسٹر کرشنم چاری کی گاڑی چوک میں سے گزرنے والی ہوگی تو سگنل کی بتی سرخ ہی ہوگی“۔

للّی نے کہا۔

”اس وقت یقینی طور پر سگنل کی بتی سرخ ہی ہوگی“۔

”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟“ عمران نے سوال کیا۔

للّی اٹھ کر الماری کی طرف گئی...... الماری میں سے چھوٹی ڈبی کے سائز کا ایک ریموٹ کنٹرول نکال کر لائی اور اسے دکھاتے ہوئے بولی۔

”یہ وہ ریموٹ کنٹرول ہے جو سگنل کی بتی کو اپنی مرضی کے مطابق سرخ سے سبز اور سبز سے سرخ کر سکتا ہے...... یہ ریموٹ کنٹرول، میرے پاس ہوگا...... میں چوک میں ایک طرف فٹ پاتھ پر معذور عورت کے بھیس میں وہیل چیئر یعنی پہیوں والی کرسی پر بیٹھی ہوں گی...... میرے گھٹنوں کے اوپر کمبل پڑا ہوگا...... اس کمبل کے نیچے میرے ہاتھ میں سٹین گن بھی ہوگی اور یہ ریموٹ کنٹرول بھی ہوگا...... جب دور سے مسٹر کرشنم چاری کی گاڑی آئے گی تو میں الرٹ ہو جاؤں گی...... اگر اس وقت سگنل کی بتی سرخ ہوئی تو مجھے ریموٹ کنٹرول استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، کیونکہ چیف کی گاڑی اپنے آپ رک جائے گی...... اگر اتفاق سے اس وقت سگنل کی بتی سبز ہوئی تو میں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے فوراً اسے سرخ بتی میں تبدیلی کر دوں گی اور چیف کی گاڑی اپنے آپ چوک میں آ کر رک جائے گی...... اس کے بعد ہم جس قسم کا

پلان بنائیں گے اس کے مطابق ہمارا کمانڈو آپریشن شروع ہو جائے گا...... ایک بات کا ہمیں خاص طور پر انتظام کرنا ہوگا کہ مسٹر کرشنم چاری ہمارے حملے سے بچ کر نہ نکلنے پائے...... اسے ہر حالت میں ہمیں قتل کرنا ہوگا...... خواہ ایسا کرتے ہوئے ہم خود کیوں نہ مارے جائیں...... کیا آپ لوگ اس کے لئے تیار ہیں؟“۔

کمانڈو عمران بولا۔

”اگر ہم تیار نہ ہوتے تو تمہارے پاس ہرگز نہ آتے...... ہماری زندگی کا مقصد صرف پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے دشمنوں کو ہر حالت میں ختم کرنا ہے، خواہ اس میں ہمیں اپنی جان کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے“۔

للّی نے کہا۔

”تمہارا یہ جذبہ قابل قدر ہے...... تم پاکستانی ہو...... میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پاکستان ایک بہادر قوم ہے...... غیرت مند قوم ہے اور اس ملک کا بچہ بچہ اپنے وطن کی حفاظت اور دفاع کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا“۔

کمانڈو جبران نے کہا۔

”میرا خیال ہے ہمیں موقع پر جا کر اپنے مشن کی تفصیلات کو طے کرنا ہوگا اور یہ پلان بنانا ہوگا کہ کون کس مقام پر کھڑا ہوگا اور کون کس جگہ چھپا ہوا ہوگا...... ہمیں کچھ اس طرح منصوبہ بندی کرنی ہوگی کہ اگر مسٹر کرشنم چاری ہم میں سے کسی کی گولی سے بچ جائے تو دوسرے کی فائرنگ کی زد میں آ جائے...... اگر دوسرے کی فائرنگ سے بھی وہ بچ نکلے تو تیسرے کی گولیوں کی بوچھاڑیں اسے ہلاک کر ڈالیں“۔

عمران نے کہا۔

”ہم میں سے کسی ایک کی ڈیوٹی چیف کے باڈی گارڈ کو ہلاک کرنے کی ہوگی“۔

للّی کہنے لگی۔

”اس جلاد کے باڈی گارڈ تربیت یافتہ ہیں...... ہماری طرف سے فائرنگ کھلتے ہی وہ

بھی فائر کھول دیں گے اور ہم پر اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دیں گے"۔

جبران نے کہا

"ہم سب سے پہلے ان چاروں کو سٹین گن کی زد میں لیں گے اور گولیوں کی بوچھاڑوں سے انہیں واصل جہنم کریں گے"۔

للّی کہنے لگی۔

"سٹین گن عین وقت پر دھوکا دے سکتی ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

للّی نے کہا۔

"ہمیں دستی بموں سے کام لینا ہوگا، جس شخص کے ذمے کرشنم چاری کے باڈی گارڈز کو قتل کرنا ہوگا، وہ ان کی جیپ پر اوپر تلے چھ سات دستی بم پھینکے گا، یہ بم ایک ایک سیکنڈ کے وقفے کے بعد پھٹیں گے اور باڈی گارڈوں کے جیپ سمیت پرخچے اڑ جائیں گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا دستی بموں کا انتظام ہو سکے گا؟"۔

للّی نے کہا۔

"کیوں نہیں...... میرے پاس تم لوگوں کو ہر قسم کا اسلحہ ملے گا"۔

جبران بولا۔

"پھر ہمیں قاتل کرشنم چاری کی گاڑی پر بھی دستی بموں سے حملہ کرنا ہوگا"۔

للّی بولی۔

"اس کی گاڑی بند ہوگی...... دستی بم ممکن ہے لڑھک کر سڑک پر گریں اور وہیں پھٹیں...... ہم میں سے ایک کی ڈیوٹی کرشنم جاری کی گاڑی پر مسلسل فائرنگ کرتے جانے کی ہوگی اور دوسرے کی ڈیوٹی اس کی گاڑی پر دستی بم پھینکنے کی ہوگی، تاکہ اس

ل کے بچ نکلنے کا ذرا سا بھی امکان نہ رہے"۔

جبران نے کہا...... "اس کے لئے ہمیں ایک دن پہلے موقع پر جا کر سگنل والے ے کو دیکھنا ہوگا اور یہ تعین کرنا ہوگا کہ کون کس جگہ پر چھپ کر کھڑا ہوگا"۔

للّی کہنے لگی...... "میں جہاں پر ہوں گی وہ جگہ میں نے پہلے سے طے کر رکھی ...... وہ میں آپ کو دکھا بھی دوں گی...... میں وہیل چیئر یعنی پہیوں والی کرسی پر ھی ہوں گی اور چوک کی دائیں جانب فٹ پاتھ پر ہوں گی...... آپ دونوں کہاں ں ہوں گے؟ اس کا تعین موقع پر جا کر کیا جائے گا...... میرا خیال ہے کہ ہم آج شام ی اندھیرا چھا جانے کے بعد سگنل والے چوک میں جا کر مشاہدہ کریں گے...... کیا یال ہے؟"۔

"اچھا خیال ہے" عمران نے کہا۔

للّی نے کہا۔

"تو پھر ایسا ہے کہ آپ دونوں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد میرے پاس ہاں میرے فلیٹ پر آ جائیں...... ہم تینوں گاڑی میں بیٹھ کر موقعے کا مشاہدہ کرنے جا دیں گے"۔

یہ طے کرنے کے بعد عمران اور جبران للّی کے فلیٹ سے واپس آگئے...... حاجی صاحب ان کا انتظار کر رہے تھے...... انہیں دیکھتے ہی انہوں نے اوپر جانے کا اشارہ ا...... تھوڑی دیر بعد وہ خود بھی اوپر والے کمرے میں آگئے۔

"للّی سے ملاقات ہوئی؟" انہوں نے پوچھا...... عمران نے کہا...... "ملاقات بھی ئی اور سب کچھ طے بھی ہو گیا"۔

"اب پروگرام کیا طے ہوا ہے؟" حاجی صاحب نے پوچھا۔

اور عمران نے سارا منصوبہ پوری تفصیل سے حاجی صاحب کو سنادیا۔



دوسرے روز شام ہوتے ہی کمانڈو عمران اور جبران للّی کے ہاں پہنچ گئے۔
للّی ان کا انتظار کر رہی تھی...... تینوں گاڑی میں بیٹھ کر دلی کی لودھی سٹریٹ
ٹریفک سگنل والے چوک میں آئے اور گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی...... ایک
منٹ وہ فٹ پاتھ کے قریب ہی گرین بیلٹ میں بیٹھے رہے تاکہ کسی کو ان پر شک نہ
ہو...... گرین بیلٹ پر اکثر لوگ شام کے وقت تفریح کی غرض سے بیٹھ جاتے تھے۔
اس کے بعد للّی نے دونوں کو ساتھ لیا اور سب سے پہلے سگنل والے چوک سے پندر
قدم پیچھے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں کمانڈو عمران نے کھڑا ہونا تھا...... اس سے پانچ
قدم آگے ایک درخت کی آڑ میں جبران کو سٹین گن لے کر کھڑے ہونا تھا...... چوک
میں ایک جانب فٹ پاتھ پر للّی کو پہیوں والی کرسی پر موجود ہونا تھا...... جب تینوں
جگہوں کی نشاندہی کر دی گئی تو وہ خاموشی سے گاڑی میں سوار ہوئے اور للّی کے فلیٹ
کی طرف چل پڑے...... پروگرام یہ طے ہوا کہ دوسرے ہی دن صبح نو بجے کے بعد جب
بھارت کی خفیہ انٹیلی جنس ایف بی آئی کا چیف کرشنم چاری دفتر جاتے ہوئے ٹریفک
کے سگنل والے چوک سے گزرے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا...... سب سے پہلے
نے ٹریفک کی سرخ بتی کو جام کر دینا تھا یعنی سرخ بتی جتنی دیر تک وہ چاہے اتنی دیر تک
روشن رہے گی...... اس کے لئے للّی نے ریموٹ کنٹرول اپنے پاس رکھ لیا تھا......
کہنے لگی۔

"جب مدراسی جلاد کرشنم چاری کی گاڑی سرخ بتی کا اشارہ دیکھ کر چوک میں رک

ئے گی تو میں اس پر سٹین گن کا فائر کھول دوں گی...... اگر کسی وجہ سے کرشنم چاری
ہلاک نہ ہوا تو پھر تم دونوں یعنی کمانڈو عمران اور جبران اس کی گاڑی پر دستی بموں کو
پھینکنا شروع کر دیں گے...... آپ لوگ سمجھ گئے ہیں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں"۔

"بالکل سمجھ رہے ہیں...... عمران اور جبران نے بیک آواز کہا"۔

للّی نے کہا۔

"اب آپ آج رات میرے فلیٹ پر ہی سوئیں گے تاکہ ہم ایک ہی وقت میں
صبح اپنے مشن پر اکٹھے ایک ساتھ نکل سکیں"۔

عمران نے جب اس مشن میں کام آنے والے اسلحہ کے بارے میں پوچھا تو للّی
نے کہا۔

"تمام اسلحے کا انتظام ہو چکا ہے اور وہ میرے کمرے میں موجود ہے...... صبح ہم
ضرورت کے مطابق اسلحہ لے کر یہاں سے نکلیں گے"۔

کمانڈو جبران نے پوچھا۔

"اور تمہاری وہیل چیئر کا کیا ہو گا؟...... مجھے یہاں وہ کہیں نظر نہیں آ رہی"۔

للّی نے کہا۔

"صبح ایک ویگن آئے گی...... اس میں میری وہیل چیئر بھی ہو گی اور اسی میں بیٹھ
کر ہم اپنے سپاٹ پر جائیں گے"۔

رات انہوں نے للّی کے فلیٹ پر ہی گزاری...... گھڑی کے الارم نے انہیں صبح
صبح جگا دیا...... للّی پہلے سے اٹھی ہوئی تھی...... منہ ہاتھ دھو کر انہوں نے ناشتہ کیا اور للّی
انہیں اپنے بیڈ روم میں لے گئی...... پلنگ کے نیچے سے اس نے ایک سوٹ کیس نکال
کر کھولا تو اس میں تین سٹین گنیں، ان کے میگزین اور درجن کے قریب دستی بم رکھے
ہوئے تھے...... للّی نے تین تین دستی بم عمران اور جبران کو دے دیئے...... کہنے لگی۔

"یہ دستی بم صرف اس صورت میں کرشنم چاری کی گاڑی پر پھینکے جائیں گے اگر

وہ میری فائرنگ سے زندہ بچ گیا...... اگر میں نے اپنی سٹین گن کے فائر سے اسے ہلاک کرڈالا تو تم دونوں میں سے کوئی بھی نہ تو دستی بم پھینکے گا اور نہ سٹین گن کا فائر کھولے گا۔ کیونکہ ہمارا ٹارگٹ کرشنم چاری ہے...... اگر وہ ہلاک ہو گیا تو ہمیں مزید فائرنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی...... فائرنگ سے دوسرے لوگوں کے ہلاک ہونے کا خدشہ ہو گا...... جو ہم نہیں چاہتے"۔

ٹھیک آٹھ بجے ایک ویگن آ گئی...... ویگن میں للی کے لئے وہیل چیئر یعنی پہیوں والی کرسی موجود تھی...... تینوں اپنی اپنی سٹین گنیں کپڑے میں چھپا کر ویگن میں آ کر بیٹھ گئے...... للی وہیلی چیئر پر بیٹھ گئی...... اس نے گھٹنوں کے اوپر چھوٹا کمبل ڈال لیا جس کے اندر سٹین گن چھپائی ہوئی تھی...... دستی بم عمران اور جبران نے اپنی جیکٹ کی جیبوں میں رکھ لئے تھے...... دن کے نو بجنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے کہ یہ لوگ لودھی سٹریٹ کے ٹریفک سگنل والے چوک میں آ گئے...... انہوں نے ویگن چوک سے ذرا ہٹ کر درختوں کے نیچے کھڑی کر دی۔

للی نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"کرشنم چاری بنگلے سے نکل چکا ہے...... وہ دس منٹ میں چوک میں پہنچ جائے گا...... ہمیں اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچ جانا چاہئے"۔

للی پہیوں والی کرسی پر بیٹھی ویگن سے باہر آ گئی...... اسے ویگن کے ڈرائیور نے سگنل والے چوک میں اس کی خاص پوزیشن پر پہنچا دیا...... وہ فٹ پاتھ پر ایک طرف ہو کر وہیل چیئر پر اس طرح بیٹھی تھی جیسے سڑک کی سیر دیکھ رہی ہو...... ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں تھا...... کمانڈو عمران اس سے دس قدم کے فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گیا...... اس سے پانچ قدموں کے فاصلے پر جبران ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا...... ان سب کی نظریں سڑک پر لگی تھیں...... للی نے انہیں کرشنم چاری کی گاڑی کا نمبر اور کلر بتا دیا تھا...... دفتری اوقات تھے...... سڑک پر بڑے زور و شور سے

چل رہی تھی...... نو بج گئے، پھر نو بج کر دس منٹ ہو گئے مگر کرشنم چاری کی ابھی تک نہیں گزری تھی...... کمانڈو عمران اور جبران بے چینی سے سڑک پر گاڑیوں کو دیکھ رہے تھے۔

جب ساڑھے نو بج گئے اور کرشنم چاری کی گاڑی نہ آئی تو کمانڈو عمران سٹین گن کپڑوں میں چھپائے للی کے پاس گیا...... وہ للی کی پہیوں والی کرسی کے پاس بیٹھ گیا آہستہ سے کہنے لگا۔

"گاڑی ابھی تک نہیں آئی...... پروگرام تبدیل ہو گیا ہو گا"۔

للی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تم اپنی پوزیشن پر جاؤ...... ہم پندرہ منٹ اور دیکھیں گے...... اگر پندرہ منٹ بعد کرشنم چاری کی گاڑی نہ آئی تو میں ویگن کے پاس آ جاؤں گی...... تم بھی ویگن میں بیٹھ جانا...... ہم کمانڈو آپریشن کل تک کے لیے ملتوی کر دیں گے"۔

کمانڈو عمران فوراً اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا درخت کے پیچھے اپنی پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گیا...... اس نے کمانڈو جبران کو اشاروں سے سمجھا دیا کہ ہم پندرہ منٹ انتظار کریں گے۔

پندرہ منٹ بھی گزر گئے...... کرشنم چاری کی گاڑی نہ آئی...... کمانڈو عمران نے میں للی کی طرف دیکھا...... وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھی اسے آہستہ آہستہ چلاتی طرف جا رہی تھی جہاں ان کی ویگن کھڑی تھی...... عمران نے جبران کو اشارہ کیا کہ ویگن میں آ جائے اور پھر خود بھی ویگن کی طرف چل پڑا...... للی ویگن میں وہیل چیئر کر اندر سیٹ پر بیٹھی تھی...... عمران اور جبران بھی آ گئے...... ویگن ڈرائیور ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا...... للی نے ڈرائیور سے کہا۔

"ابھی پانچ منٹ انتظار کرو"۔

عمران نے کہا۔

"اب یہاں انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے..... ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے"
للّی کہنے لگی۔

"اپنا اسلحہ میری سیٹ کے نیچے چھپا دو"۔

عمران اور جبران نے اپنی اپنی سٹین گن، میگزین اور دستی بم للّی کی سیٹ کے نیچے آگے کر کے چھپا دیئے..... للّی نے اپنی سٹین گن بھی سیٹ کے نیچے رکھ دی..... کہنے لگی۔

"مجھے خطرہ ہے کہیں کرشنم چاری کو مخبروں نے خبر نہ کر دی ہو کہ راستے میں اس پر قاتلانہ حملے کا خطرہ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے..... اس مشن کی سوائے ہم تینوں کے اور کسی کو خبر نہیں ہے..... ایف بی آئی کے مخبروں کو کہاں سے خبر ہو سکتی ہے"۔

للّی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا..... بہرحال ہم کل پھر آئیں گے..... اب ہمیں یہاں سے چل پڑنا چاہئے"۔

للّی نے ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی لے چلو..... ڈرائیور نے انجن سٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو انجن نے چلنے سے انکار کر دیا..... تین چار مرتبہ اس نے سلف دبایا..... گھر گھرر کی آواز کے ساتھ انجن ہر بار بند ہو گیا..... للّی نے غصے کے ساتھ کہا۔

"کیا کر رہے ہو..... انجن سٹارٹ کیوں نہیں ہو رہا؟"۔

ڈرائیور نے کہا۔

"بیگم صاحبہ کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے..... میں ابھی دیکھتا ہوں"۔

ڈرائیور ویگن سے باہر آیا..... اس نے بونٹ اٹھایا اور انجن کو چیک کرنے لگا اتنے میں ان کے سامنے اور پیچھے کی جانب سے پولیس کی دو گاڑیاں تیزی سے آئیں

ن کو بلاک کر دیا..... گاڑیوں کے دروازے کھلے اور پندرہ سولہ پولیس کے سپاہی ہوں میں سٹین گنیں لئے باہر نکل کر ویگن کی طرف دوڑ کر آئے اور ویگن کو گھیرے ے لیا..... ایک پولیس انسپکٹر ہاتھ میں پستول لئے ویگن کے دروازے پر آ کر بولا۔

"خبردار! تم میں سے کسی نے بھی کوئی حرکت کی تو..... تمہیں بھون دیا جائے

کمانڈو عمران..... جبران اور للّی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے ے..... پولیس انسپکٹر نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

"انہیں گرفتار کر لو"۔

اس کے ساتھ ہی سپاہی ویگن میں گھس آئے اور انہوں نے للّی، جبران اور عمران بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹ کر باہر نکالا اور ان کے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑیاں دیں..... پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"ویگن کی تلاشی لو"۔

چار سپاہی ویگن کی تلاشی لینے لگے..... سیٹ کے نیچے سے سٹین گنیں اور دستی بم آمد ہو گئے..... پولیس انسپکٹر نے چلا کر کہا۔

"اسلحہ قبضے میں کر واور انہیں پولیس سٹیشن لے چلو..... جلدی..... جلدی"۔

مسلح سپاہیوں نے للّی، عمران اور جبران کو پولیس کی ایک گاڑی میں دھکیل دیا اور ڑیاں پولیس سٹیشن کی طرف دوڑنے لگیں..... یہ سب کچھ اتنی جلدی اور آناً فاناً ہو گیا عمران اور جبران کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا..... صاف ظاہر تھا کہ کسی نے مخبری ی تھی..... پولیس کو خبر ہو گئی تھی اور پولیس نے چھاپہ مار کر ان سب کو گرفتار کر لیا۔

جب تک پولیس کی گاڑیاں پولیس سٹیشن تک نہ پہنچیں عمران یہی سوچتا رہا کہ یہ ب کچھ کیسے ہو گیا؟ سارا مشن انتہائی رازداری کے ساتھ شروع ہوا تھا..... پھر پولیس یسے خبر ہو گئی؟ جبران بھی یہی سوچ رہا تھا، لیکن ان دونوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں

آرہی تھی کہ مخبر کون ہے جس نے پولیس کو اس کمانڈو آپریشن کی خبر کردی تھی۔ تھانے پہنچ کر للی، کمانڈو عمران اور جبران کو الگ الگ جگہوں پر بند کر دیا گیا...... یہ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی جس کے ننگے فرش پر عمران سر جھکائے بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا...... کسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آتا کہ کہیں یہ سب کچھ انہیں گرفتار کرنے کے لئے ایک جال تو نہیں بچھایا گیا تھا، مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

عمران کی ہتھکڑی کھول دی گئی تھی...... گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد تنگ و تاریک کوٹھڑی میں تین مسلح پولیس کانسٹیبل آئے...... ان کے ساتھ ایک سفید کپڑوں والا بھی تھا...... جو سی آئی ڈی کا آدمی تھا...... عمران کو ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی گئی...... اس کے بعد اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے جا کر ایک ویگن میں دھکیل کر ویگن کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا...... یہ ویگن قیدیوں کو جیل سے لے جانے اور لانے والی تھی، جس کی کوئی کھڑکی نہیں تھی...... صرف اوپر کر کے سلاخوں والے روشن دان سے بنے ہوئے تھے...... ویگن کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہو گئی۔ عمران کو للی اور جبران کی کچھ خبر نہیں تھی کہ ان کے ساتھ کیا گزری ہے...... ویگن کافی دیر تک دلی کی سڑکوں پر چلتی رہی...... اس کے بعد وہ ایک طرف کو گھومی اور کچے راستے پر آ گئی...... یہاں ویگن کو جھٹکے لگ رہے تھے...... آخر ویگن ایک جگہ رک گئی...... عمران کو باہر نکالا گیا...... اس نے دن کی روشنی میں دیکھا کہ وہ دلی کے پرانے قلعے کے سامنے کھڑا ہے...... دلی کا پرانا قلعہ بڑی تاریخی روایات کا حامل ہے...... یہی وہ قلعہ ہے جہاں سن 1947ء کے فسادات میں جب ہندو سکھ مل کر دلی کے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے تو دلی کے مسلمان جانیں بچا کر اس قلعے میں آ گئے تھے...... بعد میں اس قلعے کو ریفیوجی کیمپ بنا دیا گیا تھا اور یہیں سے دلی کے لٹے پٹے مسلمانوں کے خاندان ہجرت کر کے کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچے تھے...... سن سنتالیس میں یہ قلعہ بالکل ویران پڑا تھا اور آس پاس بھی کوئی آبادی نہیں تھی، مگر

اب قلعے میں پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی بارکیں بنی ہوئی تھیں اور اس کے آس پاس بھی کالونیاں بن گئی تھیں، لیکن قلعے میں کسی شہری کو بغیر اجازت نامے کے جانے کی اجازت نہیں تھی...... اس قلعے کے بارے میں ہی عمران نے سن رکھا تھا کہ وہاں قیدیوں کو ایسی اذیتیں دی جاتی ہیں اور اس قدر وحشیانہ تشدد کیا جاتا ہے کہ یہاں سے کبھی کوئی قیدی زندہ نہیں نکل سکا۔

اس قلعے میں دی جانے والی انسانیت سوز اذیتوں اور تشدد کی شہرت کمانڈو عمران نے بھی سن رکھی تھی...... اس کا خیال تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس اب اسے زندہ نہیں چھوڑے گی اور اسی قلعے میں اذیتیں دے دے کر اسے ہلاک کر دے گی، لیکن دوسرے ہی دن اسے پرانے قلعے سے نکال کر ایک بند ویگن میں بٹھا کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ کر دیا گیا...... اس کا خیال تھا کہ اسے قیدیوں والی بند ویگن میں بٹھایا گیا ہے کہیں قریب ہی لے جایا جائے گا، لیکن اس کا یہ خیال بھی غلط نکلا...... اسے صبح کے وقت ویگن میں سوار کرایا گیا تھا...... ویگن مسلسل چلتی رہی...... دوپہر کو ایک جگہ ویگن روک کر اسے کھانے کو ڈیڑھ روٹی کے ساتھ تھوڑی سی دال دی گئی...... اس کے بعد ویگن پھر چل پڑی...... ویگن کی چھت کے ساتھ سلاخوں والے تین چار ہوادان بنے ہوئے تھے...... صرف ان میں سے عمران باہر دیکھ سکتا تھا...... باہر اسے کسی کسی وقت درخت پیچھے کو جاتے نظر آ جاتے تھے...... شام تک ویگن سفر کرتی رہی۔

شام ہو گئی تھی جب اسے ویگن میں سے اتارا گیا...... اتارنے سے پہلے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی...... یہ پٹی کالے کپڑے کی تھی اور اس طریقے سے باندھی گئی تھی کہ اسے کچھ بھی نظر نہیں آ سکتا تھا...... عمران نے شنٹ کرتے ریلوے انجن کی آواز سنی تو اس سے اسے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی ریلوے سٹیشن ہے، مگر آواز میں شور بالکل نہیں تھا...... اس کا مطلب تھا کہ یہ کوئی معمولی سا دیہاتی سٹیشن تھا...... اسے بنچ پر بٹھا دیا گیا...... ہتھکڑی اسے ویگن میں ہی لگا دی گئی تھی...... پھر ریل گاڑی

کے پلیٹ فارم پر آنے اور رکنے کی آوازیں سنائی دیں...... اس کے ساتھ ہی پولیس کے سپاہی اسے اٹھا کر ایک ڈبے میں لے گئے...... ریل گاڑی چل پڑی...... ایک رات اور دوسرے دن کی سہ پہر تک ٹرین سفر کرتی رہی...... عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ بھارتی انٹیلی جنس اور پولیس اسے کہاں لئے جا رہی ہے...... دوسرے دن سہ پہر کے وقت اسے ٹرین سے نکال کر دوبارہ ایک ویگن میں بٹھا دیا گیا اور ویگن چل پڑی...... ٹرین میں سارا راستہ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی رہی تھی...... صرف ویگن میں بٹھانے کے بعد پٹی اتار دی گئی۔

اس دفعہ ویگن ایک ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد رک گئی...... اس کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھ دی گئی اور اسے باہر نکالا گیا...... اس نے فضا میں سمندر کے پانی کی بو محسوس کی...... ہوا مرطوب تھی...... یہاں اسے ایک چھوٹے سٹیمر میں سوار کر دیا گیا...... سٹیمر جب پانی میں چلا تو عمران نے اندازہ لگایا کہ اس کو سمندر میں کسی گمنام جزیرے پر لے جایا جا رہا ہے...... پندرہ بیس منٹ کے بعد عمران کی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی گئی...... اس نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ وہ ایک سٹیمر میں بیٹھا ہے جو سمندر میں پتھروں اور چٹانوں کے درمیان ایک جگہ رک گیا ہے...... اس کے ساتھ چار مسلح سپاہی تھے...... یہاں عمران کو دوبارہ ہتھکڑی لگا دی گئی...... کنارے پر نیلی وردیوں والے کچھ سپاہی قسم کے دس بارہ آدمی کھڑے تھے جنہوں نے سٹین گنیں پکڑ رکھی تھیں...... انہوں نے آگے بڑھ کر عمران کو اپنی تحویل میں لے لیا جو سپاہی عمران کے ساتھ اس جگہ تک آئے تھے انہوں نے ایک کاغذ پر نیلی پوش افسر سے دستخط کرائے...... شاید یہ ایک خطرناک جاسوس کی وصولی کے کاغذات تھے...... نیلی پوش سپاہی عمران کو لے کر درختوں کے درمیان ایک طرف کو چل پڑے...... کچھ دور چلنے کے بعد درخت پیچھے رہ گئے...... عمران نے دیکھا کہ سامنے ایک اونچی پتھریلی فصیل ہے جس پر موت کی خاموشی چھائی ہوئی ہے...... یہ فصیل قلعے کی طرح ایک اونچے ٹیلے

پر بنی ہوئی ہے اور اس کے چاروں طرف چار اونچی مچانیں بنی ہیں...... عمران نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی جیل ہے اور یہ مچانیں مشاہداتی چوکیاں ہیں جہاں سرچ لائٹیں لگی ہوں گی اور مشین گنوں کے مورچے بھی ہوں گے...... ٹیلے پر فصیل تک جانے کے لئے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں...... وہ سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد فصیل کے چھوٹے گیٹ پر آ گئے جو موٹی موٹی سلاخوں والا گیٹ تھا...... گیٹ کے اندر صحن تھا جہاں دو ٹرک کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔

گیٹ پر دو مسلح نیلی پوش کھڑے تھے...... عمران حیران تھا کہ آخر اسے اتنی دور لا کر قید میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی...... اسے جہاں چاہے قید میں ڈالا جا سکتا تھا...... انڈیا میں جیلوں کی کمی نہیں تھی...... یہ معمہ عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا...... ابھی تک عمران کو وہاں کوئی ایسا آدمی دکھائی نہیں دیا تھا جو اپنے لباس اور وضع قطع سے قیدی لگتا...... تین چار آدمی جو دکھائی دیئے وہ نیلی وردیوں والے ہی تھے جو اس جیل کی عمارت کے عملے کے آدمی ہی لگتے تھے...... عمران کو اس پراسرار جیل کے آفس میں لے جایا گیا جہاں اس کی فوٹو اتاری گئی...... اس کے ہاتھوں کی انگلیوں کے نشان لئے گئے...... یہاں سے اسے ایک اور کمرے میں پہنچا دیا گیا...... اس کمرے میں دو نیلی پوش آدمیوں نے عمران کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اس کو سارے کپڑے اتار کر دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم دیا...... عمران ذرا جھجکا...... اسے شرم محسوس ہوئی کہ وہ اتنے لوگوں کے سامنے کیسے اپنے سارے کپڑے اتارے۔

اچانک پیچھے سے کسی نے اس کی کمر میں اتنے زور سے لات ماری کہ وہ منہ کے بل گر پڑا...... ساتھ ہی اس آدمی نے چلا کر کہا۔

"تم نے ہمارا حکم نہیں سنا...... کپڑے اتار کر سامنے والی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ"۔

عمران کوئی کمزور نوجوان نہیں تھا...... صحت مند اور سخت جان تھا، مگر پشت پر

اتنے زور سے لات ماری گئی تھی کہ عمران کی آنکھوں کے آگے دیر تک تارے ناچتے رہے...... اس نے سوچا کہ عافیت اسی میں ہے کہ ان کا حکم مان لیا جائے...... اس نے سارے کپڑے اتار ڈالے اور سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا...... اس کے اوپر ایک فوارہ لگا تھا جس کا رخ نیچے کو تھا...... یہ شاور تھا جیسے غسل خانوں میں لگے ہوتے ہیں...... جیسے ہی وہ شاور کے نیچے جا کر کھڑا ہوا شاور میں سے نیم گرم پانی کی پھوار نکل کر اس کے اوپر گرنے لگی...... اس پانی میں کوئی جراثیم کش دوائی ملی ہوئی تھی...... شاور میں سے پانی بڑی تیزی سے گر رہا تھا...... عمران دونوں ہاتھوں سے جسم ملنے لگا...... جب وہ نہا چکا تو شاور کا پانی بند ہو گیا...... ایک آدمی نے اسے ایک نیلا پاجامہ اور نیلا کرتا دیا۔

"اسے پہن لو"۔

اس نے کرتہ پاجامہ پہن لیا...... پاجامے میں ازاربند نہیں تھا، بلکہ الاسٹک لگا ہوا تھا...... اب اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ انڈیا میں کسی دور دراز جگہ پر سمندر کے اندر کوئی گمنام جیل ہے جہاں انتہائی خطرناک اور ایسے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جنہیں دوبارہ مہذب انسانوں کی دنیا میں واپس نہیں جانا ہوتا تھا...... یا پھر جنہیں کچھ عرصہ بعد موت کے گھاٹ اتارا جانا ہوتا تھا، کیونکہ یہ جیل اس قدر مہذب دنیا سے دور تھی کہ وہاں قیدیوں کی حالت زار کا کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔

پاجامہ کرتا پہنانے کے بعد عمران کو ٹین کا ایک مگ اور ایک تھالی دی گئی...... دو مسلح نیلی پوش عمران کو اپنی تحویل میں لئے ہوئے تھے...... وہ اسے لے کر ایسی جگہ آ گئے جہاں اونچی چھت کے نیچے ساتھ ساتھ کتنی ہی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں...... ہر کوٹھڑی کا دروازہ لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والا تھا...... کوٹھڑی کے اندر لیٹنے کے لئے پتھر کا ایک بنچ بنا ہوا تھا...... کوٹھڑی کی پچھلی دیوار کے آگے چار پانچ فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی تھی...... بعد میں عمران کو معلوم ہوا کہ اس دیوار کے پیچھے لیٹرین تھی یعنی ایک

موڈ بنا ہوا تھا جو فلش والا تھا...... ایک نلکا تھا جس کے نیچے پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا...... گویا اب اسے اس کوٹھڑی میں اس وقت رہنا تھا جب تک کہ وہ مر نہیں جاتا۔

عمران کو اس کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا گیا...... وہ پتھر کے بنچ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آخر بھارت کی پولیس کو اسے اتنی دور اس جیل میں لا کر رکھنے کی کیا ضرورت تھی...... کیا اس لئے کہ اس جیل میں کوئی قیدی فرار نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس کے چاروں طرف سمندر تھا...... یا ہو سکتا ہے یہ دور افتادہ گمنام جیل ہو جہاں قیدی کے ساتھ جو چاہے سلوک کیا جا سکتا تھا...... جتنی چاہے اذیت دی جا سکتی تھی اور کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں تھا...... اسے ہلاک بھی کر دیا جاتا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی...... عمران کو اپنے دوست اور ساتھی کمانڈو جبران کا خیال آ گیا کہ نہ جانے وہ کہاں ہو گا...... لیکن عمران کو معلوم تھا کہ جبران جہاں بھی ہو گا وہاں سے فرار ہونے کی ضرور کوشش کرے گا...... خود عمران نے بھی اس پراسرار جیل سے فرار کی ترکیبوں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا...... معلوم ہوتا تھا کہ ساتھ والی کوٹھڑیاں خالی ہیں...... اس طرف سے کسی قیدی کی آہٹ تک سنائی نہیں دے رہی تھی...... رات ہو گئی...... کوٹھڑیوں کے آگے راہداری کی بتیاں روشن ہو گئیں۔

جیل کا ایک نیلی پوش ملازم عمران کو دو روٹیاں اور اس کے ڈونگے میں دال ڈال کر چلا گیا...... عمران نے ملازم سے پوچھا۔

"اس جیل کا نام کیا ہے؟"۔

نیلی پوش ملازم نے کوئی جواب نہ دیا اور چلا گیا...... تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ جیل کے دو ہٹے کٹے آفیسر عمران کی کوٹھڑی میں آ گئے...... ان کے ساتھ ایک مسلح نیلی پوش بھی تھا...... یہ مسلح نیلی پوش کوٹھڑی کے دروازے میں کھڑا ہو گیا...... دونوں آفیسر عمران کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے...... عمران بنچ پر بیٹھا تھا...... دونوں افسروں کے رنگ گہرے سانولے تھے اور آنکھوں میں جلادوں والی منگولانہ

چمک تھی...... ان میں سے ایک افسر نے عمران کو حکم دیا۔

"بنچ چھوڑ کر نیچے فرش پر بیٹھ جاؤ"۔

عمران بنچ سے اٹھ کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا...... دونوں افسر بنچ پر بیٹھ گئے...... ا
انہوں نے باری باری عمران سے سوال کرنے شروع کر دیئے...... سب سے پہلا سوال
جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ تم پاکستان کے کس شہر کے رہنے والے ہو...... عمران نے
یونہی کہہ دیا۔

"میں جہانگیر آباد کا رہنے والا ہوں"۔

افسر نے پوچھا۔

"یہ جگہ پاکستان میں کہاں ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"یہ بارڈر کے قریب ایک گاؤں ہے...... میں اس گاؤں کا ہوں"۔

دوسرے افسر نے پوچھا۔

"تمہارے ساتھ کتنے دہشت گرد انڈیا میں داخل ہوئے تھے؟"۔

عمران نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ کوئی نہیں تھا...... مجھے حکومت پاکستان نے بھی نہیں بھیجا......
میں اپنے طور پر اپنے کشمیری مجاہدین بھائیوں کی مدد کرنے اکیلا ہی بارڈر کراس کر کے
آیا تھا؟"۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو" ایک افسر نے گرج دار آواز میں کہا۔

عمران نے کہا۔

"میں تو یہاں مرنے کیلئے آیا ہوں...... مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے"۔

دوسرے افسر نے عمران کو بالوں سے پکڑ کر اسے دو تین زبردست جھٹکے دیئے
اور کہا۔

"ہم تمہیں اتنی آسانی سے مرنے نہیں دیں گے...... جب تک تم ہمارے ایک
سوال کا صحیح صحیح جواب نہیں دے دو گے اور ہم اس کی تصدیق نہیں کر لیں گے
ہیں مرنے نہیں دیا جائے گا...... تمہیں زندہ رکھا جائے گا...... ایک بات یاد رکھنا......
جگہ سے تم اپنی زندگی میں فرار نہیں ہو سکو گے اور یہ کہ تمہاری قسمت میں ایک
ناک موت لکھ دی گئی ہے، لیکن اگر تم نے سچ بولا...... ہمارے سوالوں کے سچ سچ
اب دیئے اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی تو تمہیں رات کے وقت ایک سمندری جہاز
سوار کروا کر ایک دوسرے ملک کے ساحل پر پہنچا دیا جائے گا جو یہاں سے زیادہ دور
ہیں ہے اور جہاں سے تم اپنے ملک کے سفارت خانے سے رابطہ پیدا کر کے اپنے وطن
ستان واپس جا سکو گے اور یہ بات ہم یونہی نہیں کہہ رہے...... اگر تم نے ہمیں ہماری
طلوبہ معلومات فراہم کر دیں تو ہم ایک مرد کی طرح اپنا وعدہ ضرور پورا کریں
گے...... ہم تمہیں آج کی رات اور کل کے دن کی مہلت دیتے ہیں...... تم اچھی طرح
ے غور کر لو"۔

اس کے بعد دونوں افسر چلے گئے...... عمران بنچ پر لیٹ گیا...... اس نے آنکھیں
ند کر لیں اور سوچنے لگا کہ اس پھانسی گھر سے کس طرح فرار ہوا جائے...... موت سے
ہ نہیں ڈرتا تھا لیکن بے بسی کی موت اسے گوارا نہیں تھی...... اگر دشمن سے جنگ
رتے ہوئے یا دشمن کی قید سے فرار ہوتے ہوئے موت آ جائے تو ٹھیک ہے لیکن
شمن اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے موت کی نیند سلا دے...... یہ عمران کو گوارا
ہیں تھا۔

رات ہو گئی تھی...... کوٹھڑی کے سامنے جو راہ داری تھی وہاں روشنی تھی اور
یک نیلی پوش گارڈ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سلاخوں والے دروازے کے آگے سے گزر
جاتا تھا...... کسی وقت وہ اندر جھانک کر عمران کو دیکھ بھی لیتا تھا...... عمران کو نیند بالکل
ہیں آ رہی تھی...... اس کو خیال آیا کہ کوٹھڑی کی پچھلی دیوار کا جائزہ لینا چاہیئے...... وہ

کچھ سوچ کر اٹھا اور لیٹرین کے آگے جو تین چار فٹ کی دیوار بنی ہوئی تھی اس کی آڑ میں بنے ہوئے کموڈ پر بیٹھ گیا...... وہ رفع حاجت کے لئے نہیں بیٹھا تھا...... نیلی پوش گارڈ دروازے کے آگے سے گزرا تو اس نے عمران کو کموڈ پر بیٹھے ہوئے دیکھا اور آگے گزر گیا...... عمران نے لیٹرین کے فرش کو اس جگہ سے دیکھا جہاں کوٹھڑی کی پچھلی دیوار اوپر اٹھتی تھی...... یہ دیوار اینٹ کے سائز کے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی اور اس کی سیمنٹ کی ٹیپ جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھی۔

عمران نے ایک جگہ سے ٹیپ کے سیمنٹ کو ناخن سے کھرچا تو پلستر نیچے گر پڑا...... اس کا مطلب تھا اس دیوار پر قسمت آزمائی کی جاسکتی تھی...... وہ پتھر کی دوسری اینٹ کے پلستر کو کھرچ رہا تھا کہ نیلی پوش گارڈ کے قدموں کی آواز سنائی دی...... عمران بالکل سیدھا ہو کر کموڈ پر بیٹھ گیا...... دیوار کے پیچھے سے اس کی گردن اور سر صاف نظر آرہا تھا...... گارڈ سلاخوں میں جھانکتا ہوا آگے نکل گیا...... اس گارڈ کی موجودگی میں دیوار کا پتھر اکھیڑنا ناممکن تھا...... وہ کموڈ پر سے اٹھا اور کوٹھڑی کے بنچ پر آکر لیٹ گیا...... جب کافی رات گزر گئی تو نیلی پوش گارڈ کی گشت بند ہو گئی...... شاید وہ چلا گیا تھا اور اس کی جگہ کوئی دوسرا گارڈ ڈیوٹی پر آرہا تھا، مگر وہاں دوسرا گارڈ کوئی نہ آیا...... اب میدان خالی تھا...... کوٹھڑی میں دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی...... عمران اٹھ کر سلاخوں کے پاس چلا گیا اور اس نے جتنا باہر جھانک سکتا تھا دائیں بائیں جھانک کر دیکھا...... راہداری خالی پڑی تھی اور وہاں کوئی گارڈ نہیں تھا...... شاید آدھی رات کے بعد گارڈ چلے جاتے تھے...... وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے، کیونکہ وہاں سے کسی قیدی کا فرار ہو جانا واقعی ناممکن تھا...... عمران کو جب یقین ہو گیا کہ میدان خالی ہے اور اب کوئی گارڈ گشت لگاتا کوٹھڑی کے سامنے سے نہیں گزرے گا تو وہ اٹھا اور دیوار کی اوٹ میں کموڈ کے قریب زمین پر بیٹھ گیا اور مدھم روشنی میں دیوار کی اس پتھریلی اینٹ کا جائزہ لینے لگا جس کی ٹیپ کا پلستر اس نے اکھاڑ دیا تھا۔

عمران نے پتھر کو دو تین زور سے مکے مارے...... پتھر اپنی جگہ سے ہل گیا...... شاید وہ پہلے ہی سے ہل چکا تھا...... تھوڑی سی کوشش کے بعد عمران نے پتھر کی اینٹ کو دیوار میں سے باہر نکال لیا...... اس نے چوکور شگاف کے اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولا...... پیچھے پتھر کی اینٹوں کی ایک اور دیوار تھی...... عمران نے ہاتھ اندر ڈال کر دوسری دیوار کی اینٹوں کو ہاتھ سے پیچھے کی طرف دھکیلا...... یہ اینٹیں بڑی مضبوطی سے لگی ہوئی تھیں...... کوئی بھی پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا...... عمران نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر پتھروں کو تین چار دفعہ زور سے پیچھے کی طرف دھکیلا...... دوسری اینٹ بھی اپنی جگہ سے ہل گئی...... اس کے آگے کا مرحلہ بڑا خطرناک تھا...... وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اینٹ اکھڑ کر دوسری طرف گرے...... خدا جانے دوسری طرف کیا تھا...... اینٹ کے گرنے سے ضرور شور پیدا ہوگا اور جیل کے پہریداروں کو فوراً علم ہو جائے گا کہ فلاں کوٹھڑی کی دیوار میں سینڈھ لگائی جا رہی ہے، مگر اینٹ کو اکھاڑنا بھی ضروری تھا، مگر اس طرح اکھاڑنا تھا کہ اینٹ باہر کی طرف گرنے کی بجائے اندر کی طرف گرے۔

عمران بنچ پر آکر لیٹ گیا۔

اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی...... فرش پر سے اٹھتے ہوئے اس نے سامنے والی اکھڑی ہوئی اینٹ واپس دیوار میں جوڑ دی تھی اور فرش پر جو تھوڑا سا پلستر بکھرا ہوا تھا اسے ہاتھ سے دیوار کے ساتھ پھیلا دیا تھا...... نیلی پوش گارڈ دروازے کی سلاخوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا...... عمران نے تھوڑی سی آنکھیں کھول کر دیکھا...... گارڈ کوٹھڑی میں غور سے دیکھ رہا تھا...... اس کے بعد وہ چلا گیا اور کوٹھڑیوں کے آگے راہداری میں اس نے دوبارہ گشت لگانی شروع کر دی...... اس کا مطلب تھا کہ آدھی رات کے بعد صرف ایک گھنٹے کا وقفہ ایسا آتا تھا جس میں راہداری بالکل خالی ہوتی تھی اور کوئی گارڈ گشت نہیں لگاتا تھا...... ہر پانچ چھ منٹ کے بعد گارڈ کوٹھڑی کے آگے سے ٹہلتا ہوا گزر جاتا تھا۔

اب کموڈ کی عقبی دیوار کو کھرچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... عمران نے یہ کام اگلی رات کے لئے ملتوی کر دیا...... بیچ میں ایک بار وہ اٹھ کر دیوار کے پاس گیا اور کموڈ پر بیٹھ کر یہ ظاہر کیا کہ وہ رفع حاجت کے لئے بیٹھا ہے لیکن حقیقت میں اس نے دیوار کے نیچے فرش پر بکھرے ہوئے پلستر کے ذرات کو اور زیادہ پھیلا کر صاف کر دیا تھا اور دیوار کی پتھریلی اینٹ کو بھی اس طرح دیوار میں لگا دیا تھا کہ دن کے وقت اگر کوئی آکر اسے دیکھے تو اسے ذرا سا بھی شک نہ ہو کہ اس جگہ سے اینٹ کو اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہے...... عمران واپس آکر بنچ پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا...... کچھ دیر کے بعد اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گیا۔

صبح اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب گارڈ نے سلاخوں پر زور زور سے تین چار مرتبہ ڈنڈا مارا...... وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...... راہ داری میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... نیلی پوش گارڈ اسے گھورتا ہوا آگے نکل گیا...... وہ بنچ پر اٹھ بیٹھا تھا...... اس نے دوسری کوٹھڑیوں کی سلاخوں پر بھی گارڈ کے ڈنڈے مارنے کی آواز سنی...... اس کا مطلب تھا کہ عمران کی کوٹھڑی کے علاوہ دوسری کوٹھڑیوں میں بھی قیدی موجود تھے...... سلاخوں پر ڈنڈے مارنے کی دو بار آواز آئی تھی...... اس قطار میں عمران کے علاوہ دو اور قیدی بھی تھے...... کچھ دیر کے بعد جیل کا ایک ملازم عمران کو ایک باسی روٹی اور پتلی چائے دے گیا...... عمران نے ناشتہ زہر مار کیا...... آدھے گھنٹے کے بعد نیلی پوش گارڈ آیا...... اس نے تالا کھول دیا اور عمران سے کہا۔

"باہر آجاؤ"۔

عمران خاموشی سے اٹھ کر کوٹھڑی سے باہر آگیا...... راہ داری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو اور قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں کے باہر کھڑے تھے...... دو نیلی پوش سپاہی ان کی نگرانی کر رہے تھے...... جب عمران بھی باہر آگیا تو سپاہی ان تینوں کو اپنے درمیان میں لے کر راہ داری میں سے گزرتے ہوئے جیل کے پچھواڑے آگئے......

یہاں ایک کشادہ صحن تھا...... دھوپ نکلی ہوئی تھی...... صحن کی دیوار کے اوپر مچان پر مسلح سپاہی اپنے مشین گن کے مورچے میں بیٹھے صحن کی طرف دیکھ رہے تھے...... صحن میں چھ سات اور بھی قیدی تھے جو ان سے پہلے وہاں ٹہل رہے تھے...... نیلی پوش سپاہی نے عمران سے کہا۔

"تمہیں ایک گھنٹہ چلنے پھرنے کے لئے دیا جاتا ہے"۔

اتنا کہہ کر سپاہی صحن کے بڑے گیٹ کے پاس دوسرے سپاہیوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا...... یہ کل چھ سپاہی تھے...... ہر سپاہی کے پاس سٹین گن تھی...... وہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے قیدیوں کو مسلسل دیکھ رہے تھے...... قیدی ادھر ادھر صحن میں ٹہلنے لگے...... عمران بھی صحن میں ٹہلنے لگا...... وہ آدھے گھنٹے تک ٹہلتا رہا...... اس دوران قیدی ایک دوسرے کے قریب آکر آپس میں باتیں بھی کر لیتے تھے...... سپاہیوں نے قیدیوں کے آپس میں باتیں کرنے پر کوئی اعتراض نہ کیا...... یہ ایک حوصلہ افزا بات تھی...... کم از کم اس طرح سے قیدیوں کو تنہائی کا احساس نہیں رہتا تھا...... شاید اس لئے جیل کے حکام بالا نے قیدیوں کو آپس میں بات چیت کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

عمران کا وہاں کوئی قیدی واقف نہیں تھا...... وہ کس سے بات کرتا، لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی قیدی سے بات چیت کر کے اپنا جی بہلائے اور مہر خاموشی کو توڑے...... اس نے ٹہلتے ٹہلتے دوسرے قیدیوں کا جائزہ لیا...... تقریباً سبھی قیدی نوجوان تھے...... صرف ایک قیدی ان میں پختہ عمر کا تھا...... اس کے سر کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی...... چہرے پر دانا اور پختہ عمر کے آدمیوں والی متانت تھی...... ایسے لگتا تھا کہ یہ کافی مدت سے اس جیل خانے میں رہ رہا ہے...... یہ آدمی ٹہلتے ٹہلتے ایک طرف ہٹ کر پتھر کی سل پر بیٹھ گیا...... شاید وہ تھک گیا تھا...... عمران کو باتیں کرنے کے لئے یہ آدمی پسند آگیا...... وہ ٹہلتے ٹہلتے اس کے قریب گیا اور پھر یہ ظاہر کیا کہ وہ تھک گیا ہے...... کھڑے کھڑے عمران نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ پھیرا اور پختہ عمر کے

قید ۔ے قریب ہی بیٹھ گیا اور سر جھکا لیا...... وہ سپاہیوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ پختہ عمر کے قیدی سے بات چیت کرنے کے لئے نہیں بیٹھا بلکہ اس لئے بیٹھ گیا ہے کہ چلتے چلتے تھک گیا ہے۔

عمران نے قیدی کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے کہا۔

"سر! میرا نام عمران ہے"۔

پختہ عمر کے قیدی نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا...... پھر آہستہ سے کہا۔

"میرا نام وکٹر ہے...... تمہیں کس جرم میں قید کیا گیا ہے؟"۔

عمران نے پہلے سے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس بوڑھے قیدی سے کچھ نہیں چھپائے گا...... وہاں اصل بات کو چھپانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا...... اس نے کہا۔

"مجھ پر پاکستان کی جاسوسی کرنے کا الزام ہے...... یہ لوگ مجھے پوچھ گچھ کرنے کے لئے یہاں لائے ہیں"۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

"میرے قریب آجاؤ...... سپاہی قیدیوں کے آپس میں بات چیت کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتے"۔

عمران آہستہ سے وکٹر کے قریب ہو گیا...... بوڑھا وکٹر کہنے لگا۔

"بس ایک بات کا خیال رکھنا کہ بات چیت کرتے وقت میری طرف زیادہ مت دیکھنا...... اپنا دھیان بالکل سامنے رکھنا...... تاکہ سپاہیوں پر یہی ظاہر ہو کر ہم دونوں بڑی بے زاری اور مجبوری کی حالت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے ہیں"۔

عمران نے ایسا ہی کیا...... بوڑھا وکٹر کہنے لگا۔

"یہاں جیل کے افسروں نے اپنا ایک مخبر قیدی بھی چھوڑ رکھا ہے...... اس کا ...گ ہے...... وہ دیکھو وہ سامنے دبلے پتلے قیدی کے ساتھ ٹہل رہا ہے...... اس آدمی ... طرح سے دیکھ لو...... اس کے آگے اپنے دل کی بات ہرگز نہ کرنا"۔

عمران نے کہا۔

"مجھے کیسے یقین آئے کہ آپ بھی جیل کے افسروں کے مخبر نہیں ہیں"۔

بوڑھے قیدی نے کہا۔

"میں اگر مخبر ہوتا تو تمہارے ساتھ بات کرنے میں پہل کرتا...... میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ تم نے شروع کی تھی اور پھر میرے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ میرا تعلق انڈین گورنمنٹ کی مخالف پارٹی یعنی کمیونسٹ پارٹی کے انقلابی گروپ سے ہے اور حکومت نے مجھے بغاوت کے جھوٹے الزام میں پکڑ کر یہاں قید کر رکھا ہے اور حکومت کی مخالف پارٹی کا آدمی جیل کے افسروں کا مخبر نہیں ہو سکتا"۔

عمران نے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے بوڑھے قیدی سے پوچھا۔

"آپ کتنی دیر سے یہاں قید ہیں؟"۔

"مجھے یہاں پندرہ سال ہو گئے ہیں...... جب یہاں آیا تھا تو میرا ایک بھی بال سفید نہیں تھا...... اب آدھے سے زیادہ بال سفید ہو گئے ہیں...... جیل کا کوئی بھی مخبر اتنی دیر تک جیل میں قید نہیں رہ سکتا"۔

عمران نے آہستہ سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ پر شک کیا...... میں معافی چاہتا ہوں"۔

بوڑھے قیدی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں...... یہ بتاؤ کہ تم پاکستان کے رہنے والے ہو یا ہندوستان کے مسلمان ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں رہنے والا پاکستان کا ہی ہوں، مگر میں جاسوس نہیں ہوں...... میں مجاہد ہوں اور کشمیر کے جہاد میں حصہ لینے کے لئے بھارت میں بارڈر کراس کر کے آیا تھا کہ پکڑا گیا...... ان لوگوں نے مجھے آج کے دن کی مہلت دی ہے...... اگر میں نے یہ جھوٹا

اعتراف نہ کیا کہ میں پاکستانی جاسوس ہوں اور انہیں یہ نہ بتایا کہ میرے ساتھی فلاں فلاں جگہوں پر روپوش ہیں تو یہ لوگ مجھے شوٹ کر دیں گے“۔

بوڑھے قیدی نے گہرا سانس بھر کر آسمان کی طرف دیکھا...... پھر اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرنے کے بعد دھیمی آواز میں بولا۔

”یہ تمہیں اتنی جلدی نہیں ماریں گے...... میں ان کی ذہنیت سے واقف ہوں، کیونکہ جو معلومات انہیں تم سے مل سکتی ہیں اور کسی سے نہیں مل سکتیں ہاں...... یہ تمہیں تمہاری زندگی کے آخری سانس تک اذیتیں دیں گے کہ شاید اب بھی تم انہیں کچھ بتادو...... ان کے لئے تمہیں مار دینا بڑا آسان ہے...... لیکن وہ یہ جانتے ہیں کہ تمہیں مارنے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا“۔

عمران نے کہا۔

”مگر میرے پاس تو انہیں بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے...... جہاد کشمیر میں حصہ لینے کے لئے پاکستان سے اکیلا آیا تھا...... مجھے حکومت پاکستان نے بھی نہیں بھیجا تھا...... میں محض اسلام کے ناطے اور اپنے مظلوم کشمیری مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے اپنے طور پر آیا تھا...... میں انہیں کیا بتا سکتا ہوں...... مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں“۔

بوڑھا قیدی وکٹر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

”تم ایک کام کرو“۔

”وہ کیا؟“ عمران نے پوچھا۔

وکٹر نے کہا۔

”تم ان لوگوں کے تشدد سے جان بچانے کے لئے جھوٹ موٹ تین چار ساتھیوں کا نام لے لو اور ان کے پتے بھی غلط بتادو“۔

عمران نے کہا۔

”اس طرح جب میرے جھوٹ کا پول کھلا تو وہ اور زیادہ سنگدلی سے مجھ پر تشدد

کریں گے“۔

بوڑھا قیدی بولا۔

”تم کہہ دینا کہ میرے ساتھی وہاں سے چلے گئے ہوں گے...... اس میں میرا کیا قصور ہے...... انہیں تلاش کرنا آپ کا کام ہے“۔

عمران نے بڑی رازداری سے پوچھا۔

”کیا یہاں سے فرار نہیں ہوا جا سکتا؟“۔

بوڑھے قیدی نے ایک نگاہ اپنے دائیں اور بائیں جانب ڈالی اور دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

”اگر تم خونخوار شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے بھرے ہوئے سمندر کے ایک میل کے ٹکڑے کو تیر کر عبور کر سکتے ہو تو یہاں سے فرار ہو سکتے ہو“۔

”کیا مطلب؟“ عمران نے پوچھا۔

بوڑھے قیدی وکٹر نے کہا۔

”اس جیل کے اردگرد ایک میل چوڑی سمندر کی کھاڑی ہے...... اس کھاڑی میں دنیا کی سب سے زیادہ خونخوار شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں کو لاکر چھوڑ دیا گیا ہے...... اب تک صرف تین قیدیوں نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور تینوں کی شارک مچھلیوں نے تکا بوٹی کر دی تھی...... تینوں قیدیوں کے جسم کے کٹے ہوئے پاؤں اور سر کی کھوپڑیاں جو شارک مچھلیوں نے نہیں کھائی تھیں جیل کے آدمیوں نے لاکر جیل کے دروازے پر لٹکا دی تھیں...... اس کے بعد کسی قیدی کو یہاں سے بھاگنے کی جرات نہیں ہوئی“۔

عمران نے پوچھا۔

”کیا یہاں سے فرار کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی؟“۔

بوڑھے قیدی نے کہا۔

"ٹہلنے کا وقت ختم ہو گیا باقی باتیں کل ہوں گی"۔

سپاہیوں نے باری باری تین بار سیٹیاں بجائیں اور سارے قیدی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے...... قطار کی دونوں جانب اور پیچھے مسلح سپاہی کھڑے ہو گئے اور قیدیوں کو مارچ کراتے ان کی کوٹھڑیوں کی طرف لے کر چل دیئے...... اپنی کوٹھڑی میں آ کر عمران بنچ پر لیٹ گیا اور وہاں سے فرار کے بارے میں سوچنے لگا...... شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے بچنے کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی...... شارک مچھلی کے قابو آیا ہوا آدمی بڑی اذیت ناک موت مرتا ہے...... شارک مچھلی آدمی کو آدھا منہ میں دبا کر زور زور سے تین چار جھٹکے دیتی ہے جس سے آدمی کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں...... اس کے بعد وہ بدنصیب شخص کو دو دو سیر گوشت کا نوالہ بنا کر نگلنا شروع کر دیتی ہے، مگرمچھ آدمی کو ٹانگوں یا سر کی طرف سے اپنے نوکیلے دانتوں میں دبوچ کر پانی کے نیچے لے جاتا ہے اور اس وقت تک آدمی کو پانی کے نیچے دبائے رکھتا ہے جب تک کہ اس کی جان نہیں نکل جاتی...... اس کے بعد وہ آدمی کی مردہ لاش کو پانی کی تہ کے کیچڑ میں دبا دیتا ہے...... تا کہ لاش پھول کر گل سڑ جائے...... جب لاش پھول کر گل سڑ جاتی ہے تو مگرمچھ آدمی کو سالم کا سالم نگل جاتا ہے۔

عمران نے خوف کے مارے ایک جھرجھری سی لی اور منہ دیوار کی طرف کر کے آنکھیں بند کر لیں...... رات کو جیل کے نیلی پوش دو افسر اس سے پوچھ گچھ کرنے آ گئے...... انہوں نے عمران سے پوچھا کہ اس کے ساتھی کہاں روپوش ہیں اور وہ کہاں کہاں دہشت گردی کرنے والے ہیں...... عمران نے کہا کہ اسے کچھ معلوم نہیں... اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے...... وہ اکیلا ہی تھا...... اس کوٹھڑی میں اس کے پاؤں دیوار میں لگے لوہے کے کڑوں میں پھنسا کر الٹا لٹکا دیا گیا...... کچھ دیر تو عمران کو کچھ محسوس نہ ہوا...... اس کے بعد جیسے اس کے جسم کا سارا خون اس کی آنکھوں کے راستے باہر نکلنے کی جدوجہد کرنے لگا...... ایک سپاہی نے چھڑی سے عمران کی کھوپڑی پر آہستہ آہستہ

ضربیں لگانی شروع کر دیں، لیکن عمران نے زبان نہ کھولی اور جبران اور دلی والے حاجی صاحب اور بمبئی کے سیٹھ ستار کے بارے میں کچھ نہ بتایا...... جب عمران بے ہوش ہو گیا تو اسے نیچے اتار لیا گیا اور اسے بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر دونوں افسر واپس چلے گئے...... کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد عمران کو ہوش آیا...... اس کی کھوپڑی جگہ جگہ سے دکھ رہی تھی...... یہ اذیت اس نے پہلی بار دیکھی تھی...... ساری رات وہ درد سے بے حال رہا...... صبح کے وقت اسے نیند آ گئی...... جب سلاخوں پر ڈنڈے مارنے کے شور سے اس کی آنکھ کھلی تو اس کا سر جیسے جکڑا ہوا تھا...... وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا...... اسے باسی روٹی اور چائے دی گئی...... گرم چائے پینے سے اس کے جسم میں تھوڑی سی چستی آ گئی...... اس کے بعد قیدیوں کو ٹہلانے کا وقت آ گیا...... عمران کبھی ٹہلنے کے لئے نہ جاتا مگر اسے امید تھی کہ بوڑھے قیدی سے مل کر اسے ضرور فرار کی کوئی نئی راہ مل جائے گی۔

ہسپتال کے عقبی صحن میں سارے قیدی آ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔

بوڑھا قیدی وکٹر بھی ٹہلنے کے لئے آ گیا تھا...... عمران کچھ دیر ٹہلنے کے بعد بوڑھے وکٹر کے قریب آ گیا...... دونوں اپنی کل والی جگہ پر بیٹھ گئے...... عمران نے اسے بتایا کہ رات جیل کے دو افسروں نے پوچھ گچھ کے دوران اسے الٹا لٹکا کر سخت اذیت دی تھی...... بوڑھا وکٹر ذرا سا کھانس کر بولا۔

"یہ کوئی اذیت نہیں ہے...... وہ تمہیں ایسی ایسی اذیتیں دیں گے کہ تم درد کی شدت سے بلبلا کر موت کی تمنا کرو گے مگر یہ لوگ تمہیں مرنے نہیں دیں گے...... تمہیں ایسے ایسے سانپوں اور بچھوؤں سے ڈسایا جائے گا کہ جن کے زہر سے آدمی مرتا نہیں لیکن درد سے بے حال ہو کر دیواروں سے سر ٹکراتا پھرتا ہے مگر درد سے نجات نہیں ملتی"۔

عمران کہنے لگا۔

"میں نے عہد کر لیا ہے کہ میں ہر حالت میں یہاں سے فرار ہو کر رہوں گا......

مجھے یقین ہے کہ شارکوں اور مگرمچھوں سے بھری ہوئی سمندری کھاڑی کو عبور کر لو
گا...... میں بڑا اچھا تیراک ہوں"۔

بوڑھا قیدی وکٹر کچھ نہ بولا...... بس خاموش بیٹھا رہا...... عمران نے جب دیکھا
وکٹر کوئی بات نہیں کر رہا اور خاموش ہو گیا ہے تو اس نے پوچھا۔

"کیا یہاں کوئی ایسی کشتی نہیں مل سکتی جس پر سوار ہو کر یہ خونی کھاڑی عبور
جا سکے؟"۔

وکٹر بولا۔

"یہ مگرمچھ اور شارکیں آدم خور ہیں...... یہ آدمی کی بو سونگھ کر آتی ہیں اور کش
کے ٹکڑے اڑا دیتی ہیں اور اس میں سوار آدمی کو ہڑپ کر جاتی ہیں...... ویسے بھی
کھاڑی میں کبھی کوئی کشتی نہیں دیکھی...... صرف سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں"۔

عمران نے پوچھا۔

"یہ کون سا علاقہ ہے...... یہ نیلی پوش جیل کے لوگ آپس میں عجیب و غریب
زبان میں بات چیت کرتے ہیں"۔

وکٹر نے کہا۔

"یہ بھارت کے جنوبی صوبے کیرالہ کا علاقہ ہے...... یہ لوگ کنٹر زبان بولتے
ہیں...... اس کی مشرق کی جانب صوبہ تامل ناڈو ہے جس کا صدر مقام مدراس ہے
اس کے اوپر کرناٹک کا صوبہ ہے جس کا دارالحکومت بنگلور ہے...... بھارت کی اس جنوبی
تکون کی دونوں جانب سمندر ہے"۔

عمران خاموش ہو گیا، چند لمحے توقف کے بعد بوڑھے وکٹر نے عمران سے سوال کیا

"اگر فرض کر لیا تمہیں کوئی ایسا فارمولا بتا بھی دیا جائے جس کی مدد سے تم آ
خور شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے محفوظ رہ سکو لیکن یہ بتاؤ کہ تم اپنی سلاخوں
کوٹھڑی سے نکلو گے کیسے؟ سمندری کھاڑی تک پہنچو گے کیسے؟"۔

عمران کو کچھ امید کی ہلکی سی روشنی نظر آنے لگی...... اس نے کہا۔

"وہ میں ابھی کسی کو نہیں بتا سکتا کہ میں اپنی کوٹھڑی سے نکل کر سمندری کھاڑی
تک کیسے پہنچوں گا لیکن میں اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنی پھانسی کی
کوٹھڑی سے نکل آؤں گا...... آپ مجھے وہ فارمولا بتا دیں جس سے میں شارک مچھلیوں
اور مگرمچھوں کے حملے سے محفوظ رہ سکتا ہوں"۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

"تمہارا کیا پتہ کہ اگر تم فرار ہوتے ہوئے پکڑے گئے تو میرا نام لے دو کہ مجھے
وکٹر نے فارمولا بتایا تھا...... یہ لوگ تو مجھے اسی وقت شوٹ کر دیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں مسلمان ہوں اور ایک خدا پر ایمان رکھتا ہوں، میں اسی ایک خدا کی قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ اگر فرار کی کوشش کرتے ہوئے میں پکڑا گیا تو خواہ یہ لوگ میرے
جسم کے ٹکڑے کر دیں میری زبان پر آپ کا نام نہیں آئے گا...... اس سے زیادہ میں
آپ کو اور کسی طرح یقین نہیں دلا سکتا"۔

بوڑھے قیدی نے عمران سے کہا۔

"اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ...... ذرا ٹہلتے ہیں"۔

دونوں قیدی کھڑے ہو گئے اور صحن میں آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر ٹہلنے لگے......

بوڑھے قیدی نے کہا۔

"مجھے تم پر یقین آ گیا ہے...... سنو...... اب میں تمہیں وہ فارمولا بتاتا ہوں جس
کی مدد سے تم شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں سے بچ سکو گے...... دھرم پن نام کا ایک
بوڑھا یہاں جیل کا پرانا باورچی ہے...... وہ کسی زمانے میں اس علاقے کا بڑا مشہور ڈاکو ہوا
کرتا تھا...... حکومت نے اسے پکڑ کر اس جیل میں بند کر دیا...... دھرم پن نے یہاں
سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا...... اس نے آدھی زندگی کیرل کے جنگلوں میں گزاری

تھی...... اسے ایک جوگی نے ایک بار بتایا تھا کہ اگر آدمی شارک اور مگرمچھ کی چربی کا تیل بنا کر اپنے جسم پر اس کی مالش کرلے تو اس کی بو کی وجہ سے شارک اور مگرمچھ اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکیں گے...... تیل کی تیز بو محسوس کرتے ہی اس آدمی سے دور بھاگ جائیں گے، مگر دھرم پن کو وہ تیل استعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور دو سال بعد ہی عدالت نے اس کی باقی کی سزا معاف کر دی، لیکن اس کا جی جیل میں لگ گیا تھا...... چنانچہ اسے بطور باورچی کے جیل کی رسوئی میں ملازم رکھ لیا گیا...... اسے بہت اچھی تنخواہ ملتی ہے...... وہ روز صبح سٹیمر پر آتا ہے اور شام کو واپس اپنے گھر چلا جاتا ہے...... جیل والوں کی جانب سے اسے بڑی سہولتیں میسر ہیں...... میرا وہ دوست بن گیا ہے...... یہ تیل اب بھی اس کے پاس ہے...... میں اس سے تیل کسی بہانے سے لے آؤں گا...... اگر تم پھانسی کی کوٹھڑی سے نکل سکتے ہو تو اس کے بعد وہ تیل اپنے بدن پر مل کر سمندر میں اتر جانا اور سمندر پار کر کے فرار ہو جانا...... اتنا مجھے یقین ہے کہ تیل کی وجہ سے آدم خور شارکیں اور مگرمچھ تمہارے قریب نہیں آئیں گے...... ویسے تم سمندر میں اترنے کے بعد دیکھ لینا...... اگر کوئی شارک تم سے بھاگ گئی تو سمجھ لینا کہ یہ فارمولا کامیاب ہو گیا ہے...... کیا تم ایسا کر سکو گے؟"۔

عمران نے کہا۔

"اس پھانسی گھر میں رہ کر سسک سسک کر مرنے سے بہتر ہے کہ میں اس فارمولے کو آزمانے کی کوشش کروں...... اگر شارک نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو میں سمندر سے باہر نکل آؤں گا...... اس کے بعد فرار کا کوئی دوسرا منصوبہ سوچوں گا"۔

بوڑھے قیدی نے عمران سے پوچھا۔

"اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی کوٹھڑی سے کیسے باہر نکلو گے...... ہو سکتا ہے میں تمہیں کوئی مفید مشورہ دے سکوں"۔

عمران نے بوڑھے وکٹر کو اپنا خیر خواہ پا کر سب کچھ بتا دیا کہ اس نے کوٹھڑی کی دیوار میں سوراخ کر لیا ہے اور وہ اسے چوڑا کر کے وہاں سے باہر نکل جائے گا۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ کوٹھڑی کی دیوار کے پیچھے کیا ہے؟"۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

"اگر تم دیوار کے شگاف میں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں وہاں بہت سے ایک دوسرے کے قریب سے گزرتے ملیں گے...... ان کے درمیان میں ایک سب بڑا سیمنٹ کا پائپ ہے جس میں سے جیل کا گندا پانی سمندر میں جا کر گرتا ہے...... اس میں بیس فٹ کے فاصلے پر ایک گول ڈھکن لگا ہوا ہے...... تم اس ڈھکن کو کھول کر میں اتر جانا...... وہ پائپ تمہیں کھاڑی کے سمندر میں پہنچا دے گا"۔

اتنے میں سیٹیاں بجنے لگیں...... قیدیوں کے ٹہلنے کا وقت ختم ہو گیا تھا...... عمران ھے قیدی کو خدا حافظ کہہ کر اپنی کوٹھڑی میں واپس آ گیا...... جاتے ہوئے بوڑھے ڑ نے عمران سے کہا تھا۔

"میں فارمولے والے تیل کو دھرم پن سے کسی نہ کسی بہانے حاصل کرنے کی ی کوشش کروں گا"۔

عمران کو امید کی روشنی نظر آنے لگی تھی...... وہ اس منحوس زندہ لوگوں کے ستان سے آزاد ہو سکتا تھا...... بس ذرا ہمت اور عقلمندی کی ضرورت تھی...... عمران دونوں چیزوں سے کام لے سکتا تھا...... اس رات اس پر تشدد نہ کیا گیا...... کوئی اس ے پوچھ گچھ کرنے بھی نہ آیا...... دوسرے دن جیل کے صحن میں بوڑھے وکٹر سے قات ہوئی تو وہ کہنے لگا۔

"میں نے آج دھرم پن سے مگرمچھ کے تیل کے بارے میں بات کی تھی...... اس کے پاس موجود ہے مگر اس نے اسے اپنے گھر پر رکھا ہوا ہے...... اس نے وعدہ

کیا ہے کہ وہ کل یہ تیل اپنے ساتھ لیتا آئے گا"۔

عمران نے کہا۔

"اس نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کو اس تیل کی کیسے ضرورت پڑ گئی"۔

بوڑھا وکٹر بولا۔

"اس کو تم چھوڑو...... بہر حال اسے یہ نہیں معلوم ہوا کہ کوئی قیدی اس جیل سے بھاگ رہا ہے"۔

وہ دن بھی گزر گیا...... رات بھی گزر گئی...... انٹیلی جنس والوں نے بھی شاید اسے دو ایک دن کی مہلت دے دی تھی...... انہوں نے بھی دوسرے روز پوچھ گچھ نہ کی...... دوسرے روز عمران دوسرے قیدیوں کے ساتھ قطار بنا کر ٹہلنے کے واسطے جیل کے صحن میں آیا تو بوڑھا قیدی وکٹر وہاں موجود تھا اور ایک طرف اکیلا چہل قدمی کر رہا تھا...... کچھ دیر ٹہلنا بہت ضروری تھا...... اس کے بعد جب دوسرے قیدی بھی تھوڑا آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے تو عمران بھی دیوار کے پاس آ کر بیٹھ گیا...... تھوڑی دیر بعد بوڑھا وکٹر بھی اس کے پاس آ گیا...... اس سے پہلے کہ عمران اس سے تیل کے بارے میں پوچھتا...... بوڑھے وکٹر نے سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے عمران سے کہا۔

"تمہارا تیل میرے پاس موجود ہے"۔

اس نے قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نیلے رنگ کی ایک چھوٹی شیشی نکال کر آہستہ سے عمران کی طرف کھسکا دی...... عمران نے یہ تسلی کر لینے کے بعد کہ کوئی سپاہی ان کی طرف نہیں دیکھ رہا...... شیشی اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لی...... بوڑھا وکٹر بولا۔

"یہ اصل میں مگرمچھوں اور شارک کی چربی ہے...... جسے پگھلا دیا گیا ہے...... یہ کافی گاڑی ہے...... تمہارے پورے جسم کے لئے یہ کافی ہو گی...... اسے اپنے جسم پر اچھی طرح سے مالش کرنے کے بعد بے شک کپڑے پہن لینا...... اس کی تاثیر اور بو میں کوئی فرق نہیں پڑے گا"۔

عمران نے آہستہ سے بوڑھے وکٹر کا شکریہ ادا کیا۔

پھر وکٹر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کیا تم نے آج رات فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"۔

عمران بولا۔

"ابھی تک تو یہی فیصلہ کیا ہے...... آگے خدا کو جو منظور ہو"۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

"آج کل چاندنی راتیں نہیں ہیں...... اندھیری رات میں تم سمندری کھاڑی سے نکل جاؤ گے...... تمہیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا...... رات کو کسی کسی وقت مچان سے سمندر پر سرچ لائٹ کی روشنی گھمائی جاتی ہے...... اس کا خیال رکھنا...... روشنی کا دائرہ تمہاری طرف آئے تو پانی میں ڈبکی لگا جانا"۔

عمران بولا۔

"اگر میں صحیح سالم دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا"۔

بوڑھے وکٹر نے کہا۔

"اس میں احسان وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے...... اگر ہم ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو پھر کون ہمارے کام آئے گا...... تم فرار ہونے کے بعد کس طرف جاؤ گے؟"۔

عمران بولا۔

"میں دلی واپس جانا چاہتا ہوں"۔

"کیا تمہارے پاس ٹکٹ کے پیسے ہیں؟"۔

عمران نے کہا۔

"میرے پاس صرف ایک سو روپے کا نوٹ ہے جو میں نے اپنی پتلون کی خفیہ جیب میں چھپا کر رکھا ہوا ہے"۔

"ٹھیک ہے" بوڑھا وکٹر بولا۔

پھر اس نے عمران کو بتایا کہ کھاڑی کے دوسرے کنارے پر ایک جگہ ناریل کے بہت سے درخت ساتھ ساتھ کھڑے ہیں...... ان کے قریب سے ایک چھوٹی سڑک پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن کی طرف جاتی ہے...... یہ سڑک ایک گھنے جنگل میں سے گزرتی ہے اور راستے میں ایک دریا کا پل بھی عبور کرنا پڑتا ہے۔

"جب تم دریا کا پل عبور کرلو گے تو تمہیں دور ریلوے سٹیشن کی روشنیاں نظر آئیں گی...... یہ پال گھاٹ کا سٹیشن ہو گا...... وہاں سے تمہیں بنگلور، حیدر آباد، دکن، بنگلور شولاپور، بمبئی جانے والی کوئی نہ کوئی گاڑی مل جائے گی...... شمال کی طرف جانے والی کوئی بھی گاڑی ملے اس میں بیٹھ جانا...... تاکہ تم جتنی جلدی ہو سکے اس علاقے سے نکل جاؤ، کیونکہ جس وقت یہاں کے لوگوں کو تمہارے فرار کا علم ہو گیا...... پولیس اسی وقت ریلوے سٹیشن کو گھیرے میں لے کر تلاشیاں شروع کر دے گی"۔

عمران نے کہا...... "میں ایسا ہی کروں گا"۔

اگرچہ عمران نے اسی رات فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ رات کو وہاں سے بھاگ رہا ہے...... اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں سیکورٹی اس قدر سخت تھی کہ کوئی قیدی فرار کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن عمران فیصلہ کر چکا تھا...... شام کے وقت وہ کوٹھڑی میں پتھر کے بنچ پر لیٹا اپنے فرار کے منصوبے کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا...... فرار کا صرف ایک ہی مرحلہ بڑا خطرناک تھا اور یہ مرحلہ کھاڑی کے سمندر کو تیر کر پار کرنے کا مرحلہ تھا...... اگرچہ کمانڈو عمران بڑا اچھا تیراک تھا اور فوج میں کئی میڈل حاصل کر چکا تھا لیکن اسے اس ایک خیال سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر عین وقت پر تیل دھوکا دے گیا اور اس کی تیز بو کا خونخوار شارک مچھلیوں اور آدم خور مگر مچھوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو پھر کیا ہو گا؟"۔

لیکن دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا...... اسے یہ خطرہ مول لینا ہی تھا...... تیل کی شیشی

اس نے لیٹرین کی چار فٹ اونچی دیوار کے پیچھے کموڈ کے پاس چھپا کر رکھ دی تھی۔

وہ دعا مانگنے لگا کہ رات کو پوچھ گچھ کرنے کے لئے کوئی نہ آجائے...... ایسی صورت میں وہ رات کو فرار نہیں ہو سکتا تھا...... خدا کا بڑا کرم ہوا اس رات بھی پوچھ گچھ کرنے کوئی نہ آیا...... رات کو ایک جمعدار آکے باسی روٹی اور دال دے کر چلا گیا...... اس نے کھا پی کر برتن دروازے کی سلاخوں کے پاس رکھ دیئے جہاں سے صبح جمعدار نے اٹھا کر لے جانے تھے...... اس کے پاس صرف پون گھنٹہ تھا...... یعنی آدھی رات کے بعد جب نیلی پوش پہرے دار سپاہی ڈیوٹی آف کر کے چلا جاتا تھا اور اس کی جگہ دوسرا سپاہی ڈیوٹی پر آتا تھا...... ڈیوٹی کی بدلی میں پون گھنٹے کا وقفہ ملتا تھا جب راہداری میں کوئی پہرے دار نہیں ہوتا تھا...... اس وقفے کے دوران عمران کو دیوار میں اتنا شگاف بنانا تھا کہ وہ اس میں سے گزر سکے...... ایک اینٹ اس نے پہلے سے اکھاڑ رکھی تھی...... دوسری اینٹ اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تھی...... اس اینٹ کو دھکیل کر دوسری طرف گرانا تھا اور اس کے بعد سوراخ کو ایک آدمی کے گزرنے کے برابر چوڑا کرنا تھا۔

نیند اسے نہیں آ رہی تھی...... نیلی پوش سپاہی راہداری میں ٹہل رہا تھا...... اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ اندر جھانک کر عمران کو بنچ پر سوئے ہوئے دیکھ جاتا تھا، مگر عمران سویا ہوا نہیں تھا...... وہ جاگ رہا تھا...... اسے آدھی رات کے گزرنے کا انتظار تھا...... گھڑی اس کے پاس نہیں تھی...... اسے صرف اندازے سے کام لینا تھا...... ہر تین چار منٹ کے بعد گارڈ اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتا تھا...... جب ایک بار وہ اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرنے کے بعد دس بارہ منٹ تک واپس نہ آیا تو عمران سمجھ گیا کہ رات آدھی گزر گئی ہے اور گارڈ کی بدلی کا ٹائم ہو گیا ہے...... اس نے مزید دو منٹ انتظار کیا...... جب اس دوران بھی سپاہی راہداری میں نمودار نہ ہوا تو وہ آہستہ سے اٹھا اور کموڈ کے پاس آکر اندھیرے میں بیٹھ گیا...... اس نے بڑی احتیاط سے دیوار کی اینٹ اتار کر نیچے رکھ دی...... پھر دیوار کے سوراخ میں ہاتھ

ڈالا...... دوسری اینٹ کو دھکیل کر دوسری طرف گرادیا...... اینٹ کے دوسری طرف گرنے کی ہلکی سی آواز آئی...... عمران جلدی سے اٹھا اور بنچ پر آکر لیٹ گیا...... اس خیال سے کہ اگر اینٹ کے گرنے کی آواز سن کر کوئی سپاہی اس طرف آئے تو وہ اسے بنچ پر سویا ہوا دیکھ کر گزر جائے اور اس پر شک نہ کرے۔

دو منٹ تک جب کوئی سپاہی نہ آیا تو عمران اٹھ کر کموڈ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اس نے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اینٹوں کو بڑی احتیاط کے ساتھ ہلانا شروع کر دیا...... یہ دیواریں پہلے ہی سے بوسیدہ اور خستہ ہو چکی تھیں...... ذرا سی کوشش کے بعد اینٹوں نے اکھڑنا شروع کر دیا...... عمران ایک ایک اینٹ کو اکھاڑتا اور اسے بڑی احتیاط کے ساتھ پکڑ کر اندر کی طرف لا کر کموڈ کے پاس رکھتا جاتا...... دس پندرہ منٹ کے اندر دیوار میں اتنا شگاف پیدا ہو گیا کہ وہ اس میں سے گزر سکتا تھا...... اب اس شگاف میں سے گزرنے کا مرحلہ آگیا...... عمران کو اس قسم کے ایڈونچرز کی باقاعدہ تربیت مل چکی تھی...... بجائے سر کی طرف سے سوراخ میں داخل ہونے کے اس نے پہلے ٹانگیں سوراخ میں داخل کیں...... وہ اوندھا ہو گیا تھا...... جس طرح بچھو الٹا چلتا ہے بالکل اسی طرح عمران دیوار کے شگاف میں اپنی ٹانگیں داخل کرتا گیا...... یہاں تک کہ اس کی ٹانگیں شگاف کے باہر چلی گئیں...... اب وہ پنجوں کے بل پیچھے کی طرف کھسکنے لگا......
جب اس کی ٹانگیں گھٹنوں تک دیوار کی دوسری طرف نکل گئیں تو اس نے دونوں ٹانگوں کو دوسری جانب دیوار کے ساتھ لگایا اور اپنے پاؤں کے پنجوں سے دیوار میں کوئی ایسی جگہ ٹٹولنے لگا جہاں وہ اپنے دونوں پنجے ٹکا سکے...... تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے دیوار میں پنجے لگانے کی جگہ مل گئی...... وہ الٹا چلتے کیکڑے کی طرح دیوار کے سوراخ میں سے گزر گیا اور جب اس کا پورا جسم سوراخ میں سے نکل گیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سوراخ کے کناروں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور نیچے نگاہ ڈالی۔



نیچے گھپ اندھیرا تھا اور کسی جگہ سے پانی کے گرنے کی ترل ترل کی آواز آ رہی ا...... دیوار کی اینٹوں میں پاؤں کے پنجے دبائے اور ہاتھوں سے شگاف کے کناروں کو ضبوطی سے پکڑے وہ دیوار کے ساتھ چمٹا ہوا گردن ذرا سی موڑ کر نیچے اندھیرے میں ہ رہا تھا...... اسے یقین تھا کہ یہ جیل کی پہلی منزل ہی ہے اور نیچے زیادہ گہرائی نہیں ی...... پھر بھی وہ ہاتھ چھوڑ کر نیچے چھلانگ لگانے سے اس وقت تک گریز کرنا چاہتا جب تک کہ اندھیرے میں اسے نیچے زمین یا کوئی چیز دکھائی نہ دے...... وہ اندھیرے ں آنکھیں کھول کھول کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس دوران اس کے ہاتھ ک گئے...... جب اس کے ہاتھوں کی گرفت میں شگاف کے کنارے کو مزید پکڑے نے کی طاقت نہ رہی تو عمران نے اللہ کا نام لے کر ہاتھ چھوڑ دیئے...... اصول کے ابق گرنے سے پہلے اس نے اپنی ٹانگوں کو تھوڑا پیچھے کی جانب جھولا دے دیا تھا...... وہ ایسا نہ کرتا تو وہ پیٹھ کے بل نیچے گرتا اور اس کا سر کا پچھلا حصہ نیچے کسی چیز سے ٹکرا اتا...... پاؤں کو پیچھے جھلا کر گرنے سے ایسا ہوا کہ وہ ہاتھوں کے بل زمین پر گرا...... ں کی خوش قسمتی تھی کہ زمین کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا...... یہی کوئی دس گیارہ فٹ ...... پھر بھی وہ تھوڑا سا پیٹھ کے بل گرا، جس جگہ وہ گرا وہاں چیتھڑوں کا ڈھیر لگا ہوا ...... اسے کوئی چوٹ وغیرہ نہ آئی...... آدمی سامنے کی طرف سے چھلانگ لگائے تو ے آسانی ہوتی ہے لیکن پیٹھ کے بل نیچے گرنے میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں کھوپڑی کا ا حصہ فرش سے نہ ٹکرا جائے۔

یہ گندے مندے کپڑوں کے چیتھڑوں کا ڈھیر تھا...... عمران جلدی سے اٹھا اور اس نے اندھیرے میں دیکھا...... اسے چیزیں دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگی تھیں...... چیتھڑوں کے ڈھیر کے قریب سے چھ سات پائپ فرش پر سے گزر رہے تھے...... وہ ان کے قریب آ گیا...... ان میں ایک پائپ بہت بڑا تھا...... اس کا تین ساڑھے تین فٹ کا قطر ہو گا...... بوڑھے قیدی وکٹر نے کہا تھا کہ تم اس پائپ کے اندر داخل ہو جانا...... یہ گندے پانی کا پائپ ہے جس میں سے گندا پانی آگے جا کر سمندر میں گرتا ہے...... عمران جھک کر بڑے پائپ کے ساتھ ساتھ چلتا گیا...... پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ پائپ کے اوپر ایک گول ڈھکن لگا ہوا تھا...... اسی جگہ سے عمران کو پائپ کے اندر داخل ہونا تھا...... وہ ڈھکن کے پاس پائپ کے اوپر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے لوہے کے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔

یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا...... اسے یہ احتیاط بھی کرنی پڑ رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہو...... کسی طرف کہیں اوپر سے پانی گر رہا تھا جس کی رل ترل رل ترل کی آواز آ رہی تھی...... اس کے سوا وہاں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی...... پائپ کا ڈھکن لوہے کا تھا اور اس کے اوپر درمیان میں ایک کنڈا لگا ہوا تھا...... یہ کنڈا اوپر نہیں اٹھ رہا تھا...... جام ہو گیا ہوا تھا...... عمران پورا زور لگا رہا تھا...... وقت گزرتا جا رہا تھا...... اس دوران اگر اوپر دوسرا گارڈ اپنی ڈیوٹی پر آ گیا تو اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل سکتا تھا اور اس کے بعد شاید اسے کبھی وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ مل سکتا...... عمران نے پورا زور لگا دیا...... آخر ڈھکن میں ذرا سی حرکت پیدا ہو گئی...... بس اس کے تھوڑا سے کھلنے کی ضرورت تھی...... اس کے بعد ڈھکن دو تین بار کوشش کرنے سے اوپر کو اٹھ گیا...... پائپ کے اندر سے ناگوار بو کا بھپکا سا باہر کو نکلا۔

عمران نے ڈھکن والے کناروں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اپنی ٹانگیں پائپ کے اندر کر لیں...... اس کے پاؤں پائپ میں بہتے پانی سے ٹکرائے...... اس نے پائپ

کے ڈھکن کو باہر ہی رہنے دیا اور ہاتھوں کو چھوڑ دیا...... اب وہ پائپ کے اندر تھا...... پائپ کافی کشادہ تھا...... گندا پانی عمران کی پنڈلیوں تک ہی آتا تھا...... اس نے دونوں ہاتھ پائپ کی دیوار سے لگائے اور آہستہ آہستہ پائپ میں آگے کی طرف چلنا شروع کر دیا...... وہ گھپ اندھیرے میں چلتا گیا...... ایک جگہ پائپ مڑ گیا...... پھر سیدھا ہو گیا...... بو کی وجہ سے عمران کا سانس کسی وقت جیسے گھٹنے لگتا لیکن اسے رکنا نہیں تھا...... یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا اور چلتے جانا تھا...... کافی دیر تک چلنے کے بعد پائپ میں سامنے کی جانب سے تازہ ہوا کا ایک جھونکا اس کو چھو کر گزر گیا...... عمران نے خدا کا شکر ادا کیا...... پائپ ختم ہو رہا تھا اور اس کا وہ دہانہ قریب آ رہا تھا جہاں سے پائپ کا گندا پانی سمندر میں گرتا تھا...... شارک مچھلی اور مگرمچھ کے تیل کی شیشی عمران نے اپنی جیب میں سنبھال کر رکھی ہوئی تھی...... سامنے سے تازہ ہوا کے جھونکوں میں اضافہ ہو گیا...... آخر پائپ ختم ہو گیا اور عمران اس جگہ پر آ گیا جہاں سے پانی نیچے کھاڑی کے ایک گڑھے میں گر رہا تھا...... عمران نے گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور فوراً تیر کر گڑھے سے باہر کنارے پر آ گیا...... اس نے اوپر کی جانب دیکھا...... اوپر آسمان پر ستارے چمک رہے تھے...... اس کے سامنے سمندر کی ایک میل لمبی کھاڑی تھی جس کے دوسرے کنارے پر دور دھندلی دھندلی روشنیاں ٹمٹا رہی تھیں...... عمران نے سارے کپڑے اتار دیئے اور جسم پر تیل کی مالش کرنے لگا...... تیل کی بو واقعی ایسی تھی کہ کوئی انسان تو کیا جانور بھی اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا...... سخت ناگوار بو تھی...... اس نے بڑی جلدی شیشی کا سارا تیل اپنے جسم پر مل لیا...... پھر اپنی بوسیدہ پتلون اور قمیض پہنی اور چپل اتار کر پتلون کی جیبوں میں ٹھونس لی...... اب وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار تھا۔

اندھیری رات میں سمندر کی کھاڑی بڑا ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھی...... اس لئے یہ منظر عمران کو اور بھی دہشت زدہ لگ رہا تھا کہ اس سمندر میں آدم خور

مگرمچھ اور آدمی کا تکا بوٹی کر دینے والی خونی شارکیں اس کا انتظار کر رہی ہیں...... اگر
دیکھا جائے تو محض جسم پر تیل کی مالش کرنے سے یہ سوچنا کہ شارکیں اور مگرمچھ اس
کے قریب نہیں آئیں گے ایک ایسی بات تھی جس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن
بوڑھے وکٹر کو باورچی دھرم پن نے یقین دلایا تھا کہ اس تیل کی ناگوار بو محسوس کرتے
ہی شارک مچھلیاں اور مگرمچھ آدمی سے دور بھاگ جاتے ہیں...... عمران کو محض ایک
سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے اس موت کے سمندر میں اترنا تھا...... بندہ آخر بشر
ہے...... خیال آ ہی جاتا ہے کہ کہیں تیل دھوکا نہ دے جائے...... عمران کو بھی یہی خیال
پریشان کر رہا تھا کہ اگر باورچی دھرم پن کا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا تو تھوڑی دیر بعد
شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں کے پیٹ میں ہو گا، لیکن اسے ہر حالت میں سمندر میں
اترنا تھا۔

عمران نے آنکھیں بند کر کے خدا کو یاد کیا...... اس کے حضور اپنی زندگی کی دعا
مانگی اور کہا کہ یا اللہ! تو ہی سب سے اعلیٰ اور برتر حفاظت کرنے والا ہے...... میری
حفاظت فرمانا...... یہ دعا مانگنے کے بعد عمران میں ایک خود اعتمادی سی آ گئی اور اس نے
سمندر میں چھلانگ لگا دی...... سمندر میں اترتے ہی عمران نے اللہ کے بھروسے پر
کھاڑی کے سمندر کے اس کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا جس طرف دور
روشنیاں ٹمٹماتی نظر آ رہی تھیں...... وہ بڑا اچھا تیراک تھا اور میل دو میل تک تیرنا اس
کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن اسے ہر لمحہ یہ ڈر لگا تھا کہیں کسی جانب سے یا نیچے
سے کوئی شارک مچھلی حملہ نہ کر دے یا پیچھے سے کوئی مگرمچھ آ کر اس کو ٹانگوں سے نہ
پکڑ لے...... شارک مچھلی اور مگرمچھ کے دانت اتنے نوکیلے لمبے اور تیز ہوتے ہیں کہ ان
کی گرفت میں آیا ہوا آدمی بچ نہیں سکتا۔

وہ تیرتا چلا جا رہا تھا...... ابھی تک اس پر کسی شارک یا مگرمچھ نے حملہ نہیں کیا
تھا...... اچانک اسے ایسے محسوس ہوا جیسے کوئی شے اس کے جسم سے ٹکرا کر تیزی

آگے نکل گئی ہو...... عمران کا منہ پانی سے باہر تھا...... اس نے ستاروں کی مدھم روشنی
یں ایک جگہ پانی کی سطح سے تکون سی باہر نکلی ہوئی دیکھی...... یہ تکون شارک مچھلی کے
ہرے کے اوپر باہر نکلی ہوئی ہڈی تھی...... اس کے بعد ایک اور شے اس کے جسم سے
را کر پیچھے کی طرف نکل گئی...... شارک مچھلیوں اور مگرمچھوں نے عمران پر حملے کی
ششیں شروع کر دی تھیں مگر اس نے جسم پر جس تیل کی مالش کی ہوئی تھی اس کی بو
ہیں عمران کے قریب نہیں آنے دیتی تھی...... عمران نے اس وقت اطمینان کا سانس
ا...... اسے یقین ہو گیا کہ تیل کے بارے میں اس نے جو کچھ سنا تھا وہ غلط نہیں تھا۔

وہ تیرتا چلا گیا...... اسے اپنے ارد گرد دائرے کی شکل میں سمندر کی سطح پر ہلچل
ا ہوتی صاف دکھائی دے رہی تھی...... یہ شارک مچھلیاں اور مگرمچھ تھے جو عمران کو
پ کرنے کے لئے بے تابی سے اس کے گرد چکر لگا رہے تھے مگر تیل کی بو انہیں
ران کے قریب آنے سے روک رہی تھی...... جب عمران کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی
رک اور مگرمچھ اس پر حملہ نہیں کرے گا اور وہ ان سے محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے
ادہ تیزی سے تیرنا شروع کر دیا...... دور کنارے کی روشنیاں آہستہ آہستہ قریب آتی
ہی تھیں...... کھاڑی کا سمندر بہت گہرا تھا...... یہ ایک طرح کا سمندر ہی تھا جو خشکی
اندر آ گیا تھا...... پانی کا ذائقہ سخت کڑوا تھا...... تیرتے تیرتے عمران دوسرے کنارے
قریب آ گیا...... یہاں ایک بار پھر خونی شارکوں اور مگرمچھوں نے اس پر حملہ
نے کی کوشش کی مگر اس کے قریب نہ آ سکے۔

دور دور وہ سمندر کی سطح پر ابھرا ابھر کر اسے دیکھتے اور پانی میں ہل چل پیدا کرتے
...... جیسے جیسے عمران آگے بڑھ رہا تھا یہ خونی مخلوق اس سے دور ہوتی جاتی تھی۔

آخر عمران کھاڑی کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

کھاڑی کے دوسرے کنارے پر پہنچتے ہی وہ اونچی اونچی جھاڑیوں اور ٹخنوں تک پانی
ے گزرتا کچھ فاصلے پر درختوں کے پاس آیا اور وہیں زمین پر بالکل سیدھا لیٹ

گیا...... سب سے پہلے اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ موت کے سمندر میں سے زندہ بچ کر نکل آیا تھا...... اس کا سانس پھول گیا تھا...... اس نے آنکھیں بند کر لیں اور لمبے لمبے سانس لینے لگا...... تین چار منٹ کے بعد اس کا سانس بحال ہو گیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا...... اس نے اس طرف دیکھا جدھر سے وہ فرار ہو کر آیا تھا...... اسے جیل کی فصیل کی روشنیاں دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھیں...... اس وقت تک یقیناً اس کے فرار کا جیل والوں کو پتہ چل گیا ہو گا اور ممکن ہے نیلی پوش سپاہی کسی سٹیمر میں بیٹھ کر اس کی تلاش میں نکل پڑے ہوں یا وہ یہ خیال کر کے مطمئن ہو گئے ہوں کہ اگر قیدی سمندر میں اترا ہو گا تو شارکوں اور مگرمچھوں نے اسے ہڑپ کر لیا ہو گا...... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لوگ عمران کو جیل کی چار دیواری کے اندر ہی تلاش کر رہے ہوں...... یہ بھی عین ممکن تھا کہ جیل کے حکام نے شہر کی پولیس کو اس کے فرار کی وائرلیس یا ٹیلی فون پر خبر کر دی ہو اور شہر کی پولیس اس کی تلاش میں اسی طرف آ رہی ہو۔

بہر حال عمران کو وہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا، چنانچہ وہ اٹھا اور اس طرف تیز تیز چلنے لگا جدھر ناریل کے درختوں کے جھنڈ اندھیرے میں نظر آ رہے تھے...... بوڑھے وکٹر نے کہا تھا کہ کنارے پر اگر تم زندہ سلامت پہنچ گئے تو تمہیں ایک جانب ناریل کے جھنڈ دکھائی دیں گے...... تم اس طرف چلے جانا...... ان درختوں کے ذخیرے کی دوسری جانب ایک سڑک ملے گی...... یہ سڑک تمہیں پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچا دے گی۔

بوڑھے قیدی نے یہ بھی بتایا تھا کہ سڑک اور ریلوے سٹیشن کے درمیان ایک جنگل پڑتا ہے جو اس علاقے کا سب سے خطرناک جنگل ہے...... تمہیں اس میں سے محتاط ہو کر گزرنا ہو گا...... عمران نے اس جنگل کے بارے میں زیادہ کرید کر نہیں پوچھا تھا کہ آخر اس میں کون سی خطرناک بات ہے جس کے متعلق اسے احتیاط سے کام لینا ہو گا...... بوڑھے قیدی نے بھی اسے زیادہ جنگل کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔

وہ ناریل کے ذخیرے میں سے نکل آیا...... اسے ستاروں کی پھیکی روشنی میں ایک ک دکھائی دی جو مغرب کی طرف جاتی تھی اور سنسان پڑی تھی...... عمران اس ک پر چلنے لگا...... کوئی میل ڈیڑھ میل چلنے کے بعد ایک جنگل میں داخل ہو گیا......

یاد آ گیا کہ بوڑھے وکٹر نے اسی جنگل کے بارے میں کہا تھا کہ وہاں سے اسے محتاط ر گزرنا ہو گا...... وہ رات کے وقت کئی بار کئی جنگلوں میں سے گزر چکا تھا...... اس ل میں بھی چل پڑا...... جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا جنگل زیادہ گھنا ہوتا جا رہا تھا...... بھی کوئی ایسی ڈراؤنی بات نہیں تھی...... جنگل گھنے ہوا ہی کرتے ہیں...... کچھ دور کے بعد جنگل میں ایک کھلا قطعہ آ گیا...... یہاں فاصلے فاصلے پر ناریل اور تاڑ کے ت ایک دوسرے پر جھکے ہوئے کھڑے تھے...... بالکل خاموشی کا عالم تھا...... کسی سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی...... یہ کھلا قطعہ کوئی دو ڈھائی سو گز لمبا ہو گا...... کے آگے پھر گنجان درخت سامنے سیاہ پہاڑ کی طرح نظر آ رہے تھے۔

یہاں زمین اونچی نیچی تھی...... ایک گھاٹی آ گئی...... عمران اس میں سے گزر گھاٹی سے باہر نکلا تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا...... آسمان پر نہ جانے کدھر اور کب ایک سیاہ کالی گھٹا آ کر چھا گئی تھی...... ہوا بھی تیز ہو گئی...... ابھی سامنے اور جنگل تھا جس میں سے عمران کو گزر کر پال گھاٹ کے ریلوے سٹیشن پر پہنچنا ...... اس نے اپنے قدم تیز کر دیئے کہ بارش شروع ہونے سے پہلے پہلے جنگل میں ل جائے۔

اچانک بجلی چمکی...... بادلوں میں گرج سنائی دی اور ٹپاٹپ بارش شروع ہو گئی، مگر ارش تیز نہیں ہوئی تھی...... ہلکی بوندا باندی ہی ہو رہی تھی...... بوڑھے وکٹر نے ریا کا بھی ذکر کیا تھا جو اس جنگل میں سے گزرتے ہوئے آتا تھا، لیکن ابھی تک کوئی دریا نظر نہیں آیا تھا...... وہ ہلکی بوندا باندی میں چلتا گیا...... کھلی زمین کا تم ہو گیا اور گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا...... عمران بارش میں مسلسل چلتا

گیا، چونکہ بارش ابھی بہت ہلکی تھی اس لئے اسے چلنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو رہی تھی...... ان درختوں میں سے گزر جانے کے بعد سامنے ایک دریا نظر آنے لگا...... سیاہ اندھیری رات میں دریا کا مٹیالا پاٹ ریتلے صحرا کی طرح نظر آ رہا تھا...... یہ زیادہ چوڑا دریا نہیں تھا، لیکن پانی کا بہاؤ بڑا تیز تھا اور اس میں سے شور کی آواز نکل رہی تھی...... دریا پر ذرا آگے جا کر ایک پل بنا ہوا تھا...... عمران پل کے اوپر آ گیا...... یہ پل لکڑی کا تھا اور چلنے سے اس میں سے چرچر کی آواز آتی تھی۔

وہ پل کے درمیان میں آ چکا تھا کہ اچانک اس کی نظروں نے رات کی تاریکی میں ایک انسانی سائے کو دیکھا کہ وہ پل کے جنگلے پر جھکا ہوا تھا جیسے دریا کی لہروں کو دیکھ رہا ہو...... عمران بڑا حیران ہوا کہ یہ کون آدمی ہے جو آدھی رات کے بعد دریا کے پل پر کھڑا لہروں کا نظارہ کر رہا ہے...... وہ توہم پرست نہیں تھا، لیکن اس نے سن رکھا تھا کہ انڈیا کے بعض جنگلوں میں رات کے وقت چڑیلیں اور بھوت بسیرا کرنے آ جاتے ہیں...... کیا یہ کوئی بھوت یا چڑیل ہے؟ اس کے قدم اپنے آپ سست ہو گئے...... بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی...... وہ انسانی سائے کے قریب ہوتا جا رہا تھا...... دریا کی ہوا اس طرف سے آ رہی تھی جس طرف جنگلے پر انسانی سایہ جھکا ہوا تھا...... عمران کو ہوا میں ایک عجیب سی بو محسوس ہوئی...... ایسی بو عام طور پر شمشانوں اور مرگھٹوں سے آیا کرتی ہے جہاں ہندو لوگ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں...... عمران پل کے دوسرے جنگلے کی طرف ہو گیا تاکہ اس پراسرار انسانی سائے کے قریب نہ جائے بلکہ کچھ فاصلے سے آگے گزر جائے۔

جب وہ انسانی سائے کے قریب پہنچا تو عمران نے اندھیرے میں ہی دیکھ لیا کہ یہ ایک نوجوان عورت ہے جس نے سیاہ رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی ہے...... وہ پاؤں سے ننگی تھی...... اس کے بال کھلے تھے اور دریا پر جھکے ہونے کی وجہ سے اس کے بالوں کی ایک لٹ نیچے کو لٹک رہی تھی...... عمران نے گوشہ چشم سے اس عورت کی طرف

دیکھا...... وہ اسی طرح دریا پر جھکی ہوئی لہروں کو تک رہی تھی...... اس نے عمران کی طرف کوئی توجہ نہ کی...... اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا...... عمران نے بھی اسے بلانا یا اس سے بات کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی...... وہ اس سے تھوڑے فاصلے سے گزر کر آگے نکل گیا، لیکن عمران کو حیرت ضرور تھی کہ یہ کس قسم کی عورت ہے کہ آدھی رات کے بعد دریا کے پل پر کتنے مزے سے کھڑی دریا کو دیکھ رہی ہے۔

بادلوں میں ایک بار پھر گرج سنائی دی، مگر بارش تیز نہیں ہوئی تھی...... ہلکی ہلکی بوندا باندی پھوار میں تبدیل ہو گئی تھی...... دریا کا پل دور تک چلا گیا تھا...... کچھ فاصلے پر جا کر عمران نے دیکھا کہ دریا کے جنگلے پر ایک اور انسانی سایہ جھکا ہوا نیچے دریا کو تک رہا ہے...... عمران بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص ضرور کوئی دیوانہ ہے...... جب ذرا قریب ہوا تو اسے ایک بار پھر وہی مردے جلانے والے مرگھٹوں کی بو کا احساس ہوا...... عمران کچھ چونک سا گیا...... اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا...... اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی...... پیچھے پل پر جو عورت جھکی کھڑی تھی اب وہ وہاں نہیں تھی...... تو کیا یہ وہی عورت تھی جو اب پل پر آگے آ گئی ہے؟

عمران رک گیا...... اس نے ایک بار پھر بڑے غور سے پیچھے پل کے اس حصے کو دیکھا جہاں سے وہ گزر کر آیا تھا اور جہاں عورت جنگلے پر جھکی ہوئی تھی وہاں اب کوئی عورت نہیں تھی، بلکہ وہی عورت اب عمران کے آگے پل پر آ گئی تھی اور جنگلے پر جھک کر اسی طرح دریا کی لہروں کو دیکھ رہی تھی...... اسی طرح اس کے بالوں کی ایک لٹ لٹک رہی تھی اور اس نے سیاہ ساڑھی پہن رکھی تھی...... یہ وہی عورت تھی...... اس وقت عمران کے دل میں خوف کی ایک لہر بیدار ہو گئی...... اگرچہ وہ توہم پرست نہیں تھا لیکن بچپن میں اس نے جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کے قصے ضرور سن رکھے تھے جن کا اس کے ذہن پر بڑا گہرا اثر تھا۔

تو کیا یہ کوئی چڑیل؟ عمران نے سوچا...... اس نے قدم آگے بڑھائے...... وہ پل

پر بڑی جلدی سے گزر جانا چاہتا تھا..... جیسے ہی وہ عورت کے قریب سے گزرا عورت نے گردن پھیر کر عمران کی طرف دیکھا..... عورت بے حد خوبصورت تھی..... اندھیرے میں بھی اس کا حسن اپنی بھرپور جھلک دکھا رہا تھا، مگر عمران رکا بالکل نہیں..... قدم اٹھاتا چلا گیا..... اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس عورت نے ہاتھ آگے بڑھا کر عمران کو اپنی طرف بلایا ہو یا اسے پکڑنے کی کوشش کی ہو، مگر عمران اور زیادہ تیز چلنے لگا اور پل پار کر کے دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا..... وہاں پہنچتے ہی عمران نے اپنی رفتار تیز کر دی اور وہ بہت جلد دریا سے دور ہو گیا..... اب اس کے سامنے پھر ایک جنگل تھا..... حیرت کی بات ہے جنگل ختم ہونے میں نہیں آتا تھا..... یہاں بانس کے بڑے گھنے اور اونچے اونچے جھنڈ تھے..... بانس کے درختوں میں سے گزرنا بہت مشکل ہوتا ہے..... زمین سے بانس کی نئی کونپلیں سوئی کی طرح باہر نکلی ہوتی ہیں جو بڑی سخت ہوتی ہیں اور آدمی ننگے پاؤں ہو تو اس کے پاؤں لہولہان ہو جاتے ہیں مگر عمران ننگے پاؤں نہیں تھا..... پھر بھی اسے چلنے میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی..... بانس کی نوکیلی لمبی ٹہنیاں بار بار اس کا راستہ روک رہی تھیں۔

کسی نہ کسی طرح وہ بانس کے جھنڈوں میں سے باہر نکل آیا..... یہاں آنے کے بعد بادل ایک بار پھر زور سے گرجے اور بارش باقاعدہ شروع ہو گئی..... بارش اتنی تیز تھی کہ عمران کے لئے قدم اٹھانا مشکل ہو گیا..... اس نے دیکھا کہ ایک جانب تھوڑی سی کھلی جگہ تھی جہاں ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا..... چبوترے سے کچھ فاصلے پر ایک مکان تھا..... وہ دوڑ کر مکان کے پاس آ گیا..... یہ ڈھلواں چھت والا ایک کاٹج سا تھا جس کا دروازہ بند تھا مگر اس کے آگے چھوٹا سا برآمدہ تھا جس پر گھاس پھوس کی چھت پڑی ہوئی تھی..... عمران جلدی سے برآمدے میں آ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا..... وہ تیز بارش سے بچنا چاہتا تھا..... بارش اتنی تیز تھی کہ وہ یہاں تک آتے آتے پانی میں شرابور ہو گیا تھا..... وہ چپ چاپ بیٹھا بارش کی آواز سنتا رہا..... اندھیرے میں بارش

آواز ایسے آ رہی تھی جیسے نزدیک ہی کوئی آبشار گر رہی ہو..... بھارت کے یہ جنوبی حصے بارش کے علاقے ہیں..... اس طرف بڑی بارشیں ہوتی ہیں اور موسلادھار بارشیں ہوتی ہیں۔

کچھ دیر کے بعد بارش اچانک رک گئی اور جنگل میں ایسا سناٹا چھا گیا جیسے کبھی بارش ہوئی ہی نہیں تھی..... عمران نے سوچا کہ اب اسے بھی وہاں سے چل پڑنا چاہئے تاکہ ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر دلی یا بمبئی کی طرف جانے والی کوئی بھی گاڑی پکڑ سکے..... وہ ابھی چلنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے بہت سی شہد کی مکھیاں ایک مدھم گنجار کے ساتھ چلی آ رہی ہوں..... اس نے غور سے سنا کہ یہ آواز کیا ہے..... اسے محسوس ہوا کہ یہ آدمیوں کی آوازیں ہیں جو کچھ پڑھتے یا گنگناتے ہوئے چلے آ رہے ہیں..... اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا..... اسے دریا کے پل کی جانب سے دس بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی دکھائی دی جنہوں نے ایک جنازہ اٹھا رکھا تھا..... یہ جنازہ نہیں تھا اصل میں بھوپان تھا یعنی بانس کا ایک چھابہ یا سٹریچر تھا جس پر کسی مردے کی لاش رکھی ہوئی تھی..... یہ لوگ منہ ہی منہ میں کچھ اشلوک گنگناتے چلے آ رہے تھے..... وہ عمران کے قریب سے ہو کر اس طرف گئے جہاں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا..... لاش کو انہوں نے چبوترے پر رکھ دیا..... اس کے بعد ادھر ادھر سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لاش کے اوپر اور اس کے ارد گرد لگائیں اور لکڑیوں پر کچھ چھڑک کر آگ لگا دی..... لکڑیوں نے جب آگ پکڑی تو وہ سارے لوگ جدھر سے آئے تھے ادھر واپس چلے گئے۔

اب وہاں کوئی بھی نہ رہا..... صرف مردے کی لاش تھی جس کے ارد گرد لکڑیاں جلنے لگی تھیں..... اچانک چبوترے پر جہاں لکڑیاں جل رہی تھیں کسی عورت کے کراہنے کی آواز آنے لگی..... عمران نے حیران ہو کر چبوترے کی طرف دیکھا..... عورت کے کراہنے کی آواز زیادہ واضح ہو گئی تھی..... وہ مدد کے لئے پکار رہی تھی۔

مجھے نکالو...... مجھے آگ سے نکالو۔

عمران ایک دم چبوترے کی طرف دوڑ پڑا...... اس نے جاتے ہی لکڑی کے بڑے بڑے جلتے ہوئے ٹکڑے ادھر ادھر گرانے شروع کر دیئے...... ابھی آگ چتا کے درمیان جہاں مردے کی لاش پڑی تھی نہیں پہنچی تھی مگر تپش بہت زیادہ تھی...... عمران نے چبوترے کے چاروں طرف گھوم کر بڑی بڑی ساری جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھا کر پرے پھینک دی تھیں...... وہ یہی سمجھا کہ یہ لوگ جس مردے کو جلانے کے لئے لائے تھے وہ اصل میں مرا نہیں تھا بلکہ اسے سکتہ ہو گیا تھا...... جب آگ کی تپش پیدا ہوئی تو مردے کی لاش کا سکتہ دور ہو گیا...... عمران جیسے ہی چبوترے کی طرف بڑھا کہ لاش کو جو زندہ تھی چتا پر سے نیچے اتارے کہ لاش اٹھ کر بیٹھ گئی...... جیسے ہی لاش چتا پر اٹھ کر بیٹھی آگ ایک دم سے بجھ گئی۔

لاش نیچے اتر آئی اور اس نے عمران کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو...... پھر لاش نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا...... یہ اشارہ اس پگڈنڈی کی طرف تھا جو جنگل سے باہر جاتی تھی...... عمران سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے...... بجلی ایک بار چمکی تو دو سیکنڈ تک چمکتی ہی رہی...... بجلی کی چمک میں عمران کو لاش کے چہرے کو دیکھنے کا موقع مل گیا...... وہ بڑا حیران ہوا...... یہ وہی عورت تھی جو اسے دریا کے پل پر ملی تھی...... بارش رک گئی تھی...... عمران نے سوچا کہ خدا جانے عورت کی آتما اس کے ساتھ کیا سلوک کرے، بہتر ہے کہ وہاں سے چل دیا جائے چنانچہ وہ جنگل کی دوسری سمت بڑھا...... چند قدم چلا تھا کہ اسی عورت کی آتما اس کے سامنے آ گئی اور بڑی بے بسی اور عاجزی سے عمران کو اس پگڈنڈی کی طرف چلنے کا اشارہ کرنے لگی جس طرف اس نے پہلے اشارہ کیا تھا۔

عمران سمجھ گیا کہ اس عورت کی آتما اسے کسی مصیبت سے بچانا چاہتی ہے۔ جس راستے پر چل رہا تھا اسے چھوڑ کر اس پگڈنڈی پر ہو گیا جس کی طرف عورت

نے اشارہ کیا تھا...... جب وہ اس پگڈنڈی پر چل پڑا تو عورت کی آتما غائب ئی...... اس وقت صبح کاذب کی سفیدی بادلوں میں سے پھوٹنے لگی تھی...... عمران ے نکل گیا...... ریلوے سٹیشن وہاں سے دور نہیں تھا...... یہ پال گھاٹ کا ریلوے ٹیشن تھا جہاں سے اسے دلی یا بمبئی جانے والی ٹرین پکڑنی تھی...... ان دونوں شہروں اس کے ماسٹر سپائی یعنی حاجی صاحب دلی میں اور ستار سیٹھ بمبئی میں موجود تھے...... ن کے پاس جا کر صورت حال کا جائزہ لے سکتا تھا اور کمانڈو جبران کے بارے میں پتہ کر سکتا تھا کہ وہ انڈین پولیس کے قبضے میں ہی ہے یا وہاں سے فرار ہو کر ان میں کسی کے پاس پہنچ چکا ہے۔

پال گھاٹ ریلوے سٹیشن پر زیادہ مسافر نہیں تھے...... کمانڈو عمران اس کھڑکی کی ف بڑھا جہاں سے اسے دلی جانے والی ٹرین کا ٹکٹ مل سکتا تھا...... جیسے ہی وہ کھڑکی ے پاس آیا...... پر اسرار عورت کی آتما نمودار ہو کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی ر دوسری کھڑکی کی طرف اشارہ کرنے لگی...... عمران نے دوسری کھڑکی کی طرف کھا...... وہاں پال گھاٹ سے وایا ہوبلی بلگام شولاپور بمبئی کا ٹکٹ ملتا تھا...... عمران سمجھ سکا کہ عورت کی آتما اسے کیا کہنا چاہتی ہے...... وہ کھڑکی کی طرف بڑھا تاکہ دلی کا ٹ لے سکے کہ عورت کی آتما نے اس کا راستہ روک لیا، حالانکہ بدروحیں اور آتما ہ لطیف ہوتی ہیں اور انہیں چھو کر محسوس نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس آتما نے ن کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے دھکیلتی ہوئی دوسری کھڑکی کی طرف آئی جہاں سے بمبئی کا ٹکٹ ملتا تھا...... تب عمران سمجھ گیا کہ عورت کی آتما یا وح اسے بمبئی کا ٹکٹ خریدنے کے لئے کہہ رہی ہے...... اس نے سوچا کہ شاید اسی اس کی کوئی بہتری ہو...... وہ دوسری کھڑکی کی طرف آ گیا...... عورت کی آتما کے ے پر اطمینان کا تاثر نمودار ہوا اور وہ غائب ہو گئی۔

عمران نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور پلیٹ فارم پر آ کر گاڑی کا انتظار کرنے لگا...... وہ

ایک جگہ بنچ پر بیٹھ گیا تھا...... اس نے ایک قلی سے ٹرین کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ بمبئی جانے والی درگاپوجا ایکسپریس ایک گھنٹے تک آئے گی...... پراسرار عورت کی آتما کو جب یقین ہو گیا کہ عمران اس کی ہدایت کے مطابق بمبئی جارہا ہے تو وہ غائب ہو گئی...... ایک سوا ایک گھنٹے کے بعد ٹرین آگئی۔ عمران اس میں بیٹھ گیا...... گاڑی چل پڑی...... پہلے حویلی کا سٹیشن آیا...... اس کے بعد بلگام اور بلگام کے بعد شولاپور کا ریلوے سٹیشن آیا...... اس دوران عورت کی آتما بالکل نمودار نہ ہوئی...... یہ بھی کافی لمبا سفر تھا...... سارا دن اور ساری رات ٹرین چلتی رہی...... دوسرے روز شام کا اندھیرا چھا رہا تھا کہ ٹرین شولاپور اور پونا شہروں سے گزرتی ہوئی بمبئی پہنچ گئی۔

عمران نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا...... بمبئی سٹیشن پر سے ہی اس نے ستار سیٹھ کو فون کیا اور اپنی آمد کی اطلاع کی...... ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم زیسٹ ہاؤس پہنچو...... میں آرہا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے وہیں سے ٹیکسی لی اور ستار سیٹھ کے خفیہ ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا...... تھوڑی دیر بعد ستار سیٹھ بھی آگیا...... اس نے کمانڈو عمران کے بوسیدہ کپڑوں کو دیکھ کر کہا۔

"یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ جبران کہاں ہے...... تم کہاں سے آرہے ہو اور تمہارے کپڑوں سے بو کیسی آرہی ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"تھوڑا صبر کرو سیٹھ...... میں سب کچھ بتا دوں گا"۔

اس کے بعد عمران نے ستار سیٹھ ماسٹر سپائی کو اپنی گرفتاری اور کیرالہ کی خطرناک جیل سے فرار کی کہانی بیان کر دی، لیکن اس نے پراسرار عورت کی آتما کا ذکر نہ کیا...... اس کا ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... ستار سیٹھ نے جبران کے بارے میں

بتایا کہ وہ بمبئی نہیں آیا...... عمران کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی قید میں ہے...... خدا جانے اس پر کیا بیت رہی ہو گی"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"تم بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے"۔

عمران نے کہا۔

"میں واپس کشمیری مجاہدین کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ جہاد کشمیر میں شریک ہو سکوں"۔

ستار سیٹھ بولا۔

"اور کمانڈو جبران؟" "شاید پہلے ہی سے جموں کشمیر چلا گیا ہو"۔

"اگر ایسا ہوا ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے، لیکن میرا خیال ہے کمانڈو جبران فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہوا"۔

"تو کیا تم اسے تلاش کرو گے؟" ستار سیٹھ نے پوچھا۔

کمانڈو عمران بولا۔

"نہیں...... ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے...... میں پہلی فرصت میں دلی سے جموں کشمیر کی طرف نکل جانا چاہتا ہوں"۔

ستار سیٹھ کہنے لگا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... تم جس وقت چاہو جا سکتے ہو، لیکن تمہیں بہت زیادہ ہوشیار ہو کر جانا پڑے گا، کیونکہ تمہارے فرار کی اطلاع بمبئی اور دلی پولیس کو بھی دے دی گئی ہو گی"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے...... اس کے باوجود ہم نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں......

بہر حال اس بارے میں زیادہ احتیاط سے کام لوں گا“۔

ستار سیٹھ بولا۔

”کل صبح منہ اندھیرے کی ٹرین سے تم نکل جانا...... دن کے وقت جانا ٹھیک نہیں...... میں تمہارے لئے نئے کپڑے لاتا ہوں“۔

ستار سیٹھ وہیں سے گاڑی لے کر بمبئی کی ایک مارکیٹ میں گئے اور کمانڈو عمران کے سائز کی ایک پتلون، ایک جیکٹ اور ایک قمیض خرید کر لے آئے...... عمران نے غسل کیا، اس کے بعد کپڑے تبدیل کئے اور کھانا کھا کر سو گیا...... اس قدر تھکا ہوا تھا کہ بستر پر لیٹتے ہی اسے نیند آگئی...... وہ سارا دن سویا رہا...... دن غروب ہو چکا تھا، جب وہ بیدار ہوا شروع رات میں ستار سیٹھ بھی آگیا...... کہنے لگا۔

”میں نے دلی میں حاجی صاحب سے رابطہ پیدا کر کے ان سے جبران کے بارے میں پوچھا ہے...... وہ کہتے ہیں کہ جبران ان کے پاس بھی نہیں پہنچا“۔

عمران نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ بھارتی پولیس یا ملٹری پولیس کی قید میں ہے...... بہر حال وہ فرار ہونے کی مسلسل کوشش کر رہا ہو گا اور کسی نہ کسی وقت فرار ہو کر کشمیر کے محاذ پر پہنچ جائے گا“۔

رات دس بجے کھانا وغیرہ کھانے کے بعد ستار سیٹھ چلا گیا...... عمران بیڈ روم میں آگیا...... اس نے ٹیبل لیمپ کی بتی بجھا دی اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا، چونکہ وہ سارا دن سویا رہا تھا اس لئے نیند اس سے کوسوں دور تھی...... وہ ویسے ہی آنکھیں بند کر کے بستر پر پڑا رہا...... کھلی کھڑکی میں سے سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے...... اچانک عمران کو کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی...... اس نے آنکھیں کھول دیں...... بیڈ روم میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا...... کھڑکی میں سے کوٹھی کے برآمدے میں جلنے والی بتی کی دھیمی دھیمی روشنی اندر آ رہی تھی......

روشنی میں اسے اسی پراسرار عورت کی آتما نظر آئی...... آتما یعنی بدروح بند دروازے کے پاس کھڑی تھی اور اشارے سے عمران کو باہر آنے کے لئے کہہ رہی تھی...... وہ بول نہیں رہی تھی...... صرف باہر نکلنے کا اشارہ کر رہی تھی...... اس وقت عمران سوچنے لگا کہ اس عورت کی روح اس سے کوئی کام کروانا چاہتی ہے...... اس کا کوئی خاص مقصد ہے جس کو سامنے رکھتے ہوئے وہ عمران کو پال گھاٹ کے سٹیشن بلکہ اس سے بھی پہلے جنگل والے دریا کے پل سے یہاں تک لائی ہے...... پہلے اس روح نے عمران کو دلی جانے سے روکا اور بمبئی کی طرف جانے کی ہدایت کی...... بمبئی آکر اب پھر اسے کسی طرف چلنے کو کہہ رہی ہے...... اتنا اسے احساس تھا کہ بدروح کی نیت خراب نہیں ہے...... اگر اس نے عمران کو کسی مصیبت میں ڈالنا یا اسے کوئی نقصان پہنچانا ہوتا تو اب تک وہ ایسا کر چکی ہوتی۔

یہ سوچ کر عمران بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس نے پہلی بار عورت کی آتما سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

”تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“۔

پراسرار عورت کی آتما دھوئیں کے ایک انسانی ہیولے کی طرح تھی...... عمران کو ایک آہ کی آواز سنائی دی...... جیسے آتما نے سرد آہ بھری ہو...... آتما بدستور عمران کو دروازے کی طرف بلاتی رہی...... عمران نے پوچھا۔

”کیا تم مجھے باہر نکلنے کا کہہ رہی ہو؟“۔

عورت کی آتما نے اثبات میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو ہاں...... میں تمہیں باہر نکلنے کے لئے کہہ رہی ہوں...... عمران پر یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ پراسرار بدروح سن سکتی ہے مگر بول نہیں سکتی...... اس نے عورت کی آتما سے دوسرا سوال کیا۔

”تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو“۔

عورت کی آتما نے ایک بار پھر سرد آہ بھری اور ہاتھ کا ایسا اشارہ کیا جیسے وہ اسے

وہاں سے کچھ دور کسی جگہ لے جانا چاہتی ہے...... اس وقت رات کے پونے گیارہ بجے والے تھے...... ستار سیٹھ کا یہ ریسٹ ہاؤس بمبئی شہر سے باہر کافی دور سمندر کے جنوب مشرقی کنارے پر ایک ویران اور غیر آباد جگہ پر واقع تھا اور وہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ست پڑا پہاڑی سلسلے کے جنگل شروع ہو جاتے تھے...... ریسٹ ہاؤس کے باہر خاموشی چھائی تھی...... عمران نے جلدی جلدی پتلون اور جیکٹ پہنی...... الماری میں سے ستار سیٹھ کا بھرا ہوا پستول نکال کر اسے چیک کیا اور جیب میں رکھ کر عورت کی آتما سے کہا۔

"تم مجھے جہاں لے جانا چاہتی ہو کیا وہاں مجھے کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟"۔

عورت کی بدروح نے نفی میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہیں وہاں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے...... اس کے ساتھ ہی عمران نے اس سے پوچھا۔

"تم جنگل والے دریا کے پل سے میرے ساتھ ہو اور مجھے گائیڈ کر کے یہاں تک لے آئی ہو...... کیا تمہارے خیال میں کوئی دوسرا آدمی تمہاری مدد نہیں کر سکتا تھا؟"۔

عورت کی آتما نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہارے سوا میری کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا...... عمران نے ایک اور سوال کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم روح ہو...... روحوں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے...... کیا تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟"۔

عورت کی آتما نے اثبات میں سر ہلایا...... جیسے کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں جانتی ہوں کہ تم کون ہو اور کس مشن پر بھارت آئے ہوئے ہو۔

عمران نے پوچھا۔

"مجھے یہاں سے کتنی دور جانا ہوگا؟"۔

عورت کی آتما نے ہاتھ سے ایسا اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو کہ یہاں سے زیادہ دور نہیں جانا ہوگا...... عمران نے کہا۔

"میں تمہاری خاطر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں"۔

جیسے ہی عمران دروازے کی طرف بڑھا عورت کی آتما بند دروازے میں سے باہر نکل گئی...... عمران دروازہ کھول کر باہر آیا تو عورت کی آتما ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں کھڑی اس کو اشارے سے بلا رہی تھی...... عمران عورت کی آتما کی راہ نمائی میں چل پڑا...... ریسٹ ہاؤس کے عقبی میدان میں بہت زیادہ جنگلی جھاڑیاں اور درخت تھے...... عورت کی آتما عمران کو گائیڈ کر رہی تھی...... وہ اسے اسی میدان کی جھاڑیوں میں سے گزار کر سمندر کے کنارے کی طرف لے آئی...... یہاں ریت پر بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں...... ستاروں کی روشنی میں یہ سیاہ چٹانیں بڑا ڈراؤنا منظر پیش کر رہی تھیں...... سمندر کی موجوں کا ہلکا ہلکا شور اس منظر کو اور زیادہ دہشت زدہ بنا رہا تھا۔

عورت کی آتما کا ہیولا اب عمران کے آگے آگے چل رہا تھا اور عمران اس کے نقش قدم پر پیچھے پیچھے چل رہا تھا...... چلتے چلتے عورت کی آتما سمندر کے کنارے سے بائیں طرف ہٹتی گئی...... اس طرف ایک جنگل سا شروع ہوتا تھا...... عورت کی آتما جنگل میں داخل ہو گئی...... یہاں درختوں اور اونچی اونچی جھاڑیوں کی وجہ سے اندھیرا چھا رہا تھا، مگر اس اندھیرے میں بھی عورت کی آتما کا سفید ہیولا عمران کو صاف نظر آ رہا تھا...... جنگل خاموش اور سنسان تھا...... عورت کی آتما عمران کو ایک گھاٹی میں سے نکال کر اس جگہ پر لے آئی جہاں عمران کو درختوں کے نیچے ایک جھونپڑی نظر آئی...... جھونپڑی خالی تھی...... جھونپڑی کے اندر بانس کی ایک کھاٹ پڑی تھی...... ایک مٹی کا مٹکا تھا جس پر ڈھکن دیا ہوا تھا...... عمران نے ڈھکن اٹھایا...... مٹکے میں پانی تھا...... اس نے ڈھکنا واپس رکھ دیا...... اس دوران روح جھونپڑی کے دروازے پر آ گئی تھی اور عمران کو جھونپڑی کے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہی تھی...... عمران جھونپڑی کے پیچھے آ گیا...... یہاں آتے ہی اسے ایک کمزور سی انسانی آواز سنائی دی۔

یہ آواز کچھ کہہ رہی تھی...... عمران کو الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے...... عورت

کی آتما ایک پتھر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور عمران کو اس طرف آنے کا اشارہ کرنے لگی...... عمران پتھر کے پاس گیا تو اسے انسانی آواز دوبارہ سنائی دی...... اب اسے الفاظ بھی سمجھ میں آ گئے...... یہ آواز پتھر کے نیچے سے آ رہی تھی اور کوئی بڑی بے بسی سے کہہ رہا تھا کہ مجھے باہر نکالو...... عمران نے عورت کی آتما کی طرف دیکھا...... آتما پتھر کی طرف اشارہ کر رہی تھی...... عمران جلدی سے آگے بڑھا...... اس نے جھک کر پتھر کو دیکھا...... یہ پتھر کی ایک بھاری سل تھی...... اس نے دونوں ہاتھوں سے سل کو پکڑ کر پورا زور لگا کر سل کو دوسری طرف کر دیا...... اس نے دیکھا کہ وہاں ایک کافی گہرا اندھیرا گڑھا تھا جو کنوئیں کی طرح تھا...... انسانی آواز اس کنوئیں کے اندر سے آ رہی تھی...... عمران نے کہا۔

"تم کون ہو؟"۔

کنوئیں کے اندر سے آواز آئی۔

"میں انسان ہوں...... میرے دشمنوں نے مجھے بے ہوش کر کے یہاں گرا دیا تھا...... اب مجھے ہوش آ گیا ہے...... خدا کے لئے مجھے باہر نکالو"۔

عمران نے کہا۔

"فکر نہ کرو...... میں ابھی تمہیں باہر نکالتا ہوں"۔

عمران نے ادھر ادھر دیکھا...... عورت کی آتما نے جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا...... عمران جھونپڑی میں آ گیا...... اسے کسی رسی کی ضرورت تھی...... اس نے فوراً بانس کی چارپائی کی دوائن یعنی وہ رسی جس کی مدد سے چارپائی کے بان کو کس دیا گیا تھا...... کھولنی شروع کر دی...... تھوڑی دیر میں اس نے رسی کھول ڈالی اور اسے لے کر کنوئیں پر آ گیا...... اس نے کنوئیں کی طرف جھک کر کہا۔

"میں رسی نیچے لٹکا رہا ہوں...... اگر تم اسے پکڑ سکتے ہو تو پکڑ لو...... میں تمہیں باہر کھینچ لوں گا"۔

کنوئیں کے اندر سے انسانی آواز آئی۔

"رسی لٹکاؤ...... میں اسے پکڑ لوں گا"۔

عمران نے رسی کنوئیں میں لٹکا دی...... جب آدھی سے زیادہ رسی کنوئیں میں چلی گئی تو نیچے سے کسی نے اسے پکڑ کر ہلایا۔

"میں نے رسی پکڑ لی ہے" کنوئیں میں سے آواز آئی۔

عمران نے کہا۔

"رسی کو پکڑے رکھو...... میں اسے ایک بڑے پتھر کے ساتھ باندھ رہا ہوں"۔

عمران نے رسی کے دوسرے سرے کو قریب ہی ایک بہت بڑے پتھر کے ساتھ اچھی طرح سے باندھ دیا اور کنوئیں پر جھک کر کہا۔

"رسی کی مدد سے اوپر چڑھنے کی کوشش کرو"۔

رسی تن گئی...... اس کا مطلب تھا کہ کنوئیں میں گرا ہوا آدمی اوپر چڑھنے کی کوشش میں لگ گیا تھا...... عمران نے آواز دے کر پوچھا۔

اگر تمہیں اوپر چڑھنے میں دقت ہو رہی ہے تو میں اوپر سے کھینچتا ہوں"۔

نیچے سے انسانی آواز آئی۔

"مجھے کوئی دقت نہیں ہو رہی...... میں اوپر آ رہا ہوں"۔

اور وہ آدمی رسی کی مدد سے اوپر آ گیا۔

"تم کون ہو اور تمہارے دشمنوں نے تمہیں کنوئیں میں کس لئے گرا دیا تھا؟"۔

اس آدمی نے گہرا سانس بھر کر کہا۔

"یہ لمبی کہانی ہے...... میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ تم نے مجھے موت کے منہ سے بچا لیا"۔

اس کے ساتھ ہی عمران نے دیکھا کہ عورت کی آتما کا ہیولا غائب ہو چکا تھا...... اس کا مطلب تھا کہ عورت کی آتما عمران کو اسی مقصد کے لئے وہاں لائی تھی کہ اس

بدنصیب شخص کو کنوئیں سے باہر نکالے...... عمران کو اطمینان سا محسوس ہوا کہ چلو اس کی وجہ سے ایک آدمی کی جان بچ گئی۔

عمران کو یہ بھی خوشی تھی کہ جس آدمی کو اس نے کنوئیں میں سے نکالا ہے وہ مسلمان ہے، کیونکہ اس نے کنوئیں میں سے پکار کر کہا تھا کہ خدا کے لئے مجھے باہر نکالو... عمران نے اس بات کی تصدیق کرنے کی غرض سے اس آدمی سے جو نوجوان لگتا تھا، پوچھا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟"۔

اس نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میں مسلمان ہوں...... میرا نام سلیمان ہے"۔

عمران سوچ میں پڑ گیا کہ اگر یہ مسلمان ہے تو جس عورت کی آتما نے اسے اس نوجوان کو کنوئیں سے باہر نکالنے کے لئے کہا تھا وہ تو ہندو عورت کی آتما تھی...... کیونکہ اسے کچھ لوگ چتا پر جلانے کے لئے لائے تھے جہاں سے اٹھ کر باہر آ گئی تھی...... کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ عورت بھی مسلمان تھی...... اب اس نوجوان پر عورت کی آتما کا راز ظاہر کرنا یا اس بارے میں تھوڑی سراغ رسانی کرنی ضروری ہو گئی تھی۔

عمران نے اس نوجوان سے پوچھا۔

"کیا زندگی میں تمہیں کبھی کسی ایسی عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو تم سے محبت کرتی ہو اور ہندو ہو؟"۔

نوجوان سلیمان اٹھ کر بیٹھ گیا...... حیرانی سے بولا۔

"تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ ایک ہندو عورت مجھ سے محبت کرتی تھی"۔

عمران نے کہا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا...... پہلے تم میرے سوال کا جواب دو"۔

سلیمان نے کہا۔

"ہاں...... ایک ہندو عورت ہمارے محلے میں رہتی تھی...... وہ مجھ سے بے حد پیار ی تھی...... وہ اسلام قبول کر کے مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی...... اس نے اسلام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے گھر والوں اور رشتے داروں کو پتہ چل گیا...... ں نے اسے سمجھایا کہ اس ارادے سے باز آئے مگر ہندو عورت جس کا نام کوشلیا تھا و مجھ سے دیوانوں کی طرح محبت کرتی تھی نہ مانی اور اس نے صاف صاف اعلان یا کہ وہ بالغ ہے اور عدالت میں جا کر اپنی مرضی سے مجھ سے کورٹ میرج کرے گی اسلام قبول کر کے مسلمان ہو جائے گی...... تب اس کے گھر والوں نے فیصلہ کر لیا کہ عورت کو ختم کر دیا جائے، چنانچہ ایک روز جب وہ کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی تو اس چچا نے اس پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی اور مشہور کر دیا کہ وہ کچن میں چولہا ے آگ میں جل گئی ہے...... اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس راز کا کیسے علم ہوا؟"۔

عمران نے کہا۔

"پہلے تم یہاں سے نکلو اور بتاؤ کہ میں تمہیں کہاں چھوڑ دوں...... اس کے بعد ں بتا دوں گا"۔

سلیمان نے کہا۔

"اس وقت تو تم مجھے کہیں چھپا سکتے ہو تو چھپا دو...... کیونکہ انڈیا کی پولیس اور ی جنس کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں ابھی زندہ ہوں تو وہ مجھے فوراً پکڑ لے گی اور یقین کہ اسی وقت مجھے ہلاک کر ڈالے گی"۔

معمہ اور الجھتا جا رہا تھا...... عمران نے پوچھا۔

"تمہارے پیچھے انٹیلی جنس والے اور پولیس کیوں لگی ہے؟"۔

سلیمان نے عمران سے پوچھا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"الحمدللہ! میں مسلمان ہوں"۔

سلیمان نے کہا۔

"تم کس صوبے کے رہنے والے ہو...... تمہارے اردو بولنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تم پنجاب کے رہنے والے ہو"۔

عمران نے کہا۔

"تم نے ٹھیک پہچانا...... میں مسلمان ہوں اور انڈیا کے شہر مالیر کوٹلہ کا رہنے والا ہوں جہاں بہت سے مسلمان رہتے ہیں اور یہ پنجاب ہی کا ایک شہر ہے"۔

عمران نے اسے بالکل نہ بتایا کہ وہ پاکستانی ہے اور حقیقت میں کون ہے...... یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی...... اس نے اپنا نقلی تعارف کرانے کے بعد اس نوجوان سلیمان سے پوچھا۔

"اب مجھے یہ بتاؤ کہ انڈین گورنمنٹ کی انٹیلی جنس اور پولیس تمہارے پیچھے کیوں لگی ہے اور وہ تمہیں کس لئے ہلاک کرنا چاہتی ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں مختصر کر کے تمہیں اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ میرے پاس بھارت کی فوجی ہائی کمان کا ایک انتہائی خفیہ راز موجود ہے...... یہ راز اگر بھارت کے کسی بھی دشمن ملک کو معلوم ہو جائے تو بھارتی فوجی ہائی کمان کا پاکستان کے خلاف ایک بہت بڑا منصوبہ خاک میں مل سکتا ہے"۔

عمران چونک گیا...... وہ کچھ سمجھ رہا تھا اور بات کچھ اور ہی نکل آئی تھی...... اب اس کے لئے سلیمان نام کے اس نوجوان کا وجود بے حد اہمیت اختیار کر گیا تھا...... اس نے پوچھا۔

"تمہارے پاس یہ راز کیسے آ گیا؟ کیا تم بھارتی فوج کے کسی خفیہ محکمے سے تعلق رکھتے ہو؟"۔

سلیمان بولا۔

"بھارت کی سیکرٹ سروس سے نہیں بلکہ میرا تعلق براہ راست بھارت کی فوجی ہائی کمان کی سپیشل ملٹری انٹیلی جنس سے تھا...... میں نے مدراس یونیورسٹی سے فزکس میں ایم اے کرنے کے بعد ہلاکت خیز کیمیاوی ادویات پر ریسرچ ورک کیا...... میری اسی قابلیت کے پیش نظر مجھے تامل ناڈو حکومت نے میڈیکل سروسز کے شعبے میں ایک اہم عہدے پر تعینات کر دیا...... شروع شروع میں میں نے جراثیم کش ادویات کے نئے اور سستے کیمیکلز تیار کئے...... اس کے خلاف استعمال کی جانے والی اعصابی گیس پر کام شروع کر دیا"۔

سلیمان بات کرتے کرتے رک گیا...... کہنے لگا۔

"ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے...... باقی باتیں کسی محفوظ جگہ پر بیٹھ کر سناؤں گا...... کیا تمہارے پاس یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں پولیس اور انٹیلی جنس والوں کی نظروں سے چھپ کر کچھ وقت گزار سکوں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں یہاں اپنے دوست کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا ہوا ہوں...... وہاں میرے اور تمہارے سوا تیسرا کوئی نہیں ہو گا"۔

"تو پھر جلدی سے وہیں چلو"۔

یہ کہہ کر سلیمان اٹھ کھڑا ہوا...... کمانڈو عمران اسے ستار سیٹھ کے ریسٹ ہاؤس میں لے آیا...... سارا ریسٹ ہاؤس خالی پڑا تھا...... رات کے وقت ویسے بھی بڑی خاموشی تھی...... سلیمان نے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا...... عمران نے اسے نیا کرتہ پاجامہ پہننے کو دیا...... اتنی دیر میں اس نے چائے بنالی تھی...... سلیمان نے کہا۔

"چائے کے ساتھ مجھے تھوڑی سی ڈبل روٹی مل سکتی ہے؟"۔

عمران اسی وقت ڈبل روٹی کے سلائس کاٹ کر لے آیا...... سلیمان نے خوب

تسلی کے ساتھ ڈبل روٹی مکھن لگا کر کھائی...... چائے کے دو پیالے پیئے اور کہنے لگا۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں نے مدراس کے گورنمنٹ سائنس کالج کی لیبارٹری میں اعصابی گیس پر ورک شروع کر دیا...... میں چھ ماہ کی محنت کے بعد ایک ایسی اعصابی گیس تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا جس پر خرچ بھی بہت کم آتا تھا اور جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے انتہائی خطرناک اور ہلاکت خیز تھی...... میری اسی ایجاد پر بھارتی فوجی ہائی کمان کی میڈیکل ریسرچ برانچ نے مجھے اپنے پاس بلا لیا...... وہاں کسی مسلمان کو نہیں رکھا جاتا تھا، مگر میری غیر معمولی ذہانت اور جنگی ریسرچ کی ایجادات کی وجہ سے وہ لوگ ایک مسلمان کو گوارا کرنے پر مجبور تھے...... شاید تمہیں علم نہیں...... اسلحہ تو مہنگا ہوتا ہی ہے مگر اعصابی گیس پر بے پناہ دولت خرچ کرنی پڑتی ہے...... یہ گیس ترقی یافتہ ممالک ہی تیار کر سکتے ہیں، لیکن میں نے انتہائی کم لاگت سے یہ گیس تیار کر لی تھی...... انڈین فوجی ہائی کمان نے بھاری مقدار میں اعصابی گیس تیار کرنے کا آرڈر دے دیا...... میں باقاعدہ انڈین ہائی کمان کے سیکرٹ آفس کا ملازم تھا اور میری بڑی خاطر مدارات ہوتی تھیں...... جب میں نے بہت بھاری مقدار میں اعصابی گیس تیار کر کے فوجی ہائی کمان کے حوالے کر دی تو چیف آف انڈین آرمی سٹاف نے مجھے بلا کر مجھ سے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اعصابی گیس کا فارمولا لے لیا جو میرا فارمولا تھا...... جب فارمولا بھارتی فوجی ہائی کمان کو مل گیا تو انہوں نے مجھے نوکری سے نکال کر میری بطور ایک اسسٹنٹ کے فوجی ہسپتال میں تبدیلی کر دی، لیکن بھارت کی فوجی ہائی کمان اس سے بھی مطمئن نہ ہوئی...... ان کے نزدیک ان کی اعصابی گیس کا انتہائی خفیہ راز ایک مسلمان کو معلوم تھا...... انہیں ڈر تھا کہ میں کہیں یہ راز کسی دوسرے ملک کو نہ بتا دوں، چنانچہ ایک سوچی سمجھی سازش کے مطابق مجھے انڈین نیوی کے بمبئی آفس میں بلایا گیا یہاں سے خفیہ پولیس مجھے اغوا کر کے اس جنگل میں لے آئی جہاں تم سے میری ملاقات ہوئی تھی اور مجھے بے ہوشی کی دوائی پلا کر اندھے کنوئیں میں گرا کر کنوئیں کا

پتھر کی سل سے ڈھانپ دیا تھا...... ان کو یقین تھا کہ میں دو تین دنوں میں بھوک اور ں سے جان دے دوں گا، لیکن قدرت نے میری مدد کے لئے تمہیں بھیج دیا...... ہے میری داستان غم...... اب مجھے تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم یہاں کیا کرتے ہو؟ کیا تم کسی سرکاری محکمے میں ملازم ہو...... میں تم سے صرف ایک بات کی یقین دہانی نا چاہتا ہوں کہ تم مسلمان ہونے کے ناطے میرے اعتماد کو دھوکا نہیں دو گے اور ے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"میں تو کسی کے آگے تمہارا ذکر تک نہیں کروں گا، لیکن تم اب کیا کرو گے...... ہر ہے تم واپس مدراس نہیں جا سکتے...... پولیس تمہیں اسی وقت گرفتار کر کے فوجی ی کمان کے حوالے کر دے گی، بلکہ تم انڈیا کے کسی شہر میں بھی جاؤ گے انٹیلی جنس الے تمہارا پیچھا کر کے تمہیں گرفتار کر لیں گے...... کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟"۔

سلیمان نے کہا۔

"نہیں...... یہی ایک اچھی بات ہے کہ میری شادی نہیں ہوئی...... دراصل کوشلیا ی محبت نے مجھے کسی دوسری عورت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا...... میرے ماں پ کیرالہ میں رہتے تھے...... میں بھی وہیں پیدا ہوا تھا...... میرے بچپن میں ہی ان کا تقال ہو گیا...... بس میں کسی نہ کسی طرح پڑھ لکھ گیا اور اپنی شب و روز کی محنت سے یک اچھے مقام تک پہنچ گیا، لیکن یہ اعلیٰ مقام میرے لئے مصیبت کا باعث بن گیا"۔

عمران نے کہا۔

"تمہاری لیاقت تمہاری مصیبت کا باعث نہیں بنی بلکہ تمہارا ایک متعصب اور سلام دشمن برہمن ملک میں جنم لینا تمہارے لئے مصیبت کا باعث بن گیا"۔

سلیمان بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... بھارت میں کسی لائق مسلمان کا کوئی مستقبل نہیں

ہے...... بہر حال میں نے یہی سوچا ہے کہ کسی طرح دوبئی پہنچنے کی کوشش کروں گا...... وہاں ہندو سامراج میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا"۔

عمران کو اب تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ بھارت کی فوجی ہائی کمان کے اعصابی گیس کے سلسلے میں ناپاک عزائم کیا ہیں...... ظاہر ہے کہ بھارت نے یہ اعصابی گیس پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے تیار کی تھی...... اس نے سلیمان سے جب یہی سوال کیا تو وہ کہنے لگا۔

"بھارت کا یہ انتہائی خفیہ راز ہے...... یہ گیس اس نے پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ہی تیار کی ہے لیکن وہ اسے انتہائی ٹاپ سیکرٹ رکھ رہا ہے تاکہ دوسرے کسی ملک کو خاص طور پر امریکہ، چین اور پاکستان کو اس راز کی معمولی سی بھنک بھی نہ پڑے...... وہ اندر ہی اندر اعصابی گیس کے کیمیاوی بم تیار کرتا رہے اور اوپر سے جمہوریت اور انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"تمہارے اندازے کے مطابق بھارت نے اعصابی گیس کا کتنا ذخیرہ جمع کر لیا ہو گا"۔

سلیمان نے کہا۔

"بھارت کے پاس اس وقت اتنی اعصابی گیس کیمیاوی بموں کی شکل میں موجود ہے کہ اگر وہ اس کے صرف تین بم لندن پر گرا دے تو دو منٹ کے اندر اندر لندن شہر کی ساری آبادی موت کی نیند سو جائے گی"۔

عمران نے سب سے اہم سوال اب پوچھا۔

"اعصابی گیس کا یہ ذخیرہ بھارت نے کس جگہ چھپا کر رکھا ہوا ہے؟"۔

سلیمان بولا۔

"یہی انڈین ملٹری ہائی کمان کا سب سے اہم ترین اور خفیہ ترین راز ہے جو مجھے اس

لئے معلوم ہو گیا تھا یا انہیں یہ راز مجھ پر ظاہر کرنا پڑا تھا کہ میں اس اعصابی گیس کا سائنس دان تھا اور میری نگرانی میں ہی یہ گیس تیار کی جا رہی تھی بلکہ اس گیس کو کیمیاوی محلول کی شکل میں کیمیاوی بموں میں تبدیل کیا جا رہا تھا"۔

عمران ہر حالت میں یہ راز معلوم کرنا چاہتا تھا کہ بھارت کی فوجی ہائی کمان نے اعصابی گیس کا ذخیرہ کس جگہ سٹور کیا ہوا ہے...... اس نے سلیمان سے کہا۔

"تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ اعصابی گیس کا ذخیرہ انڈین حکومت نے کس جگہ سٹور کیا ہوا ہے"۔

سلیمان کہنے لگا۔

"میں وہی تمہیں بتانے والا تھا مگر تم سے صبر نہ ہو سکا، لیکن مجھے ایک بات بتاؤ...... اگر میں نے تمہیں بتا بھی دیا کہ اعصابی گیس کے بم انڈیا کی حکومت نے کس جگہ سٹور کئے ہوئے ہیں تو تم کیا کر لو گے؟ تم ایک عام سویلین جوان ہو...... میں نہیں سمجھتا کہ تمہارے یہاں کچھ وسائل بھی ہوں گے...... تم میں صرف ایک ہی خوبی مجھے اس وقت نظر آ رہی ہے کہ تم مسلمان ہو...... تمہاری اسی خوبی نے مجھے تمہارے آگے یہ سارا راز فاش کرنے پر مجبور کر دیا تھا...... لیکن تمہیں سب کچھ بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے...... فائدہ تو جب ہوتا کہ تم اعصابی گیس کے اس ذخیرے کو تباہ و برباد کرنے کی طاقت رکھتے، جو گیس پاکستان یا کسی بھی مسلمان ملک کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے بلکہ یہ اعصابی گیس بھارت صرف پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ہی تیار کر رہا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں نے بھارت کے ان پاکستان دشمن ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کا فیصلہ کر لیا ہو...... اس جذبے کا دل میں پیدا ہونا پہلی شرط ہے...... اس کے بعد اس ذخیرے کو تباہ کرنے کے وسائل بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں"۔

سلیمان نے ذرا غور سے عمران کی طرف دیکھا...... کہنے لگا۔

"تم مجھے ایک عام مسلمان نوجوان سے کچھ مختلف نوجوان لگتے ہو...... کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم اپنا آپ مجھ سے چھپا رہے ہو؟ اگر ایسی بات ہے تو مجھے افسوس ہوگا، کیونکہ میں نے تمہیں دل کھول کر اپنا اہم ترین راز تک بتا دیا ہے، اسی طرح تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ مجھے بتا دو کہ تم اصل میں کون ہو؟"۔

عمران اسے اپنی اصلیت کسی صورت "نہیں" بتا سکتا تھا، لیکن کسی حد تک وہاں اپنا تعارف کروانا بھی ضروری ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے کہا۔

"اب تم نے مجھے اگر مجبور کر ہی دیا ہے تو میں بھی تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میں اصل میں کون ہوں"۔

اس کے بعد عمران نے سلیمان کو بتایا کہ میں مالیر کوٹلے ہی کا مسلمان نوجوان ہوں اور میں اپنے مسلمان کشمیری بھائیوں سے ہمدردی کی وجہ سے کشمیر کے محاذ پر انڈین آرمی کے خلاف جہاد کر رہا ہوں۔

"ہمارا ایک کشمیری مجاہد اس علاقے میں بھارتی پولیس نے قید کر رکھا تھا...... میں اپنے ایک ساتھی مجاہد کے ساتھ یہاں اس کشمیری مجاہد کو قید سے نکالنے آیا تھا"۔

"کیا تم اپنے مشن میں کامیاب ہوئے؟" سلیمان نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے کشمیری مجاہد بھائی کو بھارت کی قید سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن میرا ساتھی مجاہد اس مشن میں مجھ سے جدا ہو گیا"۔

"کیا وہ شہید ہو گیا؟" سلیمان نے سوال کیا۔

عمران نے کہا۔

"نہیں...... وہ شہید نہیں ہوا لیکن صورت حال ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ اسے بھی کشمیری مجاہد کے ساتھ فرار ہونا پڑ گیا...... ایسا کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے، لیکن بہر حال میں

تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم یہ نشان دہی کر دو کہ بھارتی فوجی ہائی کمان نے پاکستان کے خلاف استعمال کیا جانے والا اعصابی گیس کے بموں کا ذخیرہ کس جگہ سٹور کیا ہوا ہے میں اسے جان کی بازی لگا کر بھی تباہ کرنے کی ایک کوشش ضرور کروں گا"۔

سلیمان مسکرا دیا...... کہنے لگا۔

"تم واقعی سچے مجاہد مسلمان ہو...... جذبہ میرے اندر بھی یہی ہے، لیکن اعصابی گیس کا ذخیرہ بھارتی ہائی کمان نے ایک ایسی خفیہ جگہ پر سٹور کر رکھا ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے"۔

عمران نے کہا۔

"پھر بھی تم بتاؤ تو سہی...... ہو سکتا ہے اس سلسلے میں میں کچھ کر سکوں"۔

سلیمان بولا۔

"تو سنو! بھارت کے جنوب مغربی ساحل پر ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے جس کا نام کوچین ہے...... کبھی تم نے اس کا نام سنا ہے؟"۔

عمران نے نہ صرف کوچین کا نام سنا تھا بلکہ ایک مہم کے سلسلے میں کوچین کی بندرگاہ اور اس کے شہر کی سیر و سیاحت بھی کر چکا تھا...... اس نے کہا۔

"میں نے نام ضرور سنا ہے"۔

سلیمان نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"کوچین کی بندرگاہ کالی کٹ اور ٹریونڈرم بندرگاہوں کے درمیان میں واقع ہے...... یہاں بھارت کی بحریہ کا ایک خفیہ انٹیلی جنس آفس بھی ہے جس کو انتہائی راز میں رکھا گیا ہے اور سوائے چند ایک اعلیٰ فوجی افسروں کے اس خفیہ ایجنسی کا کسی کو علم نہیں ہے...... کوچین سے مغرب کی جانب سمندر میں چھ سات میل کے فاصلے پر سمندر کے اندر کئی پہاڑی چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں...... ان میں سے بعض چٹانوں کی چوٹیاں بڑی چوڑی اور ہموار ہیں اور سطح سمندر سے دو ڈھائی سو فٹ ہی نیچے ہیں......

بھارتی بحریہ نے ان میں سے دو چٹانوں کے اوپر پلاسٹک اور سٹیل کا دس فٹ چوڑا اور دس فٹ ہی لمبا اور سات فٹ اونچا ایک کمرہ تیار کر رکھا ہے...... یہ کمرہ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے اور اس کمرے میں اعصابی گیس کے چھ سلنڈر سٹور کئے ہوئے ہیں...... ان میں سے ہر سلنڈر کے اندر چار چار اعصابی گیس کے بم رکھے گئے ہیں...... ہر بم میں اعصابی گیس کو مائع حالت میں تبدیل کیا گیا ہے...... یہ بم فٹ بال سے چھوٹے اور کرکٹ کے گیند سے بڑے ہیں...... ہر بم میں اتنی ہلاکت خیز گیس موجود ہے کہ اگر اسے بمبئی ایسے بڑے شہر میں پھینکا جائے تو بمبئی شہر کی بلڈنگیں اور سڑکیں اور ریلوے سٹیشن اور دوسری عمارتیں تو اپنی جگہ پر قائم رہیں گی لیکن انسان ایک بھی زندہ نہیں بچے گا...... اس گیس کے اثر سے شہر کے سارے درخت سیاہ پڑ کر مرجھا جائیں گے اور ان کی شاخیں اپنے آپ تنے سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑیں گی"۔

عمران انتہائی توجہ سے سلیمان کے یہ انکشافات سن رہا تھا...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ انڈین گورنمنٹ کا ایک اتنا اہم راز محض ایک اتفاق سے یا ایک بھٹکی ہوئی ہندو عورت کی آتما کے ذریعے اسے معلوم ہو جائے گا...... اس نے کہا۔

"اس گیس چیمبر کی سیکورٹی کا بھی تو بڑا زبردست انتظام کیا گیا ہو گا"۔

سلیمان بولا۔

"چونکہ انڈین گورنمنٹ اور بھارتی بحریہ کو معلوم ہے کہ یہ علاقہ گمنام سا ہے اور اس کے متعلق کسی کو شک بھی نہیں پڑ سکتا کہ یہاں اتنی قیمتی شے سمندر کے نیچے ایک باکس میں موجود ہے...... اس وجہ سے یہاں سیکورٹی کا اتنا زیادہ اہتمام ضروری نہیں سمجھا گیا...... ویسے اس گیس چیمبر کے ارد گرد دو دو میل کے قطر میں بھارتی بحریہ کے فائٹر سٹیمر چکر لگاتے رہتے ہیں اور سونار سسٹم سے یہ معلوم کرتے رہتے ہیں کہ سمندر کے نیچے دشمن کی کوئی آبدوز وغیرہ تو موجود نہیں۔

عمران نے سلیمان سے کہا۔

"اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم دونوں اس گیس چیمبر کو سمندر کے نیچے تباہ کر سکتے ہیں اور یوں مسلمان ممالک اور خاص طور پر پاکستان کو بھارت کے جارحانہ ناپاک عزائم سے نجات مل سکتی ہے"۔

سلیمان نے بڑے پرجوش الفاظ میں کہا۔

"میں تمہارے ساتھ اس مشن پر جانے کے لئے تیار ہوں"۔

سلیمان ٹکٹکی باندھ کر عمران کو تکنے لگا...... پھر اس نے پوچھا۔

"کیا تم دل سے ایسا کہہ رہے ہو؟"۔



عمران نے جواب دیا۔

”میں اپنے دل سے کہہ رہا ہوں...... مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟“۔

اس پر سلیمان نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور کہنے لگا۔

”میں ایک بات کی ابھی سے وضاحت ضروری سمجھتا ہوں...... وہ یہ بات ہے کہ میں کوئی کمانڈو نہیں ہوں...... مجھے نہیں پتہ کہ تم کمانڈو ہو یا نہیں ہو، لیکن میں نہیں ہوں...... میں تیرنا بھی نہیں جانتا...... میں ویسے بھی سمندر سے ڈرتا ہوں، لیکن میں تمہیں باہر بیٹھ کر گائیڈ کر سکتا ہوں...... تم اگر چاہو تو میں تمہیں سمندر کے نیچے گیس چیمبر کا پورا نقشہ بنا کر دکھا سکتا ہوں...... میں تمہیں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس گیس چیمبر کی حفاظت کے لئے کون کون سا سٹیمر کس وقت اور کتنے کتنے وقفے کے بعد گیس چیمبر کے گرد چکر لگاتا ہے...... اگر ان کا شیڈول تبدیل نہیں ہوا تو ہو گا ہر آدھ گھنٹے کے بعد ایک مشاہداتی سٹیمر گیس چیمبر کے ارد گرد گھوم جاتا ہے...... اس سٹیمر میں سونار راڈار لگا ہوا ہے...... جو سمندر کے نیچے پیدا ہونے والی لہروں کی خبر اوپر سٹیمر کے راڈار پر دے دیتا ہے...... سٹیمر پر بھارتی بحریہ کے بارہ بارہ مسلح جوان اٹن شن ہو کر پہرے پر موجود رہتے ہیں...... ہفتے میں دو بار بھارتی بحریہ کے کمانڈو غوطہ خور سمندر میں اتر کر گیس چیمبر کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پوری طرح سے چیکنگ کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تخریبی کارروائی تو نہیں کی گئی...... بس یہ ہے اعصابی گیس چیمبر کی سیکورٹی کی تفصیل جو میں نے تمہیں بتا دی ہے...... عمران کو احساس ہو گیا تھا کہ اتنی زیادہ اور سخت

سیکورٹی کے انتظام میں ان کا اعصابی گیس چیمبر تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے...... اس کے لئے بہت سے وسائل کی ضرورت ہو گی...... جو بظاہر عمران کے پاس نہیں تھے...... اس سلسلے میں سیٹھ ستار سے مشورے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا تھا...... عمران نے سلیمان سے پوچھا۔

”تم تو واپس مدراس نہیں جا سکتے“۔

سلیمان بولا۔

”میرا مدراس جانا خود بخود اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنے والی بات ہو گی...... اگر مجھے تم نہ ملتے اور میں کسی اور ذریعے سے اندھے گڑھے سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو پھر مجھے دوبئی کی طرف نکل جانا تھا تاکہ بھارتی انٹیلی جنس کے درندوں سے نجات حاصل ہو جائے، لیکن اب تمہارے ساتھ جو باتیں ہوئی ہیں اور جو منصوبہ ہم نے بنایا ہے اس کے لئے میرا تمہارے پاس رہنا ضروری ہے تاکہ اس کمانڈو آپریشن میں میں تمہیں گائیڈ کر سکوں“۔

عمران نے پوچھا۔

”ہمیں اس مہم کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہو گی...... سب سے پہلے تو ہمیں غوطہ خوری کا لباس درکار ہو گا...... آکسیجن سلنڈر اور دھماکہ خیز مواد کی ضرورت ہو گی...... اس کے علاوہ ہمیں کوچین کی بندرگاہ کے قرب و جوار میں کسی ایسے خفیہ ٹھکانے کی بھی ضرورت ہو گی جہاں ہم اس کمانڈو آپریشن کے لئے اپنا بیس Base بنا سکیں...... کیا تمہارے خیال میں کوچین کی بندرگاہ کے آس پاس ہمیں کوئی ایسی خفیہ جگہ مل سکے گی؟“۔

سلیمان سوچنے لگا...... پھر بولا۔

”کوچین میں میرا ایک ہی دوست ہے...... اس کا نام رجب علی ہے...... وہ حیدر آباد دکن کا رہنے والا ہے اور انڈین نیوی کی کمانڈو رجمنٹ میں کیپٹن تھا...... صرف

مسلمان ہونے کی وجہ سے اسے وقت سے پہلے انڈین نیوی سے ریٹائر کر دیا..... اب وہ کوچین میں انگریزی دوائیوں کی دکان کرتا ہے..... حیدر آباد دکن میں ہم بارہویں جماعت تک ایک ہی کالج میں پڑھتے رہے ہیں..... وہ پاکستان سے محبت کرتا ہے اور اس کے دل میں اسلام کا جذبہ مجھ سے بھی زیادہ ہے..... اس سے بات کی جا سکتی ہے..... اگر وہ ہماری مدد پر رضامند ہو جائے تو ہمارے سب مسائل حل ہو سکتے ہیں"۔

"پھر اس سے چل کر بات کرتے ہیں" عمران نے کہا۔

سلیمان کہنے لگا۔

"کوچین کا علاقہ میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ مجھے ملٹری انٹیلی جنس نے اسی علاقے سے گرفتار کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی..... اب میرے فرار کے بعد پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس وہاں میری تلاش میں ہو گی اور مجھے پہچانا جا سکتا ہے، لیکن میں تمہارے ساتھ کوچین ضرور جاؤں گا..... میرے جائے بغیر ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے"۔

عمران نے کہا۔

"تم اپنا حلیہ تھوڑا بدل لو..... مثلاً تمہارے بڑے گھنے بال ہیں..... ان کو منڈوا دو..... منڈے ہوئے سر کی وجہ سے تمہیں ایک نظر میں پہچاننا مشکل ہو گا"۔

سلیمان بولا۔

"ہمیں کچھ کرنا پڑے گا..... لیکن یہ بتاؤ کیا میں یہاں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں؟"۔

عمران نے کہا۔

"کیوں نہیں..... تم اب میرے ساتھ ہی رہو گے..... میرے دوست ستار سیٹھ کو جس کا یہ ریسٹ ہاؤس ہے تم سے مل کر یقیناً خوشی ہو گی"۔

سلیمان نے کہا۔

"اپنے اس دوست کو ہرگز نہ بتانا کہ ہم کس مشن پر کوچین جا رہے ہیں"۔

عمران نے کہا۔

"اسے بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... میں اس سے کوچین کے بارے میں کا ذکر تک نہیں کروں گا..... یہ بتاؤ کہ ہم کب اس مہم پر روانہ ہوں گے"۔

"میری طرف سے کل ہی چلے چلو" سلیمان بولا..... "ہم جتنی جلدی اس مہم کو شروع کریں اتنا ہی اچھا ہے، لیکن میرے پاس تو ریل کا کرایہ نہیں ہے..... کوچین میں اپنے دوست رجب علی کے پاس پہنچ کر ہمیں روپے پیسے کی تنگی نہیں ہو گی"۔

عمران نے کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو..... میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ ہم کوچین بھی پہنچ جائیں اور وہاں کسی ہوٹل میں ایک دو ماہ تک قیام بھی کر سکیں"۔

سلیمان بولا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے، لیکن رجب علی میرا دوست ہمیں ہوٹل میں نہیں رہنے دے گا..... وہ ہماری رہائش کا کوئی بندوبست کر دے گا..... ہوٹل میں قیام کرنا میرے لئے مناسب نہیں ہے..... وہاں میں پہچانا جا سکتا ہوں"۔

رات کے کھانے پر ستار سیٹھ بھی آ گیا..... عمران نے اس کا سلیمان سے یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ میرا ایک پرانا دوست ہے جو بمبئی میں اچانک مجھے مل گیا اور میں اسے یہاں لے آیا ہوں اور اب یہ ہمارے پاس کچھ دن رہے گا..... سیٹھ ستار نے غور سے سلیمان کا جائزہ لیا اور کہنے لگا۔

"مسٹر سلیمان! تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی"۔

اس دوران کمانڈو عمران نے ستار سیٹھ کو آنکھ کے اشارے سے یہ سمجھا دیا تھا کہ سلیمان کو میں نے ایک خاص مقصد کے تحت بلایا ہے..... چنانچہ سلیمان سے مزید کرید کرید کر کچھ نہ پوچھا جائے..... کھانے کے بعد عمران نے سلیمان سے کہا۔

"سلیمان! تم اندر جا کر سو جاؤ...... تم بہت تھکے ہوئے ہو" باقی باتیں صبح ہوں گی"۔

سلیمان اٹھ کر دوسرے بیڈ روم میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد کمانڈو عمران نے ستار سیٹھ کو سلیمان کی ساری کہانی بیان کر ڈالی...... ستار سیٹھ بڑی توجہ سے سنتا رہا...... عمران نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں کوچین جا کر زیر زمین سارا کام کرنا ہو گا...... کیا کوچین میں اپنا کوئی آدمی ہے جو ضرورت کے وقت ہماری کوئی مدد کر سکے؟"۔

ستار سیٹھ چند سیکنڈ خاموش رہا...... پھر کہنے لگا۔

"وہاں ہمارا کوئی آدمی نہیں ہے...... مدراس میں ایک مجاہد ضرور ہے مگر مدراس وہاں سے بہت دور ہے"۔

عمران بولا۔

"کوئی بات نہیں...... ہمیں سلیمان کے دوست رجب علی سے کافی مدد ملنے کی توقع ہے...... اور پھر میں خود بھی بہت کچھ سنبھال لوں گا"۔

"تم لوگ کوچین کب روانہ ہو رہے ہو؟" ستار سیٹھ نے پوچھا۔

عمران نے کہا۔

"ہمارا کل یہاں سے نکل جانے کا ارادہ ہے"۔

ستار سیٹھ نے کہا۔

"میں صبح تمہیں کچھ پیسے بھجوا دوں گا"۔

دوسرے دن ستار سیٹھ نے اپنے ملازم کے ہاتھ عمران کو تین ہزار روپے بھجوا دیئے...... سلیمان ناشتہ کر چکا تھا...... عمران نے بھی ناشتہ کیا اور سلیمان سے پوچھا

"کوچین جانے کے لئے ہمیں کون سی گاڑی پکڑنی ہو گی"۔

سلیمان نے کہا۔

"ہمیں بنگلور کی گاڑی پکڑنی ہو گی...... بنگلور سے ہمیں کوچین ایکسپریس

…ڑے گی"۔

اس دوران سلیمان نے اپنے سر کے بال پہلے قینچی سے کاٹے اور پھر سر کی پوری …کر لی تھی...... اس کی شکل اور حلیے میں کافی فرق پڑ گیا تھا...... انہوں نے ریلوے …ڑی فون کر کے بنگلور جانے والی ٹرین کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک پسنجر ٹرین …ھے دس بجے دن کے وقت چلتی ہے اور ایک ایکسپریس ٹرین رات کے آٹھ بجے …ہوتی ہے...... سلیمان نے کہا۔

"ہم پسنجر ٹرین ہی پکڑیں گے...... ابھی ٹرین کے چلنے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے"۔

کچھ وقت وہ بر آمدے میں بیٹھے اپنے مشن کے بارے میں مزید غور و فکر کرتے …ے...... اس کے بعد ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑے...... ستار سیٹھ کی گاڑی انہیں …کے بوری بندر سٹیشن پر چھوڑ آئی...... بنگلور جانے والی ٹرین میں بڑا رش تھا...... وہ …ایک ڈبے میں سوار ہو گئے...... ٹرین ٹھیک وقت پر روانہ ہو گئی...... بنگلور کا سفر کافی …ل تھا، مگر عمران لمبے سفروں کا عادی ہو چکا تھا آخر وہ بنگلور پہنچ گئے...... وہاں سے …ں کوچین ایکسپریس مل گئی جس نے انہیں صبح صبح کوچین پہنچا دیا...... سلیمان سیدھا …ے دوست رجب علی کے گھر کی طرف روانہ ہوا...... وہ ٹیکسی میں سوار تھے...... …ب علی کا چھوٹا سا مگر کوٹھی نما مکان کوچین کی بندرگاہ کے جنوب میں سمندر کے …ب واقع تھا...... رجب علی ابھی اپنی کیمسٹ شاپ پر نہیں گیا تھا...... سلیمان کو دیکھ …وہ بہت خوش ہوا...... دونوں دوست بغل گیر ہو کر ملے...... سلیمان نے عمران کا …ف کرواتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا جگری دوست عمران ہے...... اس کے بارے میں باقی تعارف میں ناشتے …اؤں گا"۔

رجب علی نے عمران کو بھی گلے لگا لیا اور بولا...... جو میرے دوست سلیمان کا …ت ہے وہ میرا بھی دوست ہے...... ہم سب اکٹھے ناشتہ کریں گے...... میں دوکان

کھولنے کے لیے اپنے ملازم کو بھیج دوں گا...... تاکہ ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کر سکیں"۔

ناشتے پر سلیمان نے رجب علی سے کہا۔

"دوست! ہم ایک خاص مشن پر کوچین آئے ہیں"۔

رجب علی نے سلیمان سے کہا۔

"مجھے تمہارے بارے میں علم ہو گیا تھا کہ بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس نے تمہیں کسی دور دراز مقام پر جلاوطن کر دیا ہے...... کیوں جلاوطن کیا ہے اس کی رپورٹ بھی مجھے مل گئی تھی...... تمہیں دیکھ کر مجھے اس لئے بھی خوشی ہوئی تھی کہ تم زندہ سلامت میرے پاس واپس آگئے ہو، کیونکہ بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی جس مسلمان کو پکڑ کر کسی بھی وجہ سے جلاوطن کرتی ہے تو پھر وہ شخص دوبارہ کسی کو زندہ نظر نہیں آتا"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں بھی تمہیں زندہ نظر نہ آتا اگر عمران میری مدد کو نہ پہنچ جاتا"۔

اس کے بعد سلیمان نے رجب علی کو اپنی ساری کہانی بیان کر دی۔

رجب علی بولا۔

"تم بڑے خوش قسمت ہو سلیمان کہ اللہ نے تمہیں بچانے کے لئے ایک سبب پیدا کر دیا اور عمران کو فرشتے کے روپ میں تمہارے پاس بھیج دیا...... تم نے اس لئے سر منڈوا دیا ہے تاکہ پہچانے نہ جا سکو"۔

سلیمان نے کہا۔

"یہ احتیاط بڑی ضروری تھی رجب علی...... کیونکہ کنوئیں سے میرے غائب ہونے کی رپورٹ بھارت کی انٹیلی جنس کو مل چکی ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ پولیس انٹیلی جنس والے میری تلاش میں ہوں"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو...... میرے پاس ایک ایسی خفیہ جگہ ہے جہاں تمہیں کوئی باہر کا ں نہیں دیکھ سکے گا...... لیکن اب تمہارا ارادہ کیا ہے...... میرا مطلب ہے کہ میں نہیں سکا کہ ان حالات میں جبکہ تمہیں کسی جگہ روپوش ہو جانا چاہئے تھا تم خود ہی ین آگئے ہو جہاں تمہارے پکڑے جانے کا ہر وقت خطرہ موجود ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ وجہ میرا اور عمران کا مشن ہے...... ہمیں اس ن کے لئے تمہاری راہ نمائی اور امداد کی اشد ضرورت ہے...... اس لئے میں عمران کو ے کر تمہارے پاس آیا ہوں"۔

رجب علی بولا۔

"میں ہر طرح تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں، مگر وہ کون سا مشن ہے کیا میں پوچھ تا ہوں"۔

سلیمان نے کہا۔

"رجب علی! مجھے تم پر اندھا بھروسہ ہے کہ جو کچھ میں یا عمران تمہیں بتائے گا اس ذکر تم کسی سے نہیں کرو گے، کیونکہ یہ ایک انتہائی ٹاپ سیکرٹ مشن ہے"۔

رجب علی بولا۔

"سلیمان...... تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں دوستوں کے راز چھپانے ں سب سے آگے ہوں"۔

سلیمان نے کہا۔

"اور تم اس راز میں برابر کے شریک ہو گے اور تمہاری مدد اور تعاون کے بغیر ہم پنے مشن میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے...... اس لئے تمہیں اپنے مشن کی ایک ایک فصیل بتانی ضروری ہے"۔

اس کے بعد سلیمان نے اپنے مشن کے بارے میں سب کچھ بیان کر دیا...... اس کے ساتھ ہی سلیمان اور عمران نے رجب علی کو اس مشن کے لئے جن جن چیزوں کی اشد ضرورت تھی وہ بھی بتادیں...... رجب علی نے پوری تفصیل بڑے غور سے سنی...... پھر کہنے لگا۔

”تمہارا یہ مشن بہت ضروری بھی ہے اور بڑا خطرناک بھی ہے...... خطرناک ان معنوں میں کہ ذرا سی بے احتیاطی ہم سب کو پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتی ہے“۔

عمران نے کہا۔

”ہمیں اس مشن کے تمام خطرناک پہلوؤں کا پورا احساس ہے...... ہماری ہر قدم پر کوشش ہوگی کہ ذرا سی بھی بے احتیاطی نہ ہو، لیکن اس میں ہمیں خطرات ضرور مول لینے پڑیں گے...... ان خطرات کو مول لئے بغیر ہم اپنے مشن پر عمل نہیں کر سکیں گے“۔

رجب علی کہنے لگا۔

”اس مشن کے لئے بڑے تربیت یافتہ کمانڈوز کی ضرورت ہے مگر تم دونوں میں سے کوئی بھی تربیت یافتہ کمانڈو نہیں ہے“۔

سلیمان نے کہا۔

”تم جو تجربہ کار اور تربیت یافتہ کمانڈو ہو...... تم ہماری راہ نمائی کر سکتے ہو...... یقین کرو تم جیسا کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے اور ہمارا کوئی قدم غلط یا بے احتیاطی سے نہیں اٹھے گا“۔

عمران اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ میں تربیت یافتہ کمانڈو ہوں، مگر وہ خاموش رہا......

رجب علی بولا۔

”سب سے پہلے تمہیں کسی ایسی جگہ اپنا بیس Base بنانا ہوگا جو انتہائی خفیہ جگہ پر اور سمندر کے کنارے ہونا چاہئے...... اس کے بعد تمہیں اعصابی گیس چیمبر کے گرد

گشت لگانے والے سٹیمروں کے شیڈول کو نوٹ کرنا ہوگا...... پھر اپنے بیس Base کیمپ سے سمندر کے نیچے اعصابی گیس چیمبر تک فاصلے کو ناپنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ تم غوطہ لگا کر اپنے ٹارگٹ تک کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو...... میں تمہیں غوطہ خوری کا لباس اور آکسیجن کا فالتو سلنڈر بھی مہیا کر دوں گا، لیکن اس کے باوجود تم سمندر کے نیچے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے تک رہ سکو گے...... اس ایک گھنٹے کے اندر اندر تمہیں انتہائی سخت سیکورٹی اور نیوی کے راڈار کو دھوکا دے کر اعصابی گیس چیمبر تک پہنچنا ہوگا اور وہاں دھماکہ خیز بم لگانا ہوگا...... یہ کام ایسا ہے کہ جیسے کوئی موت کے منہ میں جا کر پھر زندہ سلامت واپس آنے کی بھی توقع رکھے“۔

عمران نے کہا۔

”ہم کوشش کریں گے کہ ہم ایک گھنٹے کے اندر اندر گیس چیمبر میں بم پلانٹ کر کے دشمن کے راڈار کو دھوکا دے کر واپس آ جائیں“۔

رجب علی بولا۔

”اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری بہت بڑی خوش نصیبی ہوگی...... لیکن مجھے شبہ ہے کہ کہیں تم پکڑے نہ جاؤ کیونکہ تم سمندر میں غوطہ لگا کر اپنے ٹارگٹ تک پہنچ جاؤ گے مگر دشمن نے اوپر زیر سمندر لہروں کی ذرا سی حرکت کو بھی رجسٹر کرنے کے واسطے جو راڈار لگا رکھا ہے اس سے نہیں بچ سکو گے...... جیسے ہی تم گیس چیمبر کے حساس خطے میں داخل ہوئے دشمن کو اوپر فوراً خبر ہو جائے گی کہ کوئی تخریب کار اعصابی گیس چیمبر تک پہنچ گیا ہے۔ انڈین نیوی کے پٹرولنگ سٹیمر اس وقت تمہارے ارد گرد سمندر کا محاصرہ کر لیں گے اور نیوی کے تجربہ کار غوطہ خور سمندر میں اتر کر تمہیں ڈھونڈ لیں گے اور وہ تمہیں پکڑیں گے نہیں، بلکہ وہیں پانی کے اندر ہی ہلاک کر دیں گے اور تھوڑی دیر بعد تمہاری مردہ لاش لے کر سمندر سے باہر آ جائیں گے“۔

کمانڈو عمران نے محسوس کیا کہ رجب علی کچھ زیادہ ہی مبالغے سے کام لے رہا ہے...... ورگرنہ کمانڈو کا ہر مشن خطرناک ہوتا ہے اور کوئی بھی مشن ایسا نہیں ہوتا جس میں جان جانے کا خطرہ نہ ہو، لیکن عمران اس کی کسی بات کی تردید نہیں کرنا چاہتا تھا...... مصلحت کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے اور رجب علی کی راہ نمائی میں اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے...... جب رجب علی انہیں ہر قسم کے خطرات سے آگاہ کر چکا اور اس نے اپنی بات ختم کی تو سلیمان نے کہا۔

"دوست! تم نے ایک ایک بات بالکل صحیح کہی ہے اور ہم تمہاری ہدایت کے مطابق عمل کریں گے، لیکن اس مشن سے پیچھے نہیں ہٹیں گے...... ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے ہماری جانیں چلی جائیں لیکن پاکستان کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں استعمال کی جانے والی دشمن کی اعصابی گیس کے ذخیرے کو تباہ و برباد کر کے ہی دم لیں گے"۔

رجب علی بولا۔

"میں تمہارے عزم و ہمت کی داد دیتا ہوں"۔

عمران نے اصل بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے تو آپ ہمیں وہ جگہ بتایئے جہاں ہم اپنا بیس Base یعنی بنیادی خفیہ کیمپ لگا سکیں...... اس کے بعد ہمیں غوطہ خوری کے لباس اور سلنڈر وغیرہ کی ضرورت ہو گی اور سب سے اہم ضرورت کسی ایسے ٹائم بم کی ہے جو ہمیں کسی حالت میں بھی دھوکہ نہ دے اور عین وقت پر پھٹ کر اعصابی گیس چیمبر کے پرخچے اڑا دے اور ساری اعصابی مائع گیس سمندر میں غرق ہو جائے"۔

سلیمان نے پوچھا۔

"یہ گیس مائع حالت میں چھوٹے چھوٹے گول بموں کی شکل میں ہے اور ان کے پھٹنے سے جو مائع اعصابی گیس سمندر کے پانی میں حل ہو گی اس سے سمندر کے اوپر کسی

ندہ شے کو نقصان نہیں پہنچے گا، لیکن سمندر کے نیچے ایک خاص دائرے کے اندر اندر جتنی سمندری مخلوق ہو گی وہ مر جائے گی"۔

"ایسا ہی ہو گا"۔

رجب علی نے کہا...... "میں تمہیں دھماکہ خیز مواد مہیا کر دوں گا...... یہ مواد ئم بموں کی شکل میں ہو گا...... میرے ذرائع اتنے ہیں کہ میں تمہیں یہ ٹائم بم ا کر دے دوں گا مگر ان کو سمندر کے نیچے جا کر اعصابی گیس چیمبر کے ساتھ چپکانا تم گوں کا کام ہو گا"۔

سلیمان نے ایک اور سوال کر دیا...... کہنے لگا۔

"کیا کوئی ایسا فارمولا نہیں ہے جس پر عمل کرنے سے ہم دشمن کے راڈار کو جام ر دیں...... انہیں خبر ہی نہ ہو کہ ہم سمندر کے اندر ہی اندر گیس چیمبر کی طرف بڑھ رہے ہیں"۔

رجب علی نے کہا۔

"اس کا ایک ہی فارمولا ہے کہ تم لوگ جب غوطہ خوری کے لباس میں سمندر میں اترو اور اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھو تو تیرنے کے لئے ہاتھ پیر نہ مارو اور اس طرح ٹارگٹ تک پہنچو جیسے لہریں خود بخود تمہیں بہائے لئے جا رہی ہیں...... تم خود نہیں تیر رہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں تو تیرنا بالکل نہیں جانتا...... میں سمندر میں نہیں اتروں گا...... سمندر میں رف عمران اترے گا...... کیوں عمران! کیا تم سمندر کے اندر مردہ تاری تیر سکو گے؟"۔

کمانڈو عمران ہر قسم کی تاری تیر سکتا تھا...... اس نے کہا۔

"میں مردہ تاری تیر سکتا ہوں"۔

رجب علی نے کہا۔

"اگر تم کامیابی اور مہارت کے ساتھ سمندر کے اندر اس طرح تیر سکتے ہو جس طرح ایک مردہ لاش تیرتی ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ دشمن کا راڈار تمہیں لوکیٹ نہیں کر سکے گا اور اسے بالکل خبر نہیں ہو گی کہ سمندر کے نیچے کوئی کمانڈو اعصابی گیس کے مرکز کی طرف بڑھ رہا ہے...... اب رہ گئی یہ بات کہ تمہیں اعصابی گیس چیمبر کے قریب جا کر ٹائم بم بھی لگانے ہوں گے اور اس کے لئے تمہیں اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو حرکت دینی پڑے گی...... اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ تم بازوؤں کو بہت آہستہ آہستہ اس طرح حرکت دو گے کہ تمہارے بازو ہلانے سے سمندر میں لہریں پیدا نہ ہوں...... تم بالکل سلوموشن میں حرکت کرو گے...... صرف اسی طرح تم راڈار پر چیک ہونے سے بچ سکو گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم پہلے صرف ٹارگٹ کو چیک کرنے کے لئے سمندر میں اتریں اور ضروری پوزیشنوں کی نشان دہی کر کے واپس آ جائیں اور اس کے بعد پھر اپنا اصل آپریشن شروع کریں؟"۔

رجب علی نے کہا۔

"نہیں...... ایسا کرنے سے ممکن ہے تم پکڑے جاؤ...... تمہیں جس روز کمانڈو آپریشن شروع کرنا ہو گا وہی تمہارا فائنل دن ہو گا اور تم اسی روز سمندر کے نیچے جا کر اعصابی گیس کے ذخیرے میں بم لگاؤ گے"۔

عمران اور سلیمان نے رجب علی کے ساتھ تمام ضروری امور طے کر لئے...... آخر میں جب بیس Base کیمپ کی بات ہوئی کہ وہ کس جگہ پر قائم کیا جائے تو رجب علی بولا۔

"میرے ذہن میں ایک جگہ ہے...... وہاں تمہارا بیس کیمپ قائم ہو سکتا ہے...... وہ سمندر کے ساحل پر بھی ہے اور وہ جگہ ویران غیر آباد بھی ہے"۔

سلیمان چونکہ رجب علی کو اچھی طرح سے جانتا تھا اس نے پوچھا۔

"کیا یہ کوئی نئی جگہ ہے؟"۔

رجب علی بولا۔

نئی جگہ نہیں ہے...... یہ میرا مکان ہے...... کوچین کی بندرگاہ سے چار میل کے صلے پر میں نے کسی زمانے میں ایک چھوٹا سا مچھلی فارم بنایا تھا اور وہاں رہائش کے لئے ب کمرہ بھی ڈالا تھا...... باتھ روم اور کچن بھی بنوایا تھا مگر میرا مچھلی فارم چل نہ سکا اور ں نے اسے بند کر دیا، لیکن وہ کمرہ بمع کچن اور باتھ روم کے فارم پر ابھی تک موجود ہ...... تم اسے بطور بیس Base کیمپ استعمال کر سکتے ہو...... وہاں کوئی نہیں آتا جاتا ر سمندر میں وہ جگہ بھی قریب ہے جہاں زیر آب اعصابی گیس کا ذخیرہ دفن ہے"۔

دوپہر کے بعد رجب علی نے سلیمان اور کمانڈو عمران کو ساتھ لیا اور اسے سمندر ز ارے اپنے ویران مچھلی فارم میں لے گیا جہاں اس کے خیال میں عمران کو اپنا بیس Bas کیمپ بنانا چاہئے تھا...... عمران کو وہ جگہ بہت پسند آئی...... اس میں سب سے ی بات یہ تھی کہ ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی...... کوئی مکان نہیں تھا...... انہیں ں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا...... مچھلی فارم کے بڑے کمرے کی چھت بیٹھ چکی تھی...... تالاب میں مچھلیاں پائی جاتی تھیں اس میں بارش کا گدلا پانی جمع تھا...... صرف ایک باقی تھا جس کے نیچے ایک کشادہ تہہ خانہ تھا۔

سلیمان نے عمران سے کہا۔

"یہ تہہ خانہ ہمارے مشن کے لئے بہت موزوں رہے گا"۔

چنانچہ اسی تہہ خانے کو عمران اور سلیمان نے اپنا بیس Base کیمپ بنا لیا...... ب علی ان کے مشن کے سلسلے میں ان کا بہت مددگار ثابت ہوا...... اس نے ایک ۔کر کے وہ تمام چیزیں انہیں لا کر دے دیں جن کی اس مشن کے لئے عمران اور ہان کو ضرورت تھی...... چار دنوں کے اندر اندر ان کا غوطہ خوری کا لباس، آکسیجن

کے دو فالتو چھوٹے سلنڈر پانی کے اندر فائر کرنے والی دو چھوٹی گنیں جن کے آگے سائی لینسر لگے ہوئے تھے اور دوسری ضروری چیزیں وہاں لاکر رکھ دی گئیں...... اب رجب علی نے صرف تین ٹائم بم لاکر دینے تھے جس کا اس نے عمران سے وعدہ بھی کیا تھا...... رجب علی نے کہا۔

"جس روز تمہیں اپنے مشن پر روانہ ہونا ہوگا اس سے ایک دن پہلے میں تمہیں تینوں ٹائم بم لاکر دے دوں گا...... اس کی تم فکر نہ کرو"۔

سب سے پہلا کام یہ کرنے والا تھا کہ جس جگہ سمندر کے نیچے اعصابی گیس چیمبر بنایا گیا تھا اس جگہ کی سمندر کے اوپر نشان دہی کرنی تھی...... رجب علی کہنے لگا۔

"سمندر کی سطح پر تم کوئی نشان نہیں لگا سکتے...... کوئی جھنڈا بھی نہیں لگا سکتے...... اس جگہ کی نشان دہی تمہیں اندازے سے کرنی ہوگی"۔

دوسرے دن صبح صبح رجب علی سلیمان اور عمران کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ تین میل تک لے گیا...... ایک جگہ اس نے کشتی سمندر کے کنارے پر کھینچ لی اور دونوں کو اپنے قریب جھاڑیوں میں بٹھا لیا اور کہا۔

"تمہیں دور ایک سٹیمر نظر آ رہا ہوگا"۔

اس سٹیمر کو عمران اور سلیمان دونوں دیکھ رہے تھے...... عمران نے کہا۔

"کیا یہ وہی گشتی سٹیمر ہے جو اعصابی مرکز کی سیکورٹی کے لئے گشت لگاتا ہے؟"۔

رجب علی نے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک پہچانا ہے...... یہ پٹرولنگ سٹیمر ہی ہے...... اس طرح دوسرے دو سٹیمر دوسری جانب کھڑے ہیں...... یوں سمجھ لو کہ جہاں یہ سٹیمر کھڑا ہے وہاں سے زیادہ سے زیادہ دو سو گز کے فاصلے پر شمال مشرق کی جانب سمندر کے نیچے اعصابی گیس چیمبر ہے جہاں اس وقت بھی نصف درجن سے زیادہ اعصابی گیس سلنڈر ذخیرہ کئے گئے ہیں اور موجود ہیں"۔

پھر رجب علی نے جیب سے چھوٹی سی پاکٹ بک نکال کر اس پر ساحل سمندر کی لکیر کھینچی اور شمال مشرق کی جانب دو تین ڈگریوں کے نشان بنانے کے بعد عمران سے کہا۔

"یہ سٹیمر یہاں سے زیادہ سے زیادہ چھ سات سو گز کے فاصلے پر ہے...... تمہیں یہاں سے سمندر میں غوطہ لگا کر پانی کے اندر ہی اندر سٹیمر تک پوری طرح سے ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے جانا ہوگا...... سٹیمر سے آگے اعصابی گیس چیمبر کا انتہائی حساس زون شروع ہو جاتا ہے...... وہاں تمہیں مردہ تاری لگانی ہوگی اور اپنے آپ کو سمندر کی اوپر نیچے ہوتی لہروں کے حوالے کر دینا ہوگا...... تم خود کوئی حرکت نہیں کرو گے...... بس اپنا رخ گیس چیمبر کی طرف رکھو گے...... سٹیمر تک پہنچنے کے بعد تمہیں گیس چیمبر کا چھوٹا سا پلاسٹک کا کمرہ نظر آ جائے گا...... تمہیں بالکل سلو موشن میں بہت ہی آہستہ آہستہ اور بے معلوم انداز میں صرف پاؤں کے پنجوں کو حرکت دینی ہوگی...... یہ حرکت بھی بہت ہی آہستہ ہوگی تاکہ لہروں میں تموج پیدا نہ ہو...... یعنی ہل چل پیدا نہ ہو، اگر ذرا بھی ہل چل پیدا ہوگئی تو اوپر سیکورٹی روم میں لگے ہوئے راڈار پر تمہاری نشان دہی ہو جائے گی اور دوسرے لمحے دشمن کے دس بارہ کمانڈو مشین گنیں اور پانی کے اندر چلائے جانے والے تیر کمان لے کر سمندر کے نیچے آجائیں گے اور تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ میرے جسم کی حرکت بے معلوم ہو...... اتنی بے معلوم ہو کہ خود مجھے بھی اس کا احساس نہ ہو کہ میرے جسم کا کوئی حصہ حرکت کر رہا ہے"۔

رجب علی بولا۔

"اگر تم ان باتوں پر عمل کر سکے تو یقین کرو تم ٹارگٹ مار لو گے، لیکن اگر تم سے

ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو گئی، تو تمہارے ساتھ تمہارا مشن بھی خاک میں مل جائے گا“۔
رجب علی نے پاکٹ بک کے جس کاغذ پر سمندر میں ٹارگٹ کا نقشہ بنایا تھا وہ کاغذ پاکٹ بک سے الگ کر کے عمران کو دے دیا...... سلیمان بولا۔

”ہو سکتا ہے جس رات عمران اپنے مشن پر روانہ ہو اس رات سمندر میں سٹیمر نظر نہ آئے...... تب کیا ہو گا؟“۔

رجب علی نے کہا۔

”یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے...... ٹارگٹ کی نشان دہی اندازے سے ہو سکتی ہے...... مثلاً میں اس وقت، سمندر میں سٹیمر کو کھڑے دیکھ رہا ہوں...... اگر کل میں یہاں آکر سمندر پر نگاہ ڈالوں اور وہاں سٹیمر نہ ہو تو میں اندازہ لگالوں گا کہ سٹیمر فلاں جگہ سمندر میں لنگر انداز تھا...... اندازے سے تو دنیا میں بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں اور یہ تو اندازہ بھی اتنا مشکل نہیں ہے“۔

رجب علی نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”عمران بھائی! جس جگہ اس وقت سٹیمر کھڑا ہے بس تم اس جگہ کو اپنے ذہن میں بٹھالو...... اگر کل یہاں سٹیمر نہ بھی ہو تو تمہیں ٹھیک اسی جگہ پہنچنا ہو گا اور وہاں پہنچ کر سمندر میں غوطہ لگانا ہو گا...... اس جگہ تک تم منہ پانی سے باہر رکھ کر جاؤ گے...... اس جگہ پہنچنے کے بعد سمندر میں غوطہ لگاؤ گے اور اعصابی مرکز کو تلاش کرو گے اور اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کر دو گے۔

عمران نے کہا۔

”رجب علی بھائی! میں اچھی طرح سے سمجھ گیا ہوں...... آپ فکر نہ کریں...... مجھے اعصابی گیس چیمبر لوکیٹ کرنے میں انشاء اللہ کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی...... بس اب آپ ہمیں ٹائم بم لا کر دے دیں، کیونکہ میں اس آپریشن میں دیر نہیں لگانا چاہتا“۔

رجب علی بولا۔

”میں کل کسی وقت ٹائم بم لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا...... اب میں واپس جاتا ہوں“۔

تینوں دوست اپنی چھوٹی سی ماہی گیروں والی کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی کو کنارے کنارے چلاتے اپنے ویران فارم ہاؤس کی طرف چل دیئے۔

کمانڈو عمران چاہتا تھا کہ کمانڈو آپریشن شروع کرنے سے ایک رات پہلے سمندر میں غوطہ لگا کر اپنے ٹارگٹ کا مشاہدہ کر آئے لیکن وہاں اس کی گنجائش نہیں تھی...... بہتر یہی تھا کہ جس روز وہ سمندر میں اترے وہی اس کا فائنل ایکشن ہو اور اسی وقت اعصابی گیس کے چیمبر میں بم بھی لگا آئے...... اسے ساری مہم آسان نظر آتی تھی...... اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسی مقام پر تھا جہاں سے سمندر کے نیچے حساس زون شروع ہوتا تھا اور جہاں اس کے جسم کی ذرا سی حرکت اوپر بیٹھے ہوئے دشمن کو اس کی خبر دے سکتی تھی، لیکن کمانڈو عمران کو یقین تھا اور اسے اپنے اوپر اعتماد تھا اور اپنے اللہ پر بھروسہ تھا کہ وہ اس کی مدد سے ٹارگٹ پر بم لگا آئے گا...... اگر کسی چیز کی ضرورت تھی تو صرف اعتماد اور انتہائی احتیاط کی ضرورت تھی۔

دوسرے روز دوپہر کے وقت رجب علی تینوں ٹائم بم لے کر آ گیا...... یہ ٹائم بم چھوٹی گیند کی شکل کے تھے جن کے نیچے انتہائی طاقتور میگنیٹ لگا ہوا تھا...... یہ میگنیٹ فولادی چادر کے علاوہ پلاسٹک کی دیوار کے ساتھ بھی چپک جاتا تھا...... اس کے اوپر ٹائم فیوز لگا ہوا تھا...... رجب علی نے کہا۔

”اس ٹائم فیوز کا دورانیہ یعنی ٹائم لمٹ صرف ایک گھنٹہ ہے...... یہ دورانیہ فکس کر دیا گیا ہے...... ٹائم بم لگانے کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر تمہیں سمندر سے نکل آنا ہو گا...... اگر تم کسی وجہ سے نہ نکل سکے اور ٹائم بموں نے پھٹ کر گیس کے سلنڈروں کو پھاڑ دیا اور اعصابی مائع گیس سمندر میں بہہ گئی تو تم زندہ نہیں بچو گے...... یہ اعصابی گیس

تمہارے جسم کو ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں موت کی نیند سلادے گی"۔

سلیمان نے سوال کیا۔

"ہمیں کس طرح پتہ چلے گا کہ سمندر کے نیچے بم پھٹ گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہی اعصابی گیس کے سلنڈروں کے بھی پرخچے اڑ گئے ہیں"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تینوں بموں کے پھٹنے سے سمندر میں زبردست دھماکہ ہوگا اور سمندر میں سے آگ کا شعلہ ایسے بلند ہوگا جیسے سمندر کے نیچے کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہو...... دوسرا ثبوت یہ ہوگا کہ سمندر کے نیچے ایک خاص دائرے کے اندر اندر ساری مچھلیاں، کیکڑے، کچھوے، تیندوے اور دیگر ساری کی ساری سمندری مخلوق مردہ ہو کر سمندر کی سطح پر آجائے گی...... جب سمندر میں دھماکہ ہوگا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ تم لوگوں نے ٹارگٹ تباہ کر دیا ہے اور بھارت نے اعصابی گیس کے جو ہلاکت خیز سلنڈر وہاں ذخیرہ کئے ہوئے تھے وہ سارے کے سارے تباہ و برباد ہو گئے ہیں...... کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہوگا؟"۔

عمران بولا۔

"بالکل کافی ہوگا"۔

رجب علی نے عمران سے پوچھا۔

"تم کس رات کو یہ کمانڈو آپریشن شروع کرنا چاہتے ہو؟"۔

عمران نے کچھ سوچ کر کہا۔

"میں اس سلسلے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہتا...... جب ہر شے تیار ہے تو میں بھی کمانڈو آپریشن کے لئے تیار ہوں...... میں آج رات کو ہی یہ کام کر ڈالنا چاہتا ہوں، آگے جو میرے اللہ کو منظور"۔

رجب علی نے کہا۔

"انشاء اللہ تم اپنے مشن میں کامیاب ہو گے...... اگر تم آج رات کو مشن پر نکلنا ہتے ہو تو میری ایک اور بات سن لو...... تم اس مشن پر رات ایک بجے کے بعد نکلو ے...... نمبر دو یہ کہ ٹارگٹ پر بم لگانے کے بعد تم اور سلیمان یعنی تم دونوں بیس Bas کیمپ کو خالی کر کے یہاں سے فرار ہو کر سیدھا میرے مکان پر آجاؤ گے...... را مکان یہاں سے دور نہیں ہے...... تم زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں میرے پاس نچ جاؤ گے...... اس کے بعد مجھے جو کرنا ہوگا کروں گا...... بہر حال کل رات کو میں ایک جے کے بعد اپنے مکان پر جاگ رہا ہوں گا اور تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا"۔

رجب علی چلا گیا...... کمانڈو جران کی طرح سلیمان بھی بڑا دلیر مسلمان نوجوان ا...... رجب علی کے جانے کے بعد کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں آج رات حملہ کر دینا چاہئے...... تمہارا کیا خیال ہے؟"۔

کمانڈو عمران پہلے سے تیار بیٹھا تھا...... اس نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

شام ہوتے ہی انہوں نے کمانڈو آپریشن کی تیاری شروع کر دی...... پستولوں اور ن گنوں کو صاف کیا گیا...... میگزین چیک کیا...... دونوں نے اپنی اپنی گھڑیوں پر ٹائم یا...... دونوں کی گھڑیوں کا ایک ٹائم ہونا بڑا ضروری تھا...... غوطہ خوری کے لباس اور ک کو چیک کیا گیا...... تینوں بموں کو عمران نے اپنی سائی لینسر والی پستول اور غوطہ ری کے لباس کے پاس ہی رکھ دیا...... اس نے سلیمان سے پوچھا۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے...... ظاہر ہے تم میرے ساتھ اس مہم پر نہیں جا رہے نکہ تمہیں تیرنا نہیں آتا"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں تمہیں ٹارگٹ کے قریب سمندر کے کنارے چھوڑ کر واپس اسی جگہ اؤں گا اور تمہارا انتظار کروں گا...... ہم رات کے ٹھیک ایک بجے یہاں سے نکل

پڑیں گے...... میں تمہیں ٹارگٹ کے قریب چھوڑ کر واپس آجاؤں گا اور تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا...... اگر تم رات کے ڈھائی بجے تک واپس نہ آئے تو میں سمجھ جاؤں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے اور تم نہیں آؤ گے، چنانچہ اس کے فوراً بعد میں یہاں سے نکل کر سیدھا رجب علی کے مکان پر پہنچوں گا...... اس کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہئے اس کا فیصلہ رجب علی سے مشورے کے بعد کیا جائے گا"۔

ان دونوں کی گھڑیوں نے جب رات کے ٹھیک ساڑھے بارہ بجائے تو عمران کمانڈو آپریشن کے لئے تیاری کرنے لگا...... اس نے سب سے پہلے غوطہ خوری کا لباس پہنا...... صرف غوطہ خوری کے سلیپر جسے فلیپر کہتے ہیں نہیں پہنے تھے...... یہ فلیپر اس نے سمندر میں اترنے سے پہلے پہننے تھے...... تینوں ٹائم بم اس نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی بیلٹ کے پاوچ میں رکھ لئے...... سلیمان گھڑی برابر دیکھ رہا تھا...... جب رات کا ٹھیک ایک بج گیا تو سلیمان بولا۔

اب ہمیں چلنا چاہئے...... عمران نے کہا...... ٹھیک ہے۔

رات کے اندھیرے میں وہ سمندر کی جانب روانہ ہو گئے...... وہ سمندر کے ساتھ ساتھ ساحلی ریت پر چٹانوں کے درمیان سے ہو کر گزر رہے تھے...... کوئی ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کر رہا تھا...... رات کی خاموشی میں صرف سمندر کی لہروں کا دھیما دھیما شور خلل ڈال رہا تھا...... تقریباً ایک میل چلنے کے بعد دور سے سمندر میں دو سٹیمروں کی روشنیاں نظر آنے لگیں...... یہ دونوں سٹیمر ایک دائرے کی شکل میں چکر لگا رہے تھے...... سلیمان کہنے لگا۔

"دوست! تم خوش قسمت ہو...... ہمیں ٹارگٹ تلاش نہیں کرنا پڑا...... دونوں سٹیمر ٹارگٹ کے ارد گرد گشت لگا رہے ہیں...... اعصابی گیس کا چیمبر اس دائرے کے وسط میں سمندر کے نیچے ہے...... کیا تم وہاں تک پہنچ جاؤ گے؟"۔

عمران کی نگاہیں حرکت کرتے سٹیمروں پر جمی ہوئی تھیں...... اس نے کہا۔

"کیوں نہیں پہنچوں گا"۔

وہ سمندر کے ساتھ ساتھ تھوڑی دور مزید چلتے گئے...... جہاں ٹارگٹ کا فاصلہ ب سے کم رہ گیا تھا...... وہ وہاں رک گئے...... عمران نے غوطہ خوری کے فلیپر پاؤں ں پہنے...... ٹارگٹ کی سیدھ کو اچھی طرح سے ذہن نشین کیا اور سلیمان سے کہا۔

"اب تم بے شک چلے جاؤ"۔

عمران نے گیس کا چھوٹا سلنڈر کمر کے ساتھ بیلٹ کی طرح باندھ لیا تھا...... اس نے گیس ماسک منہ پر چڑھایا اور اللہ کا نام لے کر سمندر میں اتر گیا...... کچھ دور تک وہ ی ہم آہنگی کے ساتھ تیرتا چلا گیا...... جب اسے محسوس ہوا کہ اب وہ سطح سمندر پر یکھا جا سکتا ہے تو اس نے سمندر میں غوطہ لگا لیا۔

غوطہ لگانے کے ساتھ ہی وہ سمندر کی گہرائی میں اترنے لگا...... وہ سمندر میں اتنا نیچے جانا چاہتا تھا کہ جب وہ سٹیمر کے نیچے سے گزرے تو راڈار اس کی نشان دہی نہ کے...... ایک خاص گہرائی پر پہنچ کر عمران سیدھا ہو گیا اور اس نے اپنے ٹارگٹ کی ف بڑھنا شروع کیا...... پستول اس کے ہاتھ میں تھا...... وہ اس طرح تیر رہا تھا کہ ف اس کے پاؤں کے فلیپر ہی گردش کر رہے تھے...... اس کی نگاہیں بالکل سامنے کی ف لگی تھیں...... وہ اندازے سے جا رہا تھا...... ابھی تک ٹارگٹ اسے نظر نہیں آیا ...... وہ سمندر کے اندر ہی اندر آگے بڑھتا چلا گیا...... یہاں تک کہ اسے پانی میں بر کے انجن کی دھیمی آواز سنائی دینے لگی...... یہ آواز اس کی دائیں جانب سے آکر ما کے اوپر سے ہوتی ہوئی آگے نکل گئی...... وہ سمجھ گیا کہ گشت لگانے والا سٹیمر اس ء اوپر سے گزر گیا ہے...... اب ٹارگٹ کی نشان دہی ہو گئی تھی...... اس دائرے کے رکی جگہ اعصابی گیس کا پلاسٹک کا چیمبر نصب تھا...... جب عمران نے محسوس کیا کہ رگٹ کے حلقے کے حساس زون میں داخل ہو گیا ہے تو اس نے منصوبے کے بق سمندر میں پاؤں چلانے بند کر دیئے اور اپنے آپ کو لہروں کے حوالے

کر دیا..... سمندر میں تیرنے کے لئے بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے..... خاص طور پر ساحل سے دور کھلے سمندر میں صرف تجربہ کار تیراک ہی آسانی سے تیر سکتے ہیں..... کیونکہ وہاں لہریں صرف اوپر نیچے ہو رہی ہوتی ہیں..... ساحل کے قریب آ کر تو لہروں کا بہاؤ ساحل کی طرف ہو جاتا ہے، لیکن ساحل سے دور سمندر کے اوپر لہریں ایک ہی جگہ پر اوپر اٹھتی ہیں اور پھر نیچے آ جاتی ہیں اور سمندر کے اندر سمندر تقریباً ساکن ہوتا ہے۔

جیسے ہی کمانڈو عمران نے پاؤں چلانے بند کر کے اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کیا وہ ایک مردہ لاش کی طرح ایک ہی جگہ پر اوپر نیچے ہونے لگا..... وہاں کوئی ایسی لہر ہی نہیں تھی جو اسے ساحل کی طرف یا اس کے ٹارگٹ کی طرف لے جاتی..... اس کا حل عمران نے یہ نکالا کہ وہ گہرا سانس لے کر سینے کو پھلاتا اور پھر جسم کو بغیر ہاتھ پاؤں چلائے آگے کو دھکا دیتا..... اس طرح وہ تھوڑا تھوڑا کر کے سامنے کی طرف بڑھنے لگا..... اس کے گیس ماسک کے اوپر لگی ہوئی ٹارچ کی روشنی بالکل سامنے پڑ رہی تھی..... مچھلیاں اس کے دائیں بائیں، اوپر اور نیچے سے ہو کر گزر رہی تھیں..... کافی وقت کے بعد آخر اسے اپنا ٹارگٹ نظر آ گیا..... یہ ایک سفید چوکور بکس تھا، جو سمندر کے نیچے ایک ابھری ہوئی چٹان کے اوپر بنایا گیا تھا..... عمران سمندر کے اند پانی کے زبردست دباؤ کو برداشت کرتا مردے کی طرح آہستہ آہستہ ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہا تھا..... سمندر کے نیچے روشنی چند فٹ آگے تک ہی جاتی تھی..... وہ خود نہیں بڑھ رہا تھا بلکہ سمندر کا ہلکا ہلکا تموج اور اس کا دباؤ اسے آگے کی طرف دھکیل رہا تھا۔

آخر وہ ٹارگٹ کے سامنے آ گیا۔

ایک سفید رنگ کا چوکور بکس سمندری چٹان پر ٹکا ہوا تھا..... بکس کو سفید رنگ شاید اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ دور سے دکھائی دے جائے..... عمران اس طرح ٹارگٹ کے قریب آ کر پانی کی دبیز موجوں کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہا تھا کہ اسے اپنے آپ ؟

ی مردہ لاش کا گمان ہونے لگا تھا، مگر اب اسے اپنے ہاتھ ہلانے تھے..... کیونکہ اس نے اعصابی گیس کے ذخیرے والے بکس کے ساتھ تینوں ٹائم بم چسپاں رنے تھے..... وہ سانس اوپر نیچے کر کے کوشش کر رہا تھا کہ پانی کا دباؤ اسے ٹارگٹ کی رف دھکیلتا رہے..... خلا باز بھی خلا میں تھوڑی بہت حرکت کرتے ہیں مگر کمانڈو ران سمندر کے اندر اتنی حرکت بھی نہیں کر رہا تھا..... اس نے اپنے آپ کو سمندر کے اندر سمندر کے حوالے کر دیا ہوا تھا۔

لیکن اب اسے حرکت کرنی پڑ رہی تھی۔

اس نے سب سے پہلے تو اپنی بیلٹ کے پاؤچ میں سے تینوں ٹائم بم نکالنے تھے..... پھر ایک بازو کو آگے کر کے اعصابی گیس کے بکس کی دیوار کے ساتھ ایک یک کر کے انہیں چپکانا تھا..... اس کے پاس صرف ایک گھنٹے کی آکسیجن تھی..... ایک ھنٹے کے اندر اندر اسے اپنا آپریشن مکمل کر کے سمندر کی سطح پر آ جانا تھا..... اس نے پنی کلائی بے معلوم انداز میں آہستہ آہستہ اوپر کی اور وقت دیکھا..... اسے سمندر میں رے آدھ گھنٹہ گزر چکا تھا..... اس کے پاس اب صرف تیس منٹ تھے..... اس نے ائم دیکھنے کے لئے جو ہاتھ اوپر اٹھایا تھا اسے اوپر ہی رہنے دیا..... پھر اسے آہستہ آہستہ سکا کر اپنی بیلٹ کے قریب کیا اور پورے دو منٹ لگا کر دس انچ کے فاصلے کو طے رکے بیلٹ کے پاؤچ میں سے ایک ٹائم بم نکال لیا..... پانی اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا ر عمران کو ایک جگہ رکنے نہیں دے رہا تھا..... آخر بے حد محنت اور کوشش کے ساتھ اس نے ایک ٹائم بم اعصابی گیس کے بکس کی دیوار سے چپکا دیا..... ایک مچھلی پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں کے بالکل سامنے آ گئی اور اس کی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی حیرانی سے تکنے لگی..... عمران نے دوسری بار اپنے بازو کو بے معلوم انداز میں حرکت کی اور دوسرا ٹائم بم پاؤچ میں سے نکال کر چسپاں کر دیا..... وہ تیسرے ٹائم بم کو نکالنے کے لئے کسی خلا باز کی طرح آہستہ آہستہ ہاتھ آگے بڑھا رہا تھا کہ اچانک گھوں گھوں

گڑگڑ کی آواز سن کر اس کا ہاتھ وہیں رک گیا...... یہ سٹیمر کے انجن کی آواز تھی...... سٹیمر اس کے اوپر سے گزر رہا تھا۔

جب سٹیمر گزر گیا اور آواز دور چلی گئی تو عمران نے انتہائی سست حرکت یعنی سلو موشن میں تیسرا بم بھی گیس چیمبر کی دیوار پر چسپاں کر دیا...... جیسے جیسے وہ بم لگاتا جا رہا تھا ویسے ویسے وہ ہر بم کا ٹائم فیوز والا بٹن دباتا جا رہا تھا...... اب تینوں بم لگ چکے تھے اور ان کی الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی...... انہیں ایک گھنٹے بعد پھٹ پڑنا تھا...... جو رنگین خوبصورت مچھلی اس کے پاس آ کر اس گیس ماسک کی روشنی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی عمران کو اس پر بڑا ترس آیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایک گھنٹے بعد سمندر کے اس حصے میں سمندر کے اندر کوئی جان دار مخلوق زندہ نہیں بچے گی اور وہ رنگین مچھلی بھی مر جائے گی...... کمانڈو عمران اب جلدی سے واپس جانا چاہتا تھا، لیکن وہ اپنے آپ نہیں جا سکتا تھا...... وہ پانی میں لٹکا ہوا تھا...... اس نے لمبے لمبے دو چار سانس لئے اور پھر سانس چھوڑ کر اپنے آپ کو پیچھے کی طرف دھکیلا...... آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا...... دس پندرہ منٹ کے بعد وہ اعصابی گیس چیمبر کے حساس زون سے دور نکل آیا...... اس کے باوجود وہ ہاتھ پاؤں ہلا کر تیرتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔

لیکن وہ سونار لہروں کے راڈار کی گرفت سے نکل چکا تھا...... جب عمران کو یقین ہو گیا کہ اب حساس زون واقعی بہت پیچھے رہ گیا ہے تو اس نے تیرنا شروع کر دیا...... وہ کافی دور تک سمندر کے نیچے ہی نیچے تیرتا رہا...... پھر ایک جگہ سے اس نے اپنا سر باہر نکال کر دیکھا...... سمندر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی...... اس نے گردن پلٹا کر دیکھا...... سٹیمروں کی روشنی کافی دور ہو گئی تھی...... اب عمران تیزی سے تیرنے لگا...... وہ سمندر سے نکل آیا...... اس نے پاؤں میں سے فلیپر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لئے اور اپنے بیس Base کیمپ کی طرف تیز تیز چلنے لگا...... آکسیجن کا سلنڈر بھی کمر پر سے کھول کر اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا...... جب وہ بیس Base کیمپ میں پہنچا تو سلیمان اس

کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا...... عمران کو دیکھتے ہی اس نے اپنی گھڑی کو دیکھتے ہوئے عمران سے پوچھا...... "بم لگا دیئے؟"۔

عمران نے کہا...... "ہاں لگا دیئے"۔

سلیمان نے پوچھا۔

"ٹائم فیوز کس وقت آن کئے تھے؟"۔

عمران نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"یوں سمجھ لو کہ بموں کے دھماکوں میں صرف بیس منٹ باقی رہ گئے ہیں؟"۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہئے" "تم جلدی جلدی غوطہ خوری کا لباس اتار کر چارپائی کے نیچے چھپا دو، بلکہ نہیں یہ ہم یہاں نہیں رکھیں گے...... اسے ہم اپنے ساتھ ہی لے جائیں گے"۔

عمران نے جلدی سے غوطہ خوری کے کپڑے اتار کر اپنے کپڑے پہنے اور پانچ منٹ کے اندر اندر سلیمان اور کمانڈو عمران بیس کیمپ سے نکل کر رجب علی کے مکان کی طرف تقریباً دوڑتے جا رہے تھے...... دوڑنے کی وجہ سے رجب علی کے گھر کا فاصلہ جلدی طے ہو گیا...... رجب علی جاگ رہا تھا...... اس وقت عمران نے گھڑی دیکھ کر رجب علی سے کہا۔

"علی بھائی...... بموں کے دھماکوں میں میرے اندازے کے مطابق صرف سات منٹ رہ گئے ہیں"۔

سلیمان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پھر یہاں تم لوگ کیا کر رہے ہو...... جلدی سے میرے ساتھ نکل پڑو"۔

رجب علی نے مکان کو تالا لگایا...... اس کی پرانی جیپ باہر کھڑی تھی...... وہ سب جیپ میں سوار ہو گئے اور رجب علی نے پوری رفتار کے ساتھ جیپ کو سمندر کی مخالف سمت پر ڈال دیا...... ہر پندرہ بیس سیکنڈ کے بعد تینوں اپنی اپنی گھڑیوں پر ٹائم دیکھ لیتے

تھے...... جب بموں کے پھٹنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا تو رجب علی نے گاڑی سڑک سے اتار کر ایک طرف کھڑی کر لی اور کہا۔

"سمندر ہمارے پیچھے داہنی جانب کو ہے...... بموں کے پھٹنے میں صرف ایک منٹ رہ گیا ہے"۔

وہ تینوں جیپ میں ہی بیٹھے رہے...... ان کے چہرے افق پر داہنی جانب تھے...... رجب علی بولا۔

"اگر بموں نے دھوکا نہ دیا، جس کا مجھے یقین ہے کہ دھوکہ نہیں دیں گے تو آسمان کے داہنے افق پر روشنی بھی ہوگی اور دھماکے کی گونج بھی سنائی دے گی"۔

جب بموں کے پھٹنے میں صرف پانچ سیکنڈ رہ گئے تو رجب علی نے الٹی گنتی شروع کر دی۔

"پانچ...... چار سیکنڈ...... تین...... دو...... صرف ایک سیکنڈ رہ گیا ہے؟"۔

اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے آسمان کے جنوبی افق کی طرف اٹھ گئے...... سب سے پہلے وہاں روشنی کی زبردست چمک پیدا ہوئی...... یہ سرخ روشنی تھی...... اس کے بعد بہت بڑے دھماکے کی گونج سنائی دی، چونکہ دھماکہ سمندر کے اندر ہوا تھا اس لئے اس کا اثر زمین پر نہ ہوا اور زمین بالکل نہ ہلی...... رجب علی نے بے اختیار ہو کر کمانڈو عمران کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبایا اور کہا۔

"زندہ باد...... پاکستان زندہ باد"۔

پھر چاروں طرف دیکھا کہ کسی نے پاکستان زندہ باد کے نعرے کی آواز تو نہیں سنی، مگر وہاں اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا...... سلیمان نے بھی عمران کو مبارک باد دی...... آسمان کے جنوبی افق پر پہلے سرخ روشنی چمکی...... اس کے بعد ایک اور گونج سنائی دی اور روشنی کا رنگ سفید ہو گیا...... رجب علی نے جیپ سٹارٹ کر دی اور کہا۔

"تمہارا کسی محفوظ مقام پر پہنچنا اب بڑا ضروری ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے اعصابی

گیس کے اتنے بڑے ذخیرے کی تباہی کے بعد پولیس اس سارے علاقے کو گھیرے میں لے لے...... میں یہاں اجنبی نہیں ہوں مگر تم دونوں اجنبی ہو"۔

بڑی تیزی سے جیپ چلاتا، کبھی کسی سڑک پر آتا کبھی کسی سڑک پر جیپ کو ڈالتا رجب علی آخر ایک ایسی چھوٹی سی بستی میں نکل آیا جہاں کہیں کہیں روشنی نظر آ رہی تھی...... ایک جانب جھونپڑی نما اک منزلہ مکان ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ دور تک چلے گئے تھے...... رجب علی جیپ کو جھونپڑی نما مکانوں کے عقب میں لے آیا جہاں اندھیرے میں ایک چھوٹی سی مسجد کا مینار دکھائی دیا...... اس علاقے کی مسجدوں کی چھتیں بھی کھپریل کی ڈھلانی ہوتی ہیں، کیونکہ ان علاقوں میں بڑی بارشیں ہوتی ہیں...... اگر ایک مینار نہ ہوتا تو عمران کو پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ یہ مسجد ہے...... جیپ مسجد کے پیچھے لے جا کر رجب علی نے ناریل کے درختوں کے نیچے کھڑی کر دی اور سلیمان سے کہا۔

"اس مسجد کے حافظ جی گجرات کے رہنے والے ہیں...... وہ مسجد کے پیش امام ہیں اور میرے ان سے بڑے پرانے مراسم ہیں...... تم دونوں ان کے پاس اس وقت تک رہو گے جب تک کہ میں تمہیں سب اچھا ہے کا سگنل نہیں دیتا"۔

حافظ صاحب کا جھونپڑی نما مکان مسجد کے پیچھے مسجد کی دیوار کے ساتھ ہی تھا...... ہمیں جیپ میں بٹھا کر رجب علی حافظ صاحب کے مکان کی طرف بڑھا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آ کر کہنے لگا۔

"حافظ صاحب سو رہے تھے...... میں نے انہیں جگا کر سب کچھ سمجھا دیا ہے"۔

عمران نے کہا۔

"انہیں ہمارے مشن کے بارے میں تو نہیں بتایا ناں؟"۔

"بالکل نہیں" رجب علی بولا...... "مشن کے بارے میں کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... میں نے انہیں یہی کہا ہے کہ میرے دو پاکستانی دوست ہیں جن کے

پیچھے سی آئی ڈی لگی ہے...... یہ دونوں دوست کشمیر کے محاذ سے مجھے ملنے آئے تھے...... بہر حال میں نے حافظ صاحب سے کہہ دیا ہے کہ میرے دوست ان کے پاس پناہ لینے آئے ہیں اور جب تک میں خود نہ آؤں ان کی حفاظت کیجئے گا...... حافظ صاحب نے حامی بھرلی ہے...... آجاؤ میرے ساتھ“۔

حافظ صاحب ادھیڑ عمر بزرگ تھے...... رنگت سانولی تھی...... جسم دبلا پتلا تھا اور چہرے پر سفید داڑھی بڑی نمایاں تھی...... رجب علی نے عمران اور سلیمان کا ان سے تعارف کرایا اور کہا۔

”حافظ صاحب! یہ جہاد کشمیر کے غازی ہیں...... جہاد کے سلسلے میں ہی ایک ضروری کام سے اس طرف میرے پاس آئے تھے کہ خفیہ پولیس والے ان کے پیچھے پڑگئے ہیں“۔

حافظ صاحب بولے۔

”الحمدللہ کہ جہاد کشمیر کے مجاہدوں نے مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشا...... یہاں ان کی ہوا تک کسی کو نہیں لگے گی...... رجب علی تم فکر نہ کرو...... یہ جتنے دن چاہیں میرے پاس رہیں...... میں ان کی پوری پوری حفاظت کروں گا“۔

رجب علی نے عمران سے کہا۔

”میں اس دوران تم سے ملنے آتا رہوں گا...... جیسے ہی حالات سازگار ہوئے میں تمہیں یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا“۔

اس کے بعد رجب علی چلا گیا...... حافظ صاحب نے عمران اور سلیمان سے کہا۔

”تم لوگ اگر چاہو تو میں باہر سے تمہارے لئے چارپائیاں لے آتا ہوں تاکہ باقی رات تم آرام کر سکو“۔

عمران نے کہا۔

”آپ تکلیف نہ کریں...... ہم اس دری پر ہی سو جائیں گے“۔

رات حافظ صاحب کی کوٹھڑی میں گزر گئی...... اگلا دن بھی گزر گیا...... حافظ صاحب نے سلیمان اور عمران کے واسطے دوسرے کمرے کو خالی کر دیا تھا اور اندر دو چارپائیاں بچھادی تھیں...... اس سے اگلے دن رجب علی رات کے وقت آگیا...... کہنے لگا۔

”تم لوگوں نے وہ کام کر دکھایا ہے کہ بھارت کے ایوان حکومت لرز کر رہ گئے ہیں...... کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا...... ہر محکمہ دوسرے محکمے کے سر الزام لگا رہا ہے کہ یہ سب اس کی غفلت کے باعث ہوا ہے“۔

عمران نے پوچھا۔

”پولیس کی کیا پوزیشن ہے؟“۔

رجب علی نے کہا۔

”تم پولیس کی بات کرتے ہو...... کوچین شہر کو انڈین آرمی کی ایک پوری رجمنٹ نے گھیرے میں لے لیا ہے“۔

سلیمان کہنے لگا۔

”ہم نے کل کے اخبار دیکھے تھے...... اخبار میں کوئی خبر نہیں چھپی تھی اس واقعے کی“۔

رجب علی نے کہا۔

”حکومت نے اس ذلت آمیز خبر کو پریس میں نہیں جانے دیا...... اخباروں کے ایڈیٹروں اور ٹی وی وغیرہ کے میڈیا کو نیشنل سیکورٹی کا حوالہ دے کر کہا گیا ہے کہ وہ یہ خبر نہ تو چھاپیں اور نہ ٹی وی، ریڈیو پر نشر کریں...... اس میں حکومت کی سخت بدنامی ہے، لیکن شہر کے ہر آدمی کو پتہ چل گیا ہے کہ کوچین کے سمندر میں زیر آب دھماکے کہ بھارتی فوج کا کوئی ایٹمی میزائل پھٹ گیا ہے جس کی وجہ سے سمندر میں پندرہ میل کے اندر اندر ساری مچھلیاں مرگئی ہیں...... مچھیرے حیران ہیں کہ اتنی ساری مچھلیاں

دھماکے سے کیسے مر گئیں"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں نامعلوم مدت کے لئے نظر بند ہو گئے ہیں"۔

"یہ ہم سب کی مجبوری ہے...... لیکن میرا خیال ہے کہ دو تین دنوں تک حالات کچھ نارمل ہو جائیں گے...... اس کے بعد تم یہاں سے نکل سکو گے"۔

رجب علی نے حافظ صاحب سے یہی کہا کہ سمندر میں انڈین نیوی کا ایک جہاز دھماکے سے پھٹ گیا ہے جس کی وجہ سے شہر میں پولیس اور فوج اتر آئی ہے، کیونکہ بھارتی حکومت کا خیال ہے کہ یہ کام تخریب کاروں کا ہے...... اس لئے سلیمان اور عمران ابھی مزید کچھ دن وہاں رہیں گے...... حافظ صاحب نے کہا۔

"فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے...... رجب علی! دونوں مجاہد جب تک چاہیں میرے پاس رہیں...... میں کسی کو ان کی ہوا تک نہیں لگنے دوں گا"۔



حافظ صاحب نے اتنا ضرور کیا کہ سلیمان اور عمران کو رات کے وقت اپنے بستی والے مکان سے نکال کر قریبی گاؤں کے ایک خالی مکان میں منتقل کر دیا...... یہ مچھیروں کا گاؤں تھا...... حافظ صاحب نے یہاں ایک چھوٹا سا جھونپڑا نما مکان خرید رکھا تھا...... وہاں سلیمان اور عمران آزادی سے چل پھر بھی سکتے تھے اور خود ہی سبزی وغیرہ بھی بنا لیتے تھے...... یہاں ان کے پاس نہ کوئی اخبار آتا تھا نہ ریڈیو، ٹی وی تھا...... شہر میں سیکورٹی کی کیا صورت حال ہے؟ اس کی انہیں کوئی خبر نہیں تھی...... تین دن گزر گئے نہ حافظ صاحب آئے نہ رجب علی ہی آیا...... تیسرے دن شام کے وقت حافظ صاحب آ گئے...... کہنے لگے۔

"میں جان بوجھ کر تم لوگوں کے پاس نہیں آیا...... بڑا اچھا ہوا کہ میں تمہیں یہاں لے آیا ورنہ اس وقت تم میرے مکان پر ہوتے تو ضرور فوجی پولیس تمہیں پکڑ کر لے جاتی، کیونکہ فوجی پولیس کے سپاہی ہماری بستی میں گھر گھر تلاشی لے رہے تھے...... انہوں نے میرے مکان کی بھی تلاشی لی اور مجھ سے بھی سوال پوچھے کہ کہیں میں نے ادھر کشمیری مجاہد تو نہیں دیکھے"۔

اسی رات رجب علی بھی آ گیا...... اس کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ کسی الجھن میں ہے...... حافظ صاحب اسے مچھیروں کی بستی والے مکان پر لے آئے تھے...... حافظ صاحب بھی موجود تھے...... رجب علی نے بات ہی یہاں سے شروع کی۔

"اس سارے علاقے میں فوج چھاؤنی ڈال کر بیٹھ گئی ہے...... سارے علاقے کو

کو چین شہر سمیت فوج نے گھیرے میں لے لیا ہے...... کوئی اس علاقے سے باہر نہیں جا سکتا...... نہ باہر سے اندر آ سکتا ہے...... حکومت کو بہت بڑا دھکا لگا ہے...... باجپائی کی حکومت ڈانواڈول ہو گئی ہے...... وزیر دفاع نے استعفیٰ پیش کر دیا تھا جسے پردھان منتری نے منظور نہیں کیا...... معلوم ہوا ہے کہ دو ایک دن کے اندر اندر فوج اس سارے علاقے میں گھر گھر تلاشی اور ہر ایک فرد سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کرنے والی ہے...... اس کا مطلب ہے کہ فوجی اس طرف بھی آئیں گے...... اگر تم اس جگہ بیٹھے رہے تو تم دونوں کا پکڑے جانا یقینی ہے"۔

سلیمان نے کہا۔

"میں تو اس علاقے کا رہنے والا ہوں اور ایک عرصے سے یہاں چھوٹا سا کاروبار کر رہا ہوں...... مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے مگر عمران کے لئے مشکل پیدا ہو سکتی ہے...... ایک تو یہ اس علاقے کا نہیں ہے، دوسرے پنجابی مسلمان ہے...... بھارتی فوج کو معلوم ہے کہ ان کی رجمنٹوں میں شاید ہی کوئی مسلمان پنجابی ہو، کیونکہ مسلمانوں کا پنجاب پاکستان میں ہے اور مشرقی پنجاب سے سن 47ء میں سارے مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے تھے...... فوج اسے ضرور گرفتار کر لے گی اور یہ ایک بار گرفتار ہو گیا تو فوج اسے زندہ نہیں چھوڑے گی"۔

حافظ جی نے کہا۔

"پھر عمران کے لئے کیا کیا جائے؟"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"یہی سوال مجھے پریشان کر رہا ہے"۔

سلیمان نے رجب علی سے کہا۔

"عمران کو ہم سمندر کے راستے سری لنکا سمگل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں"۔

سلیمان نے یہ بات اس لئے کی تھی کہ اسے علم تھا کہ رجب علی کے ایک ایسے

دمی سے گہرے تعلقات ہیں جو انڈیا سے شراب، سگریٹ اور چاول، چینی وغیرہ سری کا سمگل کرواتا ہے...... اس شخص کی لانچیں رات کے اندھیرے میں بھارت کے جنوبی ساحل سے مال لے کر سری لنکا کے ساحل کی طرف جاتی رہتی ہیں...... رجب علی کو اپنے اس دوست کا خیال نہیں آیا تھا۔

جب سلیمان نے اسے اس کی یاد دلائی تو اس کے چہرے پر امید کی ہلکی سی چمک نمودار ہوئی...... کہنے لگا۔

"ہاں...... ایسا ہو سکتا ہے...... رستم خان سے بات کی جا سکتی ہے"۔

رستم خان اس آدمی کا نام تھا جس کی نگرانی میں سری لنکا اور انڈیا کے درمیان ناجائز طور پر مال کی سمگلنگ ہوتی تھی...... حافظ صاحب بولے۔

"سری لنکا کا ملک یہاں سے دور نہیں ہے...... سری لنکا کے ساتھ ویسے بھی پاکستان کے بڑے برادرانہ تعلقات ہیں اور وہاں مسلمان بھی بھاری تعداد میں آباد ہیں...... اگر تم عمران کو سری لنکا سمگل کرا سکو تو عمران کی زندگی محفوظ ہو جائے گی"۔

رجب علی کہنے لگا۔

"میں کل رستم خان سے بات کرتا ہوں"۔

اس کے بعد رجب علی چلا گیا...... دوسرے دن دوپہر کے بعد وہ آیا...... کہنے لگا۔

"فوج نے گھر گھر تلاشی اور پوچھ گچھ کا کام شروع کر دیا ہے...... میں نے رستم خان سے بات طے کر لی ہے...... اس نے عمران کو سری لنکا سمگل کرانے کی حامی بھر لی ہے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کہیں عین وقت پر وہ مکر تو نہیں جائے گا؟"۔

رجب علی مسکرایا...... کہنے لگا۔

"یہ لوگ اپنے عہد کے کس قدر پکے ہوتے ہیں...... اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے...... وہ تمہیں ایسے آدمیوں کے حوالے کر دے گا جو تمہیں اپنی ذمے داری پر ملک

سری لنکا کے ساحل پر پہنچادیں گے...... اس کے بعد تم وہاں پاکستانی سفارت خانے میں جا کر پناہ لے سکتے ہو"۔

عمران کو یہ منصوبہ بڑا صحیح اور اس وقت کی ضرورت کے عین مطابق لگا...... سمگلر بڑے مشاق اور تجربہ کار ملاح ہوتے ہیں...... عمران کو یقین ہو گیا کہ اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے...... رجب علی بولا۔

"اگر تم یہ سوچتے ہو کہ یہاں سے تم دلی یا بمبئی کی طرف جا سکو گے تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ چاروں طرف فوج بیٹھی ہے...... جگہ جگہ رکاوٹیں لگی ہیں اور گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کو روک کر ان کے کاغذات اور شناختی کارڈ چیک کئے جاتے ہیں اور ابھی کچھ معلوم نہیں کہ فوج کی یہ مہم کب تک جاری رہے گی...... اس لئے تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم سمگل ہو کر سری لنکا چلے جاؤ...... کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں بالکل تیار ہوں...... سری لنکا پہنچ کر میں سیدھا کولمبو میں پاکستانی سفارت خانے چلا جاؤں گا...... وہ لوگ ضرور میری مدد کریں گے اور مجھے پاکستان پہنچادیں گے"۔

سلیمان نے عمران کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں...... آخر تم بھی پاکستانی ہو وہ تمہارے ملک کا سفارت خانہ ہے...... وہ لوگ تمہاری ہر ممکن مدد کریں گے"۔

عمران نے رجب علی سے پوچھا۔

"مجھے کب یہاں سے چلنا ہو گا؟"۔

"میں رستم خان سے مل کر سیدھا تمہارے پاس آرہا ہوں...... تمہیں تیسرے دن آدھی رات کو یعنی آج سے دو دن بعد یہاں سے ایک آدمی اپنے ساتھ لے جائے گا...... میں اس کے ساتھ آؤں گا...... تم تیار رہنا...... وہ آدمی تمہیں آگے کہاں لے جائے گا اور تمہیں سری لنکا جانے والے سٹیمر پر کہاں سے سوار کیا جائے گا اس کی بابت

ں آدمی نے اور رستم خان نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا"۔

عمران نے کہا۔

"یہ ان لوگوں کے راز ہوتے ہیں...... یہ راز وہ اپنے گہرے سے گہرے دوست کو ی جس کا تعلق اس کاروبار سے نہ ہو، نہیں بتاتے...... بہر حال میں تیار ہوں"۔

دو دن بھی گزر گئے...... اس دوران سلیمان اس کے ساتھ ہی رہا...... تیسرے ں رات کے بارہ بجے کے بعد رجب علی آ گیا...... اس کے ساتھ ایک دبلا پتلا کالے بگ کا آدمی تھا جو بیڑی پی رہا تھا اور جس نے پتلون قمیض پہن رکھی تھی...... شکل سے کسی سرکاری دفتر کا کلرک لگتا تھا، مگر رجب علی نے عمران کو بتایا کہ یہ بڑا پرانا اور ربے کار سمگلر ہے اور اس نے سری لنکا کے ارد گرد سارا سمندر کھنگال رکھا ہے...... ں آدمی کا نام رجب علی نے جیکی بتایا اور کہا کہ جیکی تمہیں اپنے ساتھ لے جائے ...... جیکی نے بیڑی کا کش لگا کر اسے زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسلا اور بولا۔

"تم ہمارے ساتھ چلے گا تو خاموش رہے گا...... خوامخواہ بولے گا نہیں...... کیا ہیں منظور ہے؟"۔

عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"منظور ہے"۔

"او کے" جیکی بولا...... "پھر ہمارے ساتھ آجاؤ"۔

تم ہمارے پاس رستم خان کا دوست ہے...... تم ہمارا بھی دوست ہے...... ہم ہیں سری لنکا پہنچا دے گا...... مگر تم زیادہ بولے گا نہیں...... ہم سے سوال نہیں پوچھے ...... تم کو منظور؟"۔

"او کے...... آجاؤ"۔

سلیمان اور رجب علی اور حافظ صاحب باری باری عمران سے بغل گیر ہو کر ملے راس کے خیریت سے سری لنکا پہنچنے کی دعا کی...... جھونپڑے کے باہر جیکی کی جیپ

کھڑی تھی، جس کی ترپال کی چھت تھی...... رجب علی نے عمران کو انڈین کرنسی میں کچھ روپے دیئے اور کہا۔

"اسے سری لنکا پہنچ کر وہاں کی کرنسی میں تبدیل کروالینا...... باقی پاکستانی سفارت خانے والے تمہیں سنبھال لیں گے"۔

عمران سمگلر جیکی کے ساتھ جیپ میں بیٹھ گیا اور جیپ رات کے اندھیرے میں کسی نامعلوم منزل کی طرف چل پڑی...... کم از کم عمران کے لئے جیپ کسی نامعلوم منزل کی طرف ہی جارہی تھی...... لیکن سمگلر جیکی کو معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا ہے...... اس نے عمران کو سوال پوچھنے سے منع کر رکھا تھا...... چنانچہ عمران نے اس سے بالکل نہ پوچھا کہ جیپ کہاں جارہی ہے...... ہمیں سٹیمر کہاں سے ملے گا...... کیا بھارت کے جنوبی ساحل ہی سے ہم لوگ سٹیمر میں سوار ہوں گے یا آگے جاکر کسی دوسری جگہ سے روانہ ہوں گے۔

کچھ دور تک تو جیپ تاڑ کے درختوں کے درمیان ایک چھوٹی سی سڑک پر چلتی رہی...... پھر وہ سڑک کو چھوڑ کر ایک جنگل میں داخل ہوگئی...... سمگلر جیکی نے خود ہی کہا۔

"ہم کوچین شہر کی حدود سے نکل آئے ہیں...... اب ہم ٹریونڈرم کی طرف جارہے ہیں...... ہم دو گھنٹوں میں ٹریونڈرم کے ساحل پر پہنچ جائیں گے...... وہاں ایک جگہ ساحل سمندر سے ہمیں ایک سٹیمر ملے گا جو ہمیں تورانویل تک لے جائے گا...... یہ کوئی دو گھنٹے کا سمندری سفر ہوگا...... تورانویل سے تمہیں آگے ایک کشتی میں سفر کرنا ہوگا جو اگر حالات ٹھیک رہے تو تمہیں سری لنکا کے ساحل پر پہنچادے گا"۔

عمران نے صرف اتنا پوچھا۔

"اور اگر حالات ٹھیک نہ رہے تو کیا ہوگا؟"۔

جیکی نے جیپ کو ایک جگہ درختوں سے بچا کر آگے نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو ہوا کرتا ہے...... کوسٹ گارڈز ہم پر فائرنگ کریں ے...... ہم ان پر فائرنگ کریں گے...... نکل گئے تو نکل گئے...... نہیں تو پکڑے ئیں گے"۔

کمانڈو عمران نے اس کے بعد جیکی سے کچھ نہ پوچھا...... جب کوئی آدمی کسی کے یے ناجائز طور پر کسی دوسرے ملک میں سمگل ہوتا ہے تو پھر ایسا ہی ہوا کرتا ہے...... تو ایک ایسا خطرہ تھا جو ہر وقت سمگلروں کے سر پر منڈلاتا رہتا ہے...... عمران کو جیکی ے بیان سے کوئی تعجب نہیں ہوا تھا...... وہ صرف خدا سے دعا مانگنے لگا کہ وہ اسے خیر ریت سے بھارت سے نکال دے...... پونے دو گھنٹے کے بعد ان کی جیپ ٹریونڈرم پہنچ ...... ٹریونڈرم جنوبی بھارت میں ایک مشہور بندرگاہ ہے...... جیکی جیپ کو شہر سے ر رکھ کر جارہا تھا...... شہر کی روشنیاں کافی فاصلے پر نظر آرہی تھیں...... جیپ ایک ھلے میدان میں سے گزر رہی تھی...... جیکی نے کہا۔

"ہم سمندر کے ساتھ ساتھ جارہا ہے...... آگے ہمارا خفیہ آدمی کھڑا ہوگا...... تم رانا نہیں...... جب تک ہم تمہارے ساتھ ہے تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔

عمران نے کیا گھبرانا تھا...... بس وہ یہی دعا کر رہا تھا کہ جب ان کی کشتی انڈیا کے حل سے سمندر میں سری لنکا کے ساحل کی جانب روانہ ہو تو ساحلی گارڈز کے گشتی بروں کی نگاہوں سے بچ کر نکل جائے...... سمندر نظر آنے لگا...... رات کے ھیرے میں سمندر کی سطح پر ابھر ابھر کر ساحل کی طرف آتی لہروں کی سفید اگ دور سے نظر آرہی تھی۔

ایک جگہ سمندر ساحل کے اندر ایک جھیل کی شکل میں آگیا ہوا تھا...... جیپ طرف گھوم گئی...... جھیل کے کنارے کنارے بے شمار درخت کھڑے تھے...... رختوں کے درمیان آکر جیکی نے جیپ کھڑی کردی اور عمران سے کہا۔

"میرے ساتھ آجاؤ...... کوئی بات مت کرنا"۔

اس وقت رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا...... جیکی اور عمران ناریل کے درختوں کے درمیان چلے جا رہے تھے...... ایک درخت کے قریب آ کر جیکی رک گیا...... عمران بھی رک گیا...... جیکی نے اندھیرے میں ایک طرف گھور کر دیکھا اور منہ سے کسی پرندے کی سیٹی نما آواز نکالی...... دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا...... جیکی نے دوسری بار سیٹی کی آواز نکالی تو سمندری جھیل کی جانب سے ویسی ہی سیٹی کی آواز میں جواب آ گیا۔

جیکی نے عمران سے کہا۔

"اپنا آدمی ادھر کھڑا ہے"۔

وہ آگے چل پڑے...... ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد عمران کو سمندری جھیل یا کھاڑی کے کنارے ایک چھوٹے سٹیمر کا دھندلا سا خاکہ نظر آیا...... جیکی نے اس طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"سٹیمر ہمارا انتظار کر رہا ہے"۔

یہ سٹیمر چھوٹا سا تھا اور اس کا صرف اوپر والا عرشہ ہی کھلا تھا...... ایک آدمی اندھیرے میں سے نکل کر جیکی کے سامنے آ گیا...... اس نے اس علاقے کی زبان میں کچھ پوچھا...... جیکی نے اسی زبان میں کچھ جواب دیا...... شاید انہوں نے آپس میں کوڈ ورڈز یعنی خفیہ زبان کے جملوں کا تبادلہ کیا تھا...... جب دونوں ایک دوسرے کی شناخت سے مطمئن ہو گئے تو جیکی آگے بڑھ کر سٹیمر پر سوار ہو گیا...... عمران اس کے ساتھ ہی تھا...... جیسے ہی یہ دونوں سٹیمر پر سوار ہوئے سٹیمر کا انجن سٹارٹ ہوا اور سٹیمر سمندر میں مشرق کی سمت چل پڑا...... جیکی اور عمران سٹیمر کے کھلے ڈیک یعنی عرشے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تھے...... جیکی کہہ رہا تھا۔

"یہ ہم لوگوں کا اپنا سٹیمر ہے...... ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جانتا ہے، مگر جب ملتے ہیں تو کوڈ ورڈ بول کر ایک دوسرے کو شناخت کرنے کی روایت ضرور

پوری کی جاتی ہے"۔

سٹیمر سمندری کھاڑی میں سے نکل کر ساحل کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف جا رہا تھا...... عمران چپ تھا اور نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں، مگر وہ سو نہیں سکتا تھا...... شہر کی روشنیاں بائیں جانب ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں اور سٹیمر آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا...... آسمان پر صبح کا نیلا نیلا اجالا نمودار ہونا شروع ہو گیا تھا...... جب ان کا سٹیمر ایک جگہ ساحل پر بنے ہوئے گھاٹ پر آ کر رک گیا...... یہاں جیکی اور عمران اتر گئے...... جیکی ایک آدمی سے جو گھاٹ پر پہلے سے موجود تھا کچھ دیر باتیں کرتا رہا...... پھر عمران کے پاس آ کر بولا۔

"ابھی دن نکلنے والا ہے...... تم ہمارے ساتھ یہاں ایک جگہ دن گزارے گا...... یہاں سے ہم ایک نئی پارٹی کے ساتھ بڑی کشتی میں بیٹھ کر سری لنکا کی طرف چلے گا...... آ جاؤ میرے ساتھ"۔

گھاٹ سے دور ایک جگہ درختوں کے جھنڈوں میں دو تین جھونپڑیاں تھیں...... جیکی عمران کو ایک جھونپڑی میں لے آیا...... جھونپڑی میں زمین پر دری بچھی ہوئی تھی...... جیکی نے کہا۔

"تم ادھر آرام کرے گا...... ہم دوسری جھونپڑی میں سوئے گا...... پھر تمہیں ناشتے کے وقت آ کر جگا دے گا...... اوکے؟"۔

"اوکے" عمران نے جواب دیا۔

جیکی چلا گیا...... عمران دری پر لیٹ گیا...... سمندر کی طرف سے مرطوب ہوا کے جھونکے آ رہے تھے...... عمران سو گیا، جس وقت جیکی نے آ کر اسے جگایا باہر دن کی روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی...... جیکی بولا۔

"آ جاؤ...... ہم لوگ ناشتہ کرے گا...... اس وقت دن کے گیارہ بج رہے ہیں"۔

جھونپڑیوں کے درمیان ایک جگہ چولہے پر بڑی سی دیگچی رکھی ہوئی تھی......

تین چار آدمی ناشتہ تیار کرنے میں لگے ہوئے تھے...... ایک درخت کے نیچے لکڑی کے بنچ بچھے ہوئے تھے...... ان کے درمیان ایک لمبی سی میز لگی تھی...... جیکی اور عمران بنچ پر آکر بیٹھ گئے...... جیکی بولا۔

"یہ سب اپنی پارٹی کے آدمی ہیں...... رات کو دوسری پارٹی مال لے کر آئے گی...... ہم وہ مال کشتی میں لاد کر لنکا لے جائیں گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"اسلحہ کی کیا پوزیشن ہوگی؟ میرا مطلب ہے آپ لوگوں کے پاس ماڈرن مشین گنیں تو ضرور ہوں گی"۔

جیکی ہنس پڑا...... بولا۔

"ہمارے پاس ادھر توپ اور مارٹر گن تو نہیں ہوتا...... بس سٹین گنیں ہوتی ہیں؟"۔

پھر اس نے عمران سے پوچھا۔

"تم سٹین گن فائر کر لیتا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"ہاں...... میں سٹین گن فائر کر لیتا ہوں"۔

"ویری گڈ" جیکی بولا...... "ایک سٹین گن تمہیں بھی دے دے گا...... اگر کوسٹل گارڈز کا لوگ آگیا تو تم بھی اس پر فائر کھول دے گا"۔

ایک آدمی ان کے پاس ناشتہ رکھ گیا...... ناشتے میں ڈبل روٹی تھی اور ابلے ہوئے چاول اور سبزی کی بھاجی بھی تھی...... دونوں نے مل کر ناشتہ کیا...... اس کے بعد کافی پی...... جنوبی بھارت میں چائے کے بجائے کافی پینے کا بڑا رواج ہے...... اس کے بعد جیکی چلا گیا اور اس نے عمران کو تاکید کر دی کہ وہ جھونپڑی میں ہی رہے...... باہر نکل کر ادھر ادھر نہ پھرے...... جیکی کوئی تین بجے دوپہر کو آیا...... عمران جھونپڑی میں ہی بیٹھا

ا...... اس نے عمران سے کہا۔

"تم بڑی گڈ لک والا آدمی ہے...... مجھے ڈر لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مال تیار نہ و...... اگر مال تیار نہ ہوتا تو ہم لوگ آج رات سری لنکا کی طرف نہیں جا سکتا تھا...... بر ہمیں تین دن تک یہاں انتظار کرنا پڑتا، لیکن معلوم ہوا کہ مال بالکل تیار ہے اور اس کے تھیلے گھاٹ پر رات کو پہنچا دیئے جائیں گے"۔

عمران نے پوچھا۔

"کیا ہم اسی گھاٹ سے چلیں گے جہاں ہمارا اسٹیمر ٹھہرا تھا؟"۔

"جیکی نے کہا۔

"ہاں...... مگر ہم رات کے اندھیرے میں چلیں گے...... ہماری کشتی گھاٹ سے تھوڑے فاصلے پر ہوگی"۔

دن گزر گیا...... رات کو جیکی اور عمران نے کھانا کھایا تو جیکی کہنے لگا۔

"اب تم جھونپڑی میں جا کر بے شک سو جائے ہم آدھی رات کے بعد آئے گا اور تمہیں جگا کر اپنے ساتھ لے چلے گا...... او کے؟"۔

عمران نے جواب دیا...... "او کے"۔

جیکی چلا گیا...... عمران جھونپڑی میں لیٹ گیا...... شروع میں تو اسے بالکل نیند نہ آئی...... یہی سوچتا رہا کہ آج کی رات بڑی امتحان کی رات ہے...... اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو بڑی مشکل پیش آئے گی...... خدا جانے پھر کیا ہو...... کوسٹل گارڈز کو عام طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ آج رات سمگلروں کی لانچ چینل سے گزرنے والی ہے...... ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ہوتا ہے اور کافی تعداد میں ہوتا ہے...... وہ کشتی یا لانچ کو گھیرے میں لے کر اندھا دھند فائر کھول دیں گے...... یہ سمگلر لوگ ہیں...... ان کے پاس پرانی قسم کی سٹین گنیں ہوں گی...... وہ کوسٹل گارڈز کے جدید اسلحے کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔

یہی کچھ سوچتے سوچتے عمران کو نیند آ گئی۔

وہ کافی دیر تک سویا رہا...... رات ایک بجے کے قریب جیکی نے آ کر اسے جگا دیا اور بولا۔

"چلو دوست...... لانچ آ گئی ہے"۔

یہ سمگلروں کی لانچ بڑی کشتی ٹائپ کی تھی...... اس میں چھ سات بڑے بڑے تھیلے لدے ہوئے تھے...... ان میں ظاہر ہے سمگلنگ کا مال ہو گا...... لانچ کھاڑی میں ایک طرف کنارے کے بالکل ساتھ لگی کھڑی تھی...... وہاں پہلے سے چار سمگلر موجود تھے...... ان کے پاس سٹین گنیں تھیں...... جیکی نے ان سے کوئی بات کی اور پھر عمران کو ساتھ لے کر لانچ میں سوار ہو گیا...... وہ بڑے بڑے تھیلوں کے درمیان بیٹھ گئے...... ان کے سوار ہوتے ہی لانچ کنارے سے آہستہ آہستہ ہٹنے لگی...... عام طور پر لانچوں میں انجن لگے ہوتے ہیں، مگر اس لانچ میں کوئی انجن نہیں تھا...... چار آدمی بڑے بڑے چپوؤں سے اسے چلا رہے تھے...... جیکی نے عمران کو بتایا تھا کہ جہاں سے لانچ روانہ ہو گی وہاں سے سری لنکا کا ساحل زیادہ سے زیادہ پچیس میل کے فاصلے پر ہے اور اگر حالات ٹھیک رہے تو وہ یہ فاصلہ تین گھنٹوں میں طے کر لیں گے۔

لانچ چلانے والے بڑے تجربہ کار ملاح لگتے تھے...... وہ بڑی مستعدی سے چپو چلا رہے تھے...... لانچ کھاڑی میں کنارے کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی...... جیکی تھیلوں کے پاس عمران کے ساتھ بیٹھا تھا...... کہنے لگا۔

"دس پندرہ منٹ کے بعد ہم کھلے سمندر میں آ جائیں گے...... تم نے کبھی سمندر میں سفر کیا ہے؟"۔

عمران نے کہا۔

"نہیں" حالانکہ وہ اس سے پہلے سمندر میں سفر کر چکا تھا مگر وہ جیکی کے ساتھ لمبی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا...... اس کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا...... اس وقت اسے بس یہی ایک خیال بار بار آ رہا تھا کہ اگر راستے میں کوسٹل گارڈز نے گھات لگا کر ان پر

فائرنگ شروع کر دی تو کہیں وہ اس اندھی فائرنگ میں دوسرے سمگلروں کے ساتھ خود بھی نہ مارا جائے...... اسے اس طرح مرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، مگر اب مجبوری تھی...... اس نے سوچا کہ وہ کسی طرح اپنے آپ کو کوسٹل گارڈز کی فائرنگ سے بچانے کی کوشش کرے گا...... پندرہ بیس منٹ کے بعد ان کی لانچ کھاڑی سے نکل کر سمندر میں آ گئی...... سمندر میں آتے ہی لانچ نے ہچکولے کھانے شروع کر دیئے...... کھلے سمندر کی موجوں کے مقابلے میں لانچ بہت ہی چھوٹی تھی...... بالکل ایک کھلونے کی حیثیت رکھتی تھی، لیکن سمگلر ملاح اسے بڑی مہارت سے چلا رہے تھے...... لانچ اوپر نیچے ہوتی سمندر کی لہروں پر سامنے کی طرف بہتی چلی جا رہی تھی۔

سمندر میں ہوا بڑی تیز تھی...... جیکی نے ایک سٹین گن خود رکھ لی تھی اور ایک سٹین گن عمران کو دے دی تھی...... وہ تھیلوں کی اوٹ میں بیٹھے تھے جہاں انہیں سمندر کی تیز ہوا سیدھی نہیں لگ رہی تھی...... ایک گھنٹہ گزر گیا...... اس دوران ان کے عقب میں انڈیا کی جنوبی تکون کے ساحل کی کہیں کہیں ٹمٹماتی روشنیاں بھی غائب ہو گئیں...... لانچ سمندر میں کافی دور نکل آئی تھی...... رات کی تاریکی میں سمندر کی بڑی بڑی موجیں لانچ کے پہلوؤں سے ٹکرا کر تیزی کے ساتھ شور مچاتی پیچھے کی طرف جا رہی تھیں...... جیکی کہنے لگا۔

"ایک گھنٹے کے بعد سامنے سے سری لنکا کے ساحل کی روشنیاں نظر آنے لگیں گی...... اگر گارڈز کی سرچ لائٹوں نے ہماری لانچ کو نہ دیکھا تو ہم دو ایک گھنٹے میں سری لنکا پہنچ جائیں گے"۔

ہماری لانچ انڈیا کے ساحل سے کافی دور نکل آئی تھی...... سری لنکا کے جزیرے کی روشنیاں اب نظر نہیں آ رہی تھیں...... عمران نے جیکی سے پوچھا کہ سری لنکا کی روشنیاں دکھائی کیوں نہیں دے رہیں؟ اس نے کہا۔

"ہم لنکا کے جنوب مغربی ساحل کی طرف بڑھ رہے ہیں جہاں پہاڑیاں اور ٹیلے

ہیں...... روشنیاں پہاڑیوں کے بہت پیچھے رہ گئی ہیں"۔

اس وقت عمران کو احساس ہوا کہ وہ وسیع و عریض سمندر میں بالکل اکیلا ہے...... سمندر کی موجیں ان کی لانچ سے ٹکرا کر پیچھے کو جا رہی تھیں...... سمندر کے وسط میں وہ سمندر کے اتنا قریب کبھی نہیں ہوا تھا...... سمندر کا جاہ و جلال دیکھنا ہو تو سمندر کے وسط میں جانا چاہئے جہاں چاروں طرف سمندر ہی سمندر ہوتا ہے اور انسان کو خدا یاد آ جاتا ہے...... اچانک چپو چلاتے چلاتے ایک سمگلر ملاح نے چلا کر اپنی زبان میں کچھ کہا...... اسے سنتے ہی جیکی دوڑ کر لانچ کے سامنے والے کونے کی طرف گیا...... پھر تیزی سے واپس آیا اور عمران سے کہا...... "سٹین گن تیار رکھو اور تھیلوں کے پیچھے پوزیشن سنبھال لو"۔

عمران فوراً سٹین گن لے کر بڑے بڑے تھیلوں کے پیچھے پوزیشن لے کر بیٹھ گیا...... جیکی نے کہا۔

"ہمارے آدمی نے ایک سٹیمر کے انجن کی آواز سنی ہے...... ہو سکتا ہے یہ کوسٹل گارڈ کی پٹرول پارٹی ہو"۔

جیکی کا اندازہ بالکل صحیح نکلا...... چند سیکنڈ کے بعد ہی اچانک سمندر کا وہ حصہ سرچ لائٹ کی روشنی سے روشن ہو گیا جہاں ان سمگلروں کی لانچ جا رہی تھی...... لانچ میں افراتفری مچ گئی اور دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی...... ساحلی گشتی پولیس کا سٹیمر لانچ پر روشنی ڈالتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہاں سے مشین گن کا فائر بھی آنے لگا تھا...... سمگلر بھی فائرنگ کا جواب فائرنگ سے دے رہے تھے، مگر ان کے پاس اتنا ایمونیشن نہیں تھا...... ان کا ایک راؤنڈ فائر ہوتا تھا تو کوسٹل پولیس کی مشین گنیں دس راؤنڈ فائر کرتی تھیں...... کسٹم پولیس کا ایک سٹیمر بھی سرچ لائٹ کی روشنی ڈالتا وہاں آ گیا اور دونوں سٹیمر فائرنگ کرنے لگے کمانڈو عمران سمگلروں کے مال سے بھرے ہوئے بڑے بڑے تھیلوں کے پیچھے بیٹھ گیا، مگر اسے لگتا تھا کہ یا تو وہ

سارے پکڑے جائیں گے اور یا پھر کسٹم پولیس کی گولیاں انہیں چھلنی کر دیں گی...... پولیس اور ساحلی گارڈ کے دونوں سٹیمر ان کی لانچ کے دائیں بائیں آ گئے اور ایک سٹیمر میں سے کسی نے چلا کر کہا۔

"ہتھیار پھینک دو...... نہیں تو ایک ایک کو بھون دیں گے"۔

جیکی نے اپنے ساتھیوں سے چیخ کر کہا۔

"فائرنگ کیوں روک دی؟ فائر کھول دو"۔

ایک بار پھر دونوں طرف سے فائرنگ کے دھماکے ہونا شروع ہو گئے...... ایک سٹیمر لانچ کے بالکل سامنے آ گیا تھا...... اس نے لانچ کے اگلے حصے کو ٹکر ماری اور لانچ الٹ گئی...... یہ اتنی جلدی ہو گیا کہ عمران سنبھل بھی نہ سکا...... لانچ کے الٹتے ہی اس نے اپنے آپ کو سمندر کے اندر پایا...... وہ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا جنوب کی طرف دور نکل جانا چاہتا تھا، کیونکہ جہاں کشتی الٹی تھی پولیس کا سٹیمر اوپر موجود تھا اور اس کی گرفتاری یقینی امر تھا اور وہ گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا...... کمانڈو عمران ایک ماہر تیراک تھا اور سانس کو دیر تک روکے رکھنے کی اسے کافی مشق تھی، چنانچہ اس نے اپنا رخ جنوب کی طرف کر لیا اور تیزی سے بازو اور ٹانگیں چلانے لگا...... جنوب کی طرف سری لنکا کا ملک تھا اور یہ کوسٹل پولیس بھارت کی تھی اور انڈیا کے ساحل کی طرف سے آئی تھی...... تین چار منٹ تک وہ سانس روکے سمندر کے نیچے تیزی سے تیرتا چلا گیا...... جب اس کا سانس ختم ہونے لگا تو اس نے سطح سمندر سے سر باہر نکالا اور دیکھا کہ کسٹم کے دونوں سٹیمروں سے وہ تھوڑا آگے جنوب کی طرف نکل آیا تھا...... اس نے سانس اندر کو کھینچا اور سمندر میں ڈبکی لگا دی...... اسی طرح دو تین بار کرنے سے وہ کسٹم پولیس کے سٹیمروں سے دور نکل گیا۔

اس نے اندازے سے سری لنکا کے ساحل کی جانب تیرنا شروع کر دیا...... رات کی تاریکی میں سمندر پر تیرتے ہوئے اسے سرچ لائٹ کی روشنی کے بغیر دیکھا نہیں

جاسکتا تھا اور سٹیمروں کی سرچ لائٹ اس سے بہت پیچھے رہ گئی تھی...... فائرنگ کی آوازیں اب نہیں آرہی تھیں، جس کا مطلب تھا کہ کسٹم پولیس نے جیکی سمیت سارے سمگلروں کو پکڑ لیا تھا...... کھلے سمندر میں تیرنے کی کمانڈو عمران کو زیادہ مشق نہیں تھی...... اس کے منہ میں بار بار سمندر کا پانی داخل ہو رہا تھا جس سے اس کا حلق کڑوا ہو گیا تھا...... سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے، مگر وہ تیرتا چلا جا رہا تھا...... دور جنوب کی سمت وہ پہاڑ بھی اب نظر نہیں آرہے تھے...... عمران کے بدن میں ایک دم سے خوف کی ایک لہر دوڑ گئی...... یہ سوچ کر کہ کہیں وہ غلط سمت کو تو نہیں جا رہا، کیونکہ سری لنکا کے چاروں طرف سمندر تھا اور یہ سمندر ہزاروں میل کی وسعت میں پھیلا ہوا تھا...... اگر آپ نقشے پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو سری لنکا کے ملک کے جنوب میں بحر ہند، مشرق میں بحر الکاہل اور مغرب میں بحر اوقیانوس ایک دوسرے سے ملے ہوئے دکھائی دیں گے...... یہ تینوں اتنے بڑے سمندر ہیں کہ انہوں نے زمین کے تین چوتھائی حصے کو ڈھانپ رکھا ہے...... ان سمندروں کی طرف بھٹک جانے کا مطلب یہ تھا کہ کمانڈو عمران موت کے منہ میں پہنچ گیا ہے اور اس کی لاش بھی سمندر سے باہر نہیں نکل سکے گی، مگر یہ خوف زدہ ہونے کا وقت نہیں تھا...... یہ وقت ہمت اور حوصلہ کرنے کا تھا۔

عمران نے تیرتے تیرتے خدا کے حضور دعا مانگی اور جس رخ پر تیر رہا تھا...... اس رخ پر تیرتا چلا گیا...... حقیقت یہ تھی کہ وہ بھٹک گیا تھا اور اس کا رخ سری لنکا کی طرف نہیں تھا بلکہ پچھتر ڈگری جنوب مغرب کی طرف ہو گیا تھا...... عمران کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب اسے سمندر کی خوفناک موجوں میں تیرتے تیرتے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا اور اسے سری لنکا کے ساحل کی ایک بھی روشنی نظر نہ آئی...... اب وہ تیرتے تیرتے تھک گیا تھا...... اس میں مزید تیرنے کی سکت نہیں رہی تھی...... سمندر کے وسط میں تیرتے ہوئے آدمی جلدی تھک جاتا ہے کیونکہ سمندر کے وسط

میں ساحل کے برعکس موجوں کا بہاؤ نہیں ہوتا، بلکہ موجیں اوپر نیچے ہو رہی ہوتی ہیں اور آدمی کو تیرتے ہوئے کافی طاقت خرچ کرنی پڑتی ہے۔

تیرتے تیرتے عمران نے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی...... آسمان پر نہ جانے کدھر سے بادل جمع ہو گئے تھے اور تیز ہوا بھی چلنے لگی تھی...... اسے چاروں طرف سمندر ہی سمندر نظر آیا...... تب اسے یقین ہو گیا کہ وہ سمندر میں بھٹک گیا ہے، لیکن اس نے حوصلہ نہ ہارا اور جس طرف وہ تیر رہا تھا اسی طرف تیرتا چلا گیا...... اب وہ آہستہ آہستہ بازو اور ٹانگیں چلا رہا تھا...... سمندر کا ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ سمندر آدمی کو اتنی جلدی ڈوبنے نہیں دیتا...... ایک تو اس وجہ سے کہ نمک کی بے پناہ مقدار ہونے کے باعث سمندر کا پانی بہت بھاری ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ سمندر کی پہاڑ ایسی موجیں ہر وقت (وسط سمندر میں) اوپر نیچے ہوتی رہتی ہیں...... یہ موجیں نیچے جانے والی شے کو بار بار اوپر لاتی رہتی ہیں...... آدمی گھبرا کر ڈوب جائے تو یہ الگ بات ہے...... اچھا تیراک اور سمندر سے خوف نہ کھانے والا آدمی اگر تیرتے تیرتے تھک بھی جائے تو اتنی جلدی سمندر میں نہیں ڈوبتا لیکن اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے...... اگر وہ حد گزر جائے تو پھر آدمی کا ڈوبنا یا کسی شارک مچھلی کا شکار بن جانا یقینی ہوتا ہے۔

کمانڈو عمران تیرتے تیرتے اتنا تھک گیا تھا کہ اس کے بازو شل ہو گئے تھے اور اس نے اپنے آپ کو سمندر کی موجوں کے اوپر الٹا لیٹا دیا...... یہ مردہ تاری ہوتی ہے...... اس کا اصول یہ ہوتا ہے کہ آدمی ذرا سی بھی حرکت نہ کرے...... اپنے سانس کو زور سے اندر کھینچ کر پھیپھڑوں کو پھلا لے اور پھر انہیں دیر تک پھولا رہنے دے اور آہستہ آہستہ سانس خارج کرے اور جب سانس خارج ہو جائے تو فوراً ایک بار پھر لمبا سانس لے کر پھیپھڑوں کو غبارے کی طرح پھلا لے...... پھیپھڑوں میں ہوا بھر جانے سے آدمی غبارے کی طرح سمندر کے اوپر رہتا ہے اور ڈوبنے سے بچ جاتا ہے، لیکن یہ

بھی ایک خاص مدت تک ہی کیا جاسکتا ہے...... یہ تمام حقائق عمران کے سامنے تھے، اس وقت اسے ایک بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اگر ایک آدھ گھنٹے کے اندر اندر وہ خشکی کے کسی ٹکڑے پر نہ پہنچا تو یا سمندر اسے نگل لے گا اور یا پھر کوئی خونخوار شارک مچھلی اس کی تکا بوٹی کر دے گی...... شارک مچھلی کے ہاتھوں جو موت آتی ہے اس کا تصور ہی بڑا بھیانک ہوتا ہے...... عمران خدا سے اپنی زندگی کی دعا ہی مانگ سکتا تھا اور وہ مسلسل خدا کو یاد کر رہا تھا اور اس سے زندگی کی بقاء کی دعا مانگ رہا تھا۔

اللہ میاں نے اس کی دعا قبول فرمالی...... سمندر کی ایک بہت بڑی پہاڑ ایسی موج کے سینے پر عمران بالکل سیدھا آسمان کی طرف منہ کر کے لیٹا ہوا تھا اور سمندر کی موج اسے کبھی اوپر اٹھاتی تھی اور کبھی نیچے گہرائی میں لے جاتی تھی...... ایک بار وہ موج کے ساتھ سمندر کی گہرائی میں جا کر اوپر آیا تو اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرا گیا...... پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ اس کا پاؤں نہیں ٹکرایا بلکہ کسی شارک مچھلی نے اس کی ٹانگ کو پکڑنے کی کوشش کی ہے...... عمران گھبرا کر سیدھا ہو گیا اور تیرتے ہوئے پیچھے کی طرف آیا...... اسے کوئی سیاہ شے سمندر کے اوپر ابھری ہوئی دکھائی دی...... وہ تیر کر اس کے قریب گیا تو دیکھا کہ یہ کوئی بہت بڑا درخت تھا جو اکھڑ کر سمندر میں جا گرا تھا اور اب سمندر کی موجیں اسے بہائے لئے جا رہی تھیں...... یہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی مدد تھی...... عمران نے جلدی سے درخت کی شاخوں کو پکڑا اور اچھل کر درخت کی موٹی اور گنجان ٹہنیوں میں اس کے موٹے تنے سے لپٹ کر اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا...... وہ اتنا تھک کر چور ہو چکا تھا کہ درخت کے لپٹتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا...... یہ امداد واقعی اللہ کی طرف سے آئی تھی ورنہ درخت اس کے قریب سے بہتا ہوا آگے بھی نکل سکتا تھا...... سمندر کی بہت بڑی موج تھی جو درخت سمیت عمران کو اوپر نیچے کرتے ہوئے بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی...... عمران کو اتنا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ نے اس کی دعا قبول فرمالی ہے اور اس کی زندگی بچ گئی ہے...... کم از

کم یہ درخت اسے ڈوبنے نہیں دے سکتا تھا اور اگر کوئی شارک اس پر حملہ بھی کرتی ہے تو وہ درخت کی بڑی بڑی شاخوں میں اپنے آپ کو چھپا سکتا تھا...... ویسے بھی سمندر میں ہر جگہ شارک مچھلیاں نہیں ہوتیں...... شارکوں کے خاص خاص سمندری زون ہیں جہاں وہ پائی جاتی ہیں...... جنوب مشرقی علاقے میں خلیج فارس کے سمندر میں شارک مچھلیاں بہت ہوتی ہیں، چنانچہ آج سے کئی برس پہلے جب دوبئی سے کراچی کی طرف آتے ہوئے دارا نام کا ایک جہاز آگ لگنے سے تباہ ہو گیا تھا اور مسافروں نے جان بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگیں لگادی تھیں تو ان میں سے بہت کم لوگ شارک مچھلیوں سے بچ سکے تھے۔

آسمان پر جو بادل چھائے ہوئے تھے ان میں اب بجلی بھی چمکنے لگی تھی...... ساتھ ہی بادل گرجنے لگے تھے اور ہوا بھی تیز ہو گئی تھی...... اس کا مطلب تھا کہ طوفان آرہا ہے اور ایسا ہی ہوا...... ہوا کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی...... بادل زور زور سے گرجنے لگے اور پھر بارش شروع ہو گئی...... یہ بڑی موسلا دھار بارش تھی...... بادل گرج رہے تھے...... بجلی کڑک رہی تھی اور بارش ایسے ہو رہی تھی جیسے آسمان پر بھی کوئی سمندر ہے جو آبشار کی طرح زمین کے سمندر پر برس رہا ہے...... اس سمندری طوفان کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ عمران جس درخت سے لپٹا ہوا تھا اس کو سمندر کی موج بڑی تیزی سے ایک طرف کو بہانے لگی...... درخت کو دیکھ کر عمران کو حوصلہ ہوا تھا کہ زمین کہیں قریب ہی ہے...... درخت کی شاخیں اور پتے اتنے گلے سڑے نہیں تھے...... لگتا تھا کہ اسے سمندر میں گرے ایک دن سے زیادہ مدت نہیں گزری...... اس کا یہی مطلب نکلتا تھا کہ خشکی وہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔

طوفان میں موجوں کا بہاؤ بھی تیز ہو گیا۔

عمران درخت کی ٹہنیوں کے جال میں اپنے آپ کو الجھائے درخت سے چمٹ کر بیٹھا تھا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹہنیوں کو پکڑ رکھا تھا...... گھنی شاخوں کی وجہ سے

درخت کا تنا گول گول گردش نہیں کر رہا تھا...... اگر اس درخت کی گھنی شاخیں نہ ہوتیں تو عمران درخت کے تنے پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتا تھا...... وہ سمندر میں گر پڑتا اور صرف تنے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہی تیر سکتا تھا...... ایسی صورت میں اس کے صرف بازو اور سر سمندر سے باہر ہوتا...... باقی سارا جسم سمندر میں ڈوبا ہوا ہوتا اور ایسی حالت میں عمران زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

عمران محسوس کر رہا تھا کہ بارش اور تیز ہواؤں کے طوفان میں درخت ایک طرف کو تیزی سے بہتا چلا جا رہا تھا...... چاروں طرف اونچی اونچی لہریں اٹھ رہی تھیں...... عمران کو سمت کا بالکل اندازہ نہیں رہا تھا...... اگر آسمان پر ستارے کھلے ہوئے ہوتے یا دھوپ نکلی ہوتی تو اسے مشرق مغرب کا اندازہ ہو سکتا تھا، مگر اس وقت آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا اور رات کی تاریکی اور موسلا دھار بارش میں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ درخت کھلے سمندروں کی جانب جا رہا ہے یا سری لنکا کے کسی جزیرے کی طرف جا رہا ہے...... عمران نے سب کچھ خدا پر چھوڑ دیا تھا کہ اب وہ جہاں چاہے گا اسے لے جائے گا...... عمران کی مرضی کو اس میں ذرا سا بھی دخل نہیں رہا تھا۔

عمران کی زندگی فی الحال ضرور بچ گئی تھی مگر وہ بڑے خوفناک سمندری طوفان کی زد میں تھا...... نہ جانے رات کتنی گزر چکی تھی...... طوفان بھی تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا...... عمران کسی وقت اندھیرے میں آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کرتا مگر بارش کا پانی اس کی آنکھوں کے آگے دھاروں کی طرح بہہ رہا تھا...... وہ آنکھیں بند کر لیتا اور خدا کو یاد کرنے لگتا...... نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ بارش ہلکی ہوتے ہوتے تھم گئی...... بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک بھی ماند پڑ گئی اور طوفانی ہواؤں میں بھی کسی قدر دھیما پن آ گیا...... تب عمران نے بڑے غور سے سمندر کی اس سمت دیکھا جس سمت کو درخت بہا چلا جا رہا تھا...... اسے سوائے تاریکی کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا...... اس نے درخت کی شاخوں میں اپنا آپ اس طرح پھنسایا ہوا تھا کہ وہ ایک جگہ

ں گیا تھا...... اس نے اپنا سر پیچھے ایک ٹہنی کے ساتھ لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں...... ہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسی حالت میں اسے نیند آ جائے گی، لیکن وہ حیران رہ گیا ب کچھ دیر کے بعد اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی...... پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

اچانک اس کی آنکھ کھل گئی...... اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک سویا رہا ا...... اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے سامنے کی طرف دیکھا تو اسے روشنی کا ایک نکتہ ٹماتا نظر آیا...... اسے دیکھتے ہی عمران کی جیسے جان میں جان آ گئی...... وہ بحر ہند اور ز الکاہل کے سمندروں میں بے بسی کی موت سے بچ گیا تھا...... یہ روشنی کا نکتہ خشکی ر اس کی زندگی کی علامت تھی...... جس درخت سے وہ چمٹا ہوا تھا اس کا رخ بھی شنی کے ٹمٹماتے نقطے کی طرف تھا...... یہ قدرتی بات ہے کہ جب ساحل قریب جاتا ہے تو سمندر کی بڑی بڑی موجوں کا رخ اپنے آپ اس ساحل کی طرف ہو جاتا ے اور وہ اسی طرف تیزی سے بہنے لگتی ہیں...... یہ بالکل ایسے ہوتا ہے جیسے خشکی ان وجوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا...... روشنی کا نکتہ بڑا ہوتا جا رہا تھا...... پھر اس کے پیچھے ب اور ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آنے لگی...... کچھ دیر کے بعد دونوں روشنیاں نمایاں طور نظر آنے لگیں...... یہ بالکل ایسی روشنیاں تھیں جیسے کہیں آگ کا الاؤ روشن ہو...... ب درخت خشکی کے اور قریب آ گیا تو یہ روشنیاں چھوٹی ہو کر الاؤ کی بجائے کسی عل کے شعلے میں تبدیل ہو گئیں...... یہ دو مشعلیں تھیں جو خشکی پر کسی مقام پر شن تھیں...... پھر بھی درخت کو خشکی تک آتے آتے بہت وقت لگ گیا...... اب ت کے اندھیرے میں ساحل کے درختوں کے خاکے دکھائی دینے لگے...... یہ درخت احل سمندر سے کافی پیچھے ہٹ کر ایک فصیل کی طرح مغرب سے مشرق کی طرف ے گئے تھے...... عمران اسے سری لنکا کی سرزمین ہی سمجھ رہا تھا...... بہر حال خشکی ضرور ئی تھی اور وہ زندہ و پائندہ خشکی کی طرف بڑھ رہا تھا...... ساحل کے قریب آ کر سمندر

کی موجوں کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی...... آخر ایک بہت بڑی موج نے عمران کو درخت سمیت خشکی پر لا کر پھینک دیا...... عمران نے اپنے آپ کو درخت کی شاخوں میں سے نکالا اور ساحل کی ریت پر پاؤں رکھا...... ٹھنڈی ریت پر پاؤں رکھتے ہی عمران کو محسوس ہوا کہ زندگی اپنی تمام رعنائیوں اور مسرتوں کے ساتھ اس کے پاس واپس آگئی ہے...... واقعی زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کو چاہئے کہ وہ اس نعمت کا جائز حدود میں رہتے ہوئے پورا پورا حق ادا کرے۔

اگرچہ آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا مگر اب بادلوں کے پیچھے صبح کا ہلکا ہلکا اجالا جھلکنے لگا تھا...... عمران ریت پر چند قدم چلنے کے بعد وہیں بالکل سیدھا ہو کر لیٹ گیا اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں...... اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کون سے ملک میں، کون سے جزیرے پر پہنچ گیا ہے...... اس کے لئے اتنا ہی بہت تھا کہ وہ ایک طوفانی اور بے کراں سمندر سے زندہ باہر نکل آیا ہے...... دیر تک وہ اسی ریت پر لیٹا گہرے سانس لیتا رہا...... پھر اٹھا اور ساحل کے درختوں کی طرف دیکھنے لگا...... یہ درخت ساحل کی ریت سے چھ سات سو گز کے فاصلے پر تھے...... صبح کے ہلکے ہلکے اجالے میں درختوں کے خاکے اب ابھرنے لگے تھے...... ان درختوں میں ناریل اور تاڑ کے درخت بھی تھے اور دوسرے بڑے گنجان اور اونچے اونچے چھتریوں والے درخت بھی تھے...... تاڑ اور ناریل کے درختوں کو دیکھ کر عمران سمجھ گیا کہ وہ جنوب مشرقی علاقے میں ہی ہے اور یہ سری لنکا کی سرزمین ہی ہو سکتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ درختوں کی طرف بڑھنے لگا...... اس کی پتلون اور قمیض بارش اور سمندری طوفان میں بھیگ کر اکڑ سی گئی تھی...... اکڑاؤ اس لئے آگیا تھا کہ سمندر کا نمک بھی قمیض اور پتلون پر تہہ بن کر چمٹ گیا تھا...... اس کے پاؤں میں ربڑ کے تسمے والے شوز تھے...... اگر دوسرے شوز ہوتے جس کے تسمے نہیں ہوتے تو وہ سمندر کی نذر ہو چکے ہوتے...... اس نے کھڑے ہو کر اپنی جیبوں کی تلاشی لی...... اس کی پتلون کی

پچھلی جیب میں انڈین کرنسی میں دو بڑے نوٹ تھے جو گیلے ہو کر چپک گئے تھے...... دوسری جیب میں ایک چھوٹا پستول خدا جانے کیسے بچ گیا تھا...... یہ پستول جیکی نے اسے سمگلروں کی لانچ میں سوار ہونے سے پہلے دیا تھا...... عمران نے پستول کو کھول کر دیکھا...... وہ بھرا ہوا تھا...... اس میں چوبیس گولیوں کا میگزین تھا...... اس نے پستول اپنی پتلون کی بائیں پہلو والی جیب میں رکھ لیا تاکہ ضرورت کے وقت وہ اسے آسانی سے باہر نکال سکے۔

جب وہ جزیرے کے درختوں کے درمیان آیا تو پو پھٹ چکی تھی اور درختوں پر کہیں کہیں پرندوں نے چہچہانا شروع کر دیا تھا...... ابھی تک عمران کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس ملک یا کس جزیرے کے ساحل پر آگیا ہے...... وہ اسے سری لنکا کی سرزمین ہی سمجھ رہا تھا...... درختوں میں وہ دور تک چلتا گیا...... ایک جگہ درخت پیچھے پیچھے ہو گئے تھے، اس الاؤ کی روشنی کو اس نے سمندر میں بہتے ہوئے دیکھا تھا اب وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی...... کسی آبادی کے بھی ابھی تک کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے...... جنگل میں ایک جگہ چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی...... عمران نے جھک کر اس کا پانی چکھا...... پانی میٹھا تھا...... اس نے پانی پیا...... منہ ہاتھ دھو کر سمندری نمک کو اپنے چہرے اور گردن پر سے اتارا اور ندی کے دوسرے کنارے پر آگیا...... ندی چھوٹی سی تھی...... پانی گھٹنوں تک ہی تھا...... عمران اس میں اتر کر دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔

پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں بھی پیچھے رہ گئی تھیں...... اب وہ جن گھنے درختوں کے درمیان سے گزر رہا تھا ان پر ایک بھی پرندہ نہیں بول رہا تھا...... ایک جگہ اس کو زمین پر گرے ہوئے چند تازہ ناریل مل گئے...... اس نے ایک ناریل کے کھوپے کو توڑ کر اس کا پانی پیا اور اس کا میٹھا گودا کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور آگے چل پڑا...... کوئی آدھے گھنٹے بعد جنگل ختم ہو گیا اور جزیرے کا عقبی ساحل آگیا...... اس کا مطلب تھا کہ یہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ تھا...... عمران وہاں سے مغرب کی طرف ہو کر دور تک چلتا

گیا..... ادھر بھی سمندر کا ساحل تھا..... وہ واپس جس طرف سے چلا تھا وہاں آ گیا..... اب اس نے جنگل سے نکل کر ساحل کے درختوں کے ساتھ ساتھ مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا..... بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ سمندر کے درمیان کوئی چھوٹا سا جزیرہ ہے اور سری لنکا کا ملک نہیں ہے..... اس انکشاف پر عمران کچھ فکر مند سا ہو گیا کہ خدا جانے سمندر کی موجیں اسے بہا کر کس علاقے میں لے آئی ہیں..... کہیں یہ کالے پانی کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ نہ ہو، لیکن عمران کو معلوم تھا کہ انڈیمان کے جزیرے خلیج بنگال میں واقع ہیں اور خلیج بنگال کا پانی سیاہ رنگ کا ہے اور جس سمندر میں وہ ساری رات تیرتا رہا تھا اس کا رنگ سبزی مائل نیلا تھا۔

اب اسے یہ تجسس ہوا کہ جزیرے پر اس نے مشعلوں کی جو روشنی دیکھی تھی وہ روشنی یہاں کس جگہ پر ہو رہی تھی..... اس روشنی کا مطلب یہ تھا کہ جزیرے پر آبادی موجود ہے، لیکن اب اسے وہ روشنی والا علاقہ بالکل نہیں مل رہا تھا..... وہ ساحل کے ساتھ ساتھ ٹہلتا دور تک چلا گیا..... کسی جگہ کوئی ایک جھونپڑا تک اسے نظر نہ آیا..... یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ جس چھوٹے سے جزیرے میں پھل دار درخت ہوں اور میٹھے پانی کی ندی بھی بہہ رہی ہو اور وہاں انسانی آبادی نہ ہو..... دن نکل آیا تھا اور روشنی چاروں طرف کے مناظر کو اجاگر کر رہی تھی..... عمران نے محسوس کیا کہ یہ جزیرہ بے آباد نہیں ہے..... اس کا ثبوت اسے ایک جگہ درختوں کے درمیان کچے راستے پر پہیوں کے نشان سے ملا..... یہاں سے بیل گاڑی یا کوئی دوسری گاڑی گزرتی ہو گی، لیکن آبادی کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔

ساری رات سمندر میں طوفانی لہروں میں ہچکولے کھانے کے بعد عمران کا جسم سخت تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا..... وہ چاہتا تھا کہ کسی جگہ لیٹ کر سو جائے، لیکن ایک اجنبی جزیرے پر اس طرح غافل ہو کر سو جانا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا..... عمران کا اب چلنے کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا..... وہ کسی جگہ بیٹھ کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا

ھا..... جزیرے پر خاموشی تھی..... کسی کسی وقت کسی درخت پر سے ایک دو پرندوں ے بولنے کی آواز آ جاتی تھی اور اس کے بعد پھر سناٹا چھا جاتا تھا..... موسم گرم تھا، مگر مندر کی طرف سے ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے حبس کم ہو گیا تھا..... ایک جگہ مین پر تین چار کچے ناریل پڑے تھے..... عمران نے ایک ناریل کو توڑ کر اس کا پانی پیا ور نرم گودا کھایا، کھانے سے اس کے جسم میں کچھ توانائی آ گئی..... ناریل کچا یعنی سبز ہو ورا بھی اس کی چھال سوکھی نہ ہو تو اس کا گودا یعنی گری اندر سے نرم ہوتی ہے..... جب ہ کچا ناریل پک کر ہلکے نسواری رنگ کا ہو جاتا ہے تو اس کا گودا بھی سوکھ کر گری بن جاتا ہے جو چاقو یا چھری کے بغیر نہیں اترتی..... جسے ہم کچی گری بھی کہتے ہیں..... بھرا ہوا پستول اس کی جیب میں ہی تھا..... عمران کو بڑی تسلی تھی کہ کسی طرح سے پستول س کے ساتھ ہی آ گیا تھا..... کم از کم وہ اس کی مدد سے اپنے آپ کو کسی بھی جنگلی رندے سے بچا سکتا تھا۔

عمران بہت آہستہ آہستہ چل رہا تھا..... وہ ایک ٹیلے کی ڈھال کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا..... اچانک اسے کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی..... عمران فوراً رک گیا اور ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا، مگر آواز ٹیلے کی دوسری جانب سے آئی تھی..... دوسری بار کسی عورت کی آواز آئی..... وہ ٹوٹی پھوٹی اردو یا ہندی زبان میں کسی کو کہہ رہی تھی کہ مجھے چھوڑ دو..... مجھ پر رحم کرو..... عمران نے پہلا کام یہ کیا کہ جیب سے بھرا ہوا پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا..... وہ ٹیلے کی ڈھال کے ساتھ اس طرف تیز قدموں سے چلنے لگا جس طرف سے عورت کی آواز آئی تھی..... ٹیلہ زیادہ بڑا نہیں تھا..... جیسے ہی وہ ٹیلے کی دوسری طرف پہنچا اس نے دیکھا کہ ایک فوجی وردی والے سپاہی نے ایک لڑکی کو پکڑ رکھا ہے اور اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کر رہا ہے..... لڑکی بالکل عریاں حالت میں تھی اور اس کا لہنگا ایک طرف پڑا تھا..... فوجی کی رائفل بھی وہیں زمین پر پڑی تھی..... لڑکی جزیرے کے جنگلی قبیلے کی لگتی تھی.....

اس کا رنگ گہرا سانولا تھا اور وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں چیخ چیخ کر فوجی سپاہی کو کہہ رہی تھی...... مجھے چھوڑ دو...... مجھے کچھ نہ کہنا۔

عمران پہلے تو یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ فوجی سپاہی کی وردی کا رنگ سبز تھا...... یہ بھارتی فوجی تھا...... اس کا مطلب تھا کہ اس جزیرے میں بھارتی فوج کسی جگہ موجود ہے، مگر وہ وقت حیران ہونے کا نہیں تھا...... عمران اس لڑکی کو بھارتی درندے سے بچانا چاہتا تھا...... لڑکی نے چیخ کر کہا کہ میری شادی نہیں ہوئی...... مجھے کچھ نہ کہنا...... کمانڈو عمران کے اندر جیسے ایک بگولا سا گردش کرنے لگا...... بغیر سوچے سمجھے...... بغیر یہ سوچے کہ اس کا انجام کیا ہوگا...... وہ دوڑ کر بھارتی سپاہی کی طرف بڑھا...... اس نے پستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا...... پستول کے فائر سے وہ جزیرے میں موجود دوسرے فوجیوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا...... وہ کمانڈو تھا...... وہ دشمن کو گولی کے بغیر بھی جہنم میں پہنچانے کے طریقے جانتا تھا...... جب وہ بھارتی سپاہی کے عقب میں پہنچا تو سپاہی نے پلٹ کر اسے دیکھا...... اس کے بعد عمران نے اسے کچھ دیکھنے یا اپنے دفاع میں کچھ کرنے کی مہلت نہ دی...... اس نے پیچھے سے اپنا بایاں بازو بھارتی سپاہی کی گردن میں ڈال کر پوری طاقت سے اس کی گردن کو اوپر کی طرف جھٹکا دیا...... اس جھٹکے سے بھارتی سپاہی کی گردن کے مہرے ٹوٹ گئے اور سر گردن پر ڈولنے لگا۔

عمران اس کو چھوڑ کر الگ ہو گیا...... بھارتی سپاہی وہیں بے جان ہو کر گر پڑا...... لڑکی نے بھاگ کر گھاس پر سے اپنا لہنگا اٹھا کر کمر کے گرد باندھا اور عمران کو حیرت زدہ اور احسان مند نظروں سے دیکھنے لگی...... اس لڑکی کے جسم پر سوائے لہنگے کے اور کچھ نہیں تھا...... معلوم ہوتا تھا کہ اس قبیلے کی عورتیں کمر کے اوپر کچھ نہیں پہنتیں......
عمران نے سپاہی کی لاش کو گھسیٹ کر ایک درخت کے پیچھے جھاڑیوں میں ڈال دیا اور اس کی رائفل بھی اس کے اوپر رکھ دی...... لڑکی اسی طرح سہمی ہوئی کھڑی عمران کو تک رہی تھی...... وہ حیران ہو رہی تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کہاں سے نمودار ہو گیا

ہے...... عمران نے لڑکی کے قریب آ کر ٹوٹی پھوٹی اردو میں پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں انڈین آدمی کہاں پر ہے...... لڑکی نے اسے کہا کہ میرے ساتھ آؤ...... وہ اسے ساتھ لے کر وہاں سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر درختوں کے درمیان ایک کھلی جگہ پر لے آئی جہاں بانس کے چھ سات جھونپڑا نما مکان بنے ہوئے تھے...... لڑکی کو دیکھ کر وہاں عورتیں اور مرد عمران کے گرد جمع ہو گئے...... ان میں لڑکی کی ماں اور اس کا باپ بھی تھا...... لڑکی کو اس کی ماں سینے سے لگا کر پیار کر رہی تھی...... لڑکی نے روتے ہوئے اپنے ماں باپ اور وہاں موجود قبیلے کے دوسرے لوگوں کو سارا واقعہ بیان کر دیا...... سب آدمیوں نے عمران کے قریب باری باری آ کر شانے پر تھپکی دی...... لڑکی کے باپ نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا۔

”تم نے ہماری بیٹی کی عزت بچائی ہے...... ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں...... تم کون ہو؟“۔

لڑکی کے باپ نے اتنے صاف جملے نہیں کہے تھے...... یہ ہم اپنی طرف سے ان لوگوں کے مکالمے لکھ رہے ہیں...... اس نے جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب یہی نکلتا تھا جو ہم نے اوپر لکھا ہے...... عمران نے کہا۔

”بھارتی فوجی کی لاش وہیں پڑی ہے...... وہ لاش وہاں سے اٹھا کر زمین میں دبا دینی چاہئے تاکہ جزیرے میں جو بھارتی فوجی موجود ہیں انہیں پتہ نہ چل جائے“۔

لڑکی کے باپ نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا...... لڑکی نے اپنی زبان میں انہیں بتایا کہ بھارتی سپاہی کی لاش فلاں جگہ درخت کے نیچے پڑی ہے...... دونوں آدمی جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور کندھے پر کمان رکھی ہوئی تھی ایک طرف کو دوڑ پڑے......

لڑکی کا باپ عمران کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا...... عمران نے لڑکی کے باپ سے پوچھا۔

”یہاں بھارتی فوج کہاں پر ہے؟“۔

لڑکی کے باپ نے عمران کو بتایا کہ جزیرے میں پچاس ساٹھ کے قریب بھارتی

فوجی موجود ہیں اور جزیرے کے مغربی کونے میں ان کا کیمپ ہے...... عمران نے پوچھا۔

"اس جزیرے کا نام کیا ہے اور یہ کس ملک کا جزیرہ ہے؟"۔

ہم اپنی طرف سے اس کے مکالمے سلیس اردو میں لکھ رہے ہیں۔

لڑکی کے باپ نے کہا۔

"یہ نکوبار کے جنوبی جزیروں میں سے ایک جزیرہ ہے جہاں بھارت کا قبضہ ہے...... اس جزیرے کا نام نکوبار پورم ہے، مگر تم یہاں کیسے آگئے ہو؟"۔

عمران نے کہا۔

"میں جس جہاز پر لنکا کی طرف جا رہا تھا وہ رات کے سمندری طوفان میں غرق ہو گیا تھا...... میں بڑی مشکل سے لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھ کر اس جزیرے تک پہنچا ہوں"۔

لڑکی کے باپ نے لڑکی سے کہا۔

"مہمان کو کھانا کھلاؤ...... اسے بھوک لگی ہوئی...... میں بھارتی سپاہی کی لاش ٹھکانے لگاتا ہوں"۔

لڑکی کے باپ نے مزید دو تین آدمیوں کو ساتھ لیا اور اس طرف چلا گیا جس طرف پہلے دو آدمی لاش کو ٹھکانے لگانے گئے تھے...... لڑکی نے عمران سے کہا۔

"میں کھانا لاتی ہوں...... تم بیٹھو"۔

عمران جھونپڑی میں بچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گیا...... یہ چٹائی ناریل کی ٹہنیوں سے تیار کی گئی تھی...... لڑکی چلی گئی...... عمران سوچنے لگا کہ اس جزیرے میں بھارتی فوج موجود ہے اسے یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے...... اس کی مخبری ہو سکتی ہے...... ان قبیلے والوں میں کوئی مخبر ہو سکتا ہے...... وہ بھارتی فوج کو اس کی مخبری کر سکتا ہے...... عمران نے فیصلہ کر لیا کہ لڑکی کے باپ سے بات کرے گا کہ وہ اسے کسی طرح جزیرے سے فرار ہونے میں اس کی مدد کرے...... لڑکی کھانا لے کر آئی...... کیلے کے چوڑے

پتوں کی تھالی میں چاولوں کے اوپر تھوڑی سی بھاجی رکھی ہوئی تھی...... ساتھ وہ پانی بھی لائی تھی...... عمران نے خوب مزے لے کر وہ سارا کھانا کھا لیا اور لڑکی سے پوچھا۔

یہاں بھارتی فوج کیا کرتی ہے؟

لڑکی نے بتایا کہ بھارتی فوجی سپاہیوں نے وہاں سے دور سمندر کے کنارے درختوں میں ایک کیمپ بنایا ہوا ہے...... اس کیمپ کے اردگرد لوہے کی خاردار باڑ لگی ہوئی ہے جو زمین سے دس فٹ اوپر تک چلی گئی ہے...... اس کیمپ کی طرف جزیرے کے کسی مرد یا عورت کو جانے کی اجازت نہیں ہے...... عمران سوچنے لگا کہ اس جزیرے میں بھارتی فوج نے کس لئے گریزن بنایا ہوا ہے...... خاردار تاروں کی دیواروں کے اندر کیا ہو رہا ہے...... عمران کے لئے اس کی کھوج لگانا ضروری ہو گیا تھا...... اس نے لڑکی سے کہا۔

"میں پتہ لگانا چاہتا ہوں کہ یہاں فوج کس لئے رکھی گئی ہے اور کانٹے دار دیواروں کے اندر یہ فوجی کیا کر رہے ہیں"۔

لڑکی نے کہا۔

"ہم لوگ فوج کو تازہ دودھ اور تازہ مکھن سپلائی کرتے ہیں...... ہم نے کچھ گائیں پال رکھی ہیں...... ہمارا ایک آدمی روزانہ صبح کے وقت بیل گاڑی پر دودھ، مکھن لے کر جاتا ہے...... اور اس کی بیل گاڑی کو صرف کیمپ کے اندر لنگر تک جانے کی اجازت ہوتی ہے...... لانگری دودھ وغیرہ لے لیتا ہے اور ہمارا آدمی وہیں سے واپس آ جاتا ہے"۔

کچھ دیر کے بعد لڑکی کا باپ قبیلے کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ واپس آ گیا...... اس نے عمران سے کہا۔

"ہم نے بھارتی سپاہی کی لاش کو اس کی رائفل کے ساتھ ہی زمین میں گڑھا کھود کر دبا دیا ہے...... کسی کو پتہ نہیں چل سکے گا کہ وہ کہاں گم ہو گیا ہے"۔

یہ انہوں نے بڑا اچھا کیا تھا...... عمران نے لڑکی کے باپ سے کہہ دیا کہ اپنے فوجی

کی تلاش میں انڈین فوجی اس طرف ضرور آئیں گے...... جب وہ آئیں تو انہیں عمران کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

"اگر آپ لوگوں نے میرے بارے میں بتادیا تو بھارتی فوجی مجھے بھی گرفتار کرلیں گے اور آپ لوگوں کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

لڑکی کا باپ قبیلے کا سربراہ تھا...... وہ عمران کا زیر بار احسان تھا کہ عمران نے اس کی بیٹی کی عزت بچائی تھی...... وہ کہنے لگا۔

"ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی تمہارے بارے میں زبان نہیں کھولے گا...... میں انہیں حکم دے دوں گا...... یہ لوگ میرے حکم پر عمل کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں"۔

لڑکی کے باپ کی باتوں سے عمران نے اندازہ لگالیا تھا کہ یہ لوگ بھارتی فوجیوں سے نفرت کرتے تھے، کیونکہ اس سے پہلے بھارتی فوج کے ایک دو فوجی قبیلے کی لڑکیوں کی عزت برباد کرچکے تھے...... قبیلے کے لوگوں کی بھارتی فوجیوں سے دشمنی عمران کے حق میں جاتی تھی...... وہ ابھی ان کے درمیان رہنا چاہتا تھا...... وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اتنی دور ایک جزیرے میں بھارتی فوج نے کس غرض کے لئے کیمپ لگایا ہوا ہے...... اس کیمپ میں ضرور کوئی پراسرار کام ہورہا تھا، ورنہ صرف فوج کو مشق کرانے اور لیفٹ رائٹ کرانے کے لئے بھارتی ہائی کمانڈ کو اپنی ایک فوجی کمپنی اتنی دور سمندر کے ایک جزیرے میں بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی...... فوج کو ٹریننگ دینے اور قوائد کرنے کے لئے بھارت کے اپنے ملک میں بڑی جگہ تھی اور بڑے ٹریننگ سنٹر تھے۔

عمران صرف ان قبیلے والوں کی مدد سے ہی انڈین فوجی کیمپ کے اندر جاسکتا تھا...... اس کے لئے ان کی بھارتی فوج سے دشمنی کو استعمال کیا جاسکتا تھا...... کچھ ویسے بھی قبیلے کے لوگ عمران کی بڑی عزت کرنے لگے تھے کہ اس نے بڑی بہادری سے کام لے کر ان کے سربراہ کی بیٹی کی عزت بچائی تھی۔

اب ایسا ہوا کہ جب وہ فوجی سپاہی جس کو عمران نے ہلاک کیا تھا اور جزیرے کے قبیلے والوں نے جس کی لاش کو زمین میں دبادیا تھا اپنے کیمپ میں واپس نہ آیا تو اس کی تلاش شروع ہوگئی...... ایک فوجی پارٹی قبیلے والوں کے گاؤں میں بھی آگئی...... اس فوجی پارٹی کی آمد کی اطلاع قبیلے کے ایک آدمی نے پہلے ہی سردار کو دے دی...... عمران کو معلوم ہوا تو اس نے سردار سے کہا۔

"مجھے کسی جگہ چھپ جانا چاہئے...... آپ لوگ فوجی پارٹی کو میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں، وہ آپ سے فوجی کی گمشدگی کا پوچھیں تو یہی کہیں کہ کوئی فوجی اس طرف نہیں آیا"۔

قبیلے کے سردار اور لڑکی کے باپ نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو"۔

اس کے بعد اس نے گاؤں کے سارے آدمیوں کو جمع کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے محسن کے بارے میں فوجیوں کو کچھ نہیں بتائیں گے...... سب قبیلے والوں نے اپنی زبان میں لڑکی کے باپ اور قبیلے کے سردار کے سامنے سر جھکا کر کہا کہ وہ اپنے مہمان اور محسن کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لائیں گے...... لڑکی کے باپ نے سب کو وہاں سے چلے جانے اور اپنا اپنا کام کرنے کی ہدایت کی اور عمران سے کہا۔

میرے ساتھ آؤ۔

وہ عمران کو لے کر جھونپڑی نما مکانوں کے پیچھے آگیا...... یہاں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس کی ڈھال میں ایک جگہ قدرتی غار بنا ہوا تھا...... لڑکی کے باپ نے عمران کو اس غار میں چھپادیا اور کہا۔

"گھبرانا بالکل نہیں...... اس طرف کوئی بھارتی فوجی نہیں آئے گا"۔

وہ چلا گیا...... جانے سے پہلے غار کے منہ کے آگے جھاڑیوں کا ایک چھابہ سا رکھ

گیا جس سے غار باہر سے دکھائی نہیں دیتا تھا، لیکن اندر تازہ ہوا برابر آ رہی تھی...... عمران وہاں خاموش ہو کر بیٹھا رہا۔

کچھ دیر کے بعد اسے گاؤں کی جانب سے آدمیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں...... آوازیں ضرور اسے سنائی دے رہی تھیں مگر الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے...... وہ سمجھ گیا کہ اپنے سپاہی کی تلاش میں بھارتی فوجی پارٹی گاؤں میں آگئی ہے...... دیر تک وہاں آوازیں سنائی دیتی رہیں...... پھر خاموشی چھا گئی...... کوئی آدھ گھنٹے بعد لڑکی کا باپ اور قبیلے کا سردار اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”بھارتی فوجی آئے تھے...... کہہ رہے تھے کہ ان کا ایک لانس نائیک کہیں گم ہو گیا ہے...... اس طرف تو نہیں آیا؟ کسی نے اسے اس طرف آتے جاتے دیکھا تو نہیں؟ ہم نے کہا کہ اس طرف ہم نے کسی فوجی کو نہیں دیکھا...... اگر دیکھا ہوتا تو ہم آپ کو ضرور بتا دیتے...... بھارتی فوجی نے جو کیپٹن تھا کہا کہ ہم جھونپڑوں کی تلاشی لیں گے...... ہم کیسے انکار کر سکتے تھے...... ہم نے کہا...... ضرور تلاشی لیں...... ہم ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے...... وہ سات بھارتی فوجی تھے...... ہر ایک کے پاس ایک ایک رائفل تھی...... انہوں نے باری باری گاؤں کے تمام جھونپڑوں کی تلاشی لی...... گائیوں کے باڑے میں بھی جا کر دیکھا، مگر انہیں گم شدہ بھارتی سپاہی نہ ملا...... ان کے کیپٹن نے مجھے کہا کہ ہمارا انڈین آرمی کا ایک ایک سپاہی بڑا قیمتی ہے...... اگر تمہیں اس کا کوئی کھوج ملے تو ہمارے کیمپ میں آ کر کمانڈر صاحب کو فوراً خبر کرنا...... میں نے کہا...... ٹھیک ہے...... اس کے بعد وہ چلے گئے...... میرا خیال ہے کہ وہ اب نہیں آئیں گے“۔

عمران نے کہا۔

”وہ اپنا کوئی جاسوس پیچھے نہ چھوڑ گئے ہوں...... اس لئے میرا ابھی غار سے نکلنا مناسب نہیں ہے...... میں اندھیرا ہونے کے بعد یہاں سے نکلوں گا...... اتنی دیر میں

تم یہ پتہ کرو کہ گاؤں میں ادھر ادھر کوئی اجنبی چہرے والا آدمی تو چل پھر نہیں رہا...... یا کسی بھکاری کے بھیس میں یا کسی سادھو جوگی کے بھیس میں تو کسی جگہ دھونی جما کر نہیں بیٹھا ہوا...... اگر تمہیں اپنے علاقے میں کوئی ایسا آدمی دکھائی دے تو اسے کچھ نہ کہنا...... صرف آ کر خبر کر دینا“۔

لڑکی کے باپ نے کہا۔

”ٹھیک ہے...... ہم ایسا ہی کریں گے“۔

عمران سارا دن غار میں بند رہا...... دوپہر کو لڑکی آ کر اسے کھانا وغیرہ دے گئی...... شام ہو گئی تو لڑکی کا باپ خود آ گیا...... کہنے لگا۔

”ایک جوگی گاؤں سے تھوڑی دور ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔



عمران نے چونک کر کہا۔

"وہ بھارتی فوج کا جاسوس ہے...... اس سے خبردار رہنا، ہو سکتا ہے وہ رات کو تمہارے گاؤں میں تلاشی لینے کے لئے آئے...... تم لوگ اس سے خبردار رہنا...... میں ابھی اسی جگہ رہوں گا...... میرا گاؤں میں جاکر جھونپڑے مین رات گزارنا ہم سب کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"۔

لڑکی کے باپ کی سمجھ میں عمران کی بات آ گئی...... کہنے لگا۔

"تم جیسا کہہ رہے ہو ہم ویسے ہی کریں گے"۔

اس کے بعد وہ چلا گیا...... عمران سوچنے لگا کہ بھارتی کیمپ کمانڈر نے وہی کیا ہے جو اسے کرنا چاہئے تھا...... اس نے اپنا ایک جاسوس سادھو کے بھیس میں پیچھے چھوڑ دیا ہے...... عمران اس جاسوس کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا...... اسے اب انتظار کرنا تھا کہ یہ جاسوس سادھو کب گاؤں کے باہر سے واپس جاتا ہے...... اتنی دیر تک وہ غار میں ہی رہنا چاہتا تھا...... اس کی شکل وہاں اجنبی تھی...... وہ قبیلے کے لوگوں سے ہر لحاظ سے مختلف تھا...... اس کا لباس مختلف تھا...... اس کا رنگ قبیلے والوں کی طرح گہرا سانولا نہیں تھا بلکہ گورا تھا...... وہ صاف پہچانا جا سکتا تھا کہ وہ اس قبیلے کا آدمی نہیں ہے۔

رات کو قبیلے کا ایک آدمی اسے غار میں ہی کھانا وغیرہ دے گیا...... رات گزر گئی...... دوسرے دن ناشتہ لے کر لڑکی کا باپ خود آ گیا...... اس نے کہا۔

"بھارتی فوج کا جاسوس کل گاؤں کے دو تین چکر لگا گیا تھا...... وہ بھیک مانگتا ہوا آیا

تھا اور بڑی گہری نگاہوں سے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا"۔

عمران کہنے لگا۔

"میں نے اچھا کیا کہ گاؤں میں واپس نہیں گیا، ورنہ میرے ساتھ تم سب لوگوں پر بھاری مصیبت آ سکتی تھی...... بھارتی فوجی کمانڈو مجھے پکڑ کر لے جاتے اور اگرچہ میں نے انہیں گم شدہ سپاہی کے بارے میں کچھ نہیں بتانا تھا لیکن وہ تمہارے قبیلے کے سارے مردوں کو پکڑ کر کیمپ میں لے جاتے...... ان پر تشدد کرتے...... ہو سکتا ہے تشدد سے گھبرا کر کوئی آدمی یہ اعتراف کر لیتا کہ انہوں نے بھارتی فوجی کی لاش کو فلاں جگہ دفن کیا ہے...... اس کے بعد تم لوگوں کو ایک ایک کر کے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا اور تمہاری عورتوں کو بھارتی فوجی اٹھا کر لے جاتے اور گاؤں کو آگ لگا دیتے"۔

عمران لڑکی کے باپ کو جس قدر ڈرا سکتا تھا اس نے اسے ڈرایا...... یہ بات کسی حد تک صحیح بھی تھی...... لڑکی کا باپ بہت ڈر گیا...... کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو...... تمہارے بارے میں ہم کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیں گے"۔

عمران نے کہا۔

"جس وقت بھارتی جاسوس گاؤں سے چلا جائے تم مجھے آ کر خبر کر دینا...... میں گاؤں میں واپس آ جاؤں گا، اس کے بعد میں بھی تمہاری طرح گاؤں میں رہنے لگوں گا...... میں سارے کپڑے اتار کر تم لوگوں کی طرح جسم پر صرف ایک لہنگا پہن لوں گا اور ہاتھ میں نیزہ پکڑ لوں گا"۔

لڑکی کا باپ بولا۔

"تمہارا رنگ گورا ہے، مگر گھبراؤ نہیں...... ہم تمہارے جسم پر ایک درخت کی چھال کے رنگ کی مالش کر دیں گے...... تمہارے جسم کا رنگ بالکل ہماری طرح گہرا سانولا ہو جائے گا...... ہم تمہارے سر کے سارے بال کاٹ کر اپنے لوگوں کی طرح

کر دیں گے...... اس کے بعد تم جب تک چاہو ہمارے پاس رہ سکتے ہو...... اگر تم یہاں رہ کر بیاہ کرنا چاہو تو میں بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دوں گا"۔

عمران نے کوئی جواب نہ دیا...... لڑکی کا باپ کھانے کے برتن لے کر چلا گیا......

دوسری رات بھی عمران نے غار کے اندر ہی بسر کی...... اس کا اس جزیرے میں رہنا ضروری ہو گیا تھا...... ویسے بھی وہاں کوئی بحری جہاز نہیں آتا تھا جس پر سوار ہو کر عمران وہاں سے بھارت کے ہی کسی شہر کی طرف جا سکتا...... اسے ویسے بھی وہاں رہنا ہی تھا اور اب تو اسے ایک بہت بڑا جواز مل گیا تھا وہاں رہنے گا...... وہ پتہ لگانا چاہتا تھا کہ بھارتی فوج نے اس جزیرے میں کس غرض کے لئے کیمپ ڈال رکھا ہے اور کیمپ کے ارد گرد کانٹے دار تاروں کی دیوار بھی کھڑی کر رکھی ہے۔

عمران کو غار میں رہتے ہوئے تین دن گزر گئے...... وہ صرف رات کے وقت غار سے نکل کر ٹیلے کی دوسری جانب کچھ دیر کے لئے ٹہلتا...... اس کے بعد پھر غار میں واپس آ جاتا...... لڑکی کا باپ ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا...... شاید اس نے اپنے دل میں اپنی بیٹی کی شادی عمران کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، کیونکہ جب اس نے عمران سے اپنی بیٹی کی شادی کی بات کی تھی تو عمران نے آگے سے نہ ہاں کہی تھی نہ ناں کہی تھی...... قبیلے کے سردار یعنی لڑکی کے باپ کو عمران کی شکل میں ایک خوش شکل جوان اور بہادر داماد مل رہا تھا...... اسے اور کیا چاہیئے تھا، لیکن عمران کا اس طرف خیال تک نہیں جاتا تھا...... وہ اپنے مشن کے بارے میں ہی سوچتا رہتا تھا...... یہ مشن اس بات کی کھوج لگانا تھا کہ اس دور دراز جزیرے میں بھارت کی فوجی ہائی کمان نے اپنی فوج کی ایک کمپنی یا بریگیڈ کو کس لئے رکھا ہوا ہے، جبکہ اس طرف سے بھارت کو کوئی خطرہ بھی نہیں تھا...... یہ سارے جزیرے بھارت کے ملک کا حصہ تھے...... ان پر بھارت کی حکمرانی تھی...... یہی وہ معمہ تھا جس کو عمران نے حل کرنا تھا۔

جب عمران کو غار میں رہتے ہوئے چوتھا دن بھی گزر گیا تو پانچویں روز صبح کے

وقت لڑکی کا باپ یعنی قبیلے کا سردار عمران کے پاس آیا اور بولا۔

"جاسوس سادھو چلا گیا ہے...... وہ رات کو ہی چلا گیا تھا...... اب تم گاؤں میں آ سکتے ہو...... لیکن بہتر یہی ہو گا کہ تم قبیلے کے لوگوں کا حلیہ بنا کر گاؤں آؤ، کیونکہ اگر جاسوس سادھو پھر اچانک کسی وقت آ گیا تو وہ تمہیں شناخت نہ کر سکے گا، کیونکہ تمہارا حلیہ قبیلے کے دوسرے لوگوں کی طرح ہو گا"۔

لڑکی کے باپ کو قبیلے کے لوگ بھاتو کے نام سے پکارتے تھے...... یہ گاؤں کے قبیلے کا سردار بھی تھا...... اب ہم لڑکی کے باپ کو اسی نام سے یاد کریں گے...... بھاتو نے بالکل صحیح بات کی تھی...... عمران کو چونکہ ابھی اس گمنام جزیرے پر اس وقت تک رہنا تھا جب تک کہ جزیرے پر انڈین آرمی کی موجودگی کا معمہ حل نہیں ہو جاتا اس لئے وہ راضی ہو گیا...... اسی روز سردار بھاتو اپنے ساتھ ایک آدمی لایا جس نے عمران کے سارے جسم پر کسی درخت کی چھال کے نسواری رنگ روغن کی مالش کر دی...... یہ رنگ اس کے جسم کے مساموں میں گھس گیا اور عمران کے جسم کا رنگ گہرا سانولا ہو گیا، جس طرح کہ قبیلے کے دوسرے لوگوں کا تھا...... اس کے بعد اس کے سارے انگریزی فیشن کے کپڑے اتار کر اسے گھٹنوں تک ایک لہنگا پہنا دیا گیا...... سر پر سیمرغ کے دو پروں والی پٹی باندھ دی گئی...... باقی سارا جسم ننگا ہی رہنے دیا...... اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ دے دیا گیا...... جب عمران بالکل تیار ہو گیا تو سردار بھاتو نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب تم میں اور قبیلے کے دوسرے آدمیوں کے حلیے میں کوئی فرق نہیں ہے...... اب تم میرے ساتھ گاؤں آ سکتے ہو"۔

اور عمران بھاتو کے ساتھ گاؤں میں آ گیا...... سردار نے قبیلے کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے کہا۔

"یہ نوجوان اب ہمارے قبیلے کا ایک فرد بن گیا ہے...... اس کا نام میں نے آمو رکھا ہے...... اس کے ساتھ میں نے اپنی بیٹی ساکشی کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا

ہے...... بہت جلد یہ شادی بڑی دھوم دھام سے کی جائے گی...... آمو میرے باپ کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے...... یہ شہر میں پڑھا ہے، مگر اب یہ شہر چھوڑ کر ہمارے پاس رہنے کے لئے آ گیا ہے...... تم لوگ جس طرح میری عزت کرتے ہو اس کی بھی عزت کرو گے، کیونکہ میری موت کے بعد یہی تمہارا سردار ہوگا"۔

قبیلے کے کل ساٹھ ستر کے قریب مرد تھے...... باقی ان کی عورتیں اور بچے تھے...... لوگوں نے کسی دیوتا کا نام لے کر نعرے بلند کئے اور اپنی خوشی کا اظہار کیا...... قبیلے کے سردار کی لڑکی ساکشی بھی وہاں موجود تھی...... سردار بھاتو نے کہا۔

"دیوتاؤں کی رسم کے مطابق میری بیٹی ساکشی اپنے ہونے والے دولہا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس بات کا اعلان کرے گی کہ اس نے آمو کو بطور اپنے جیون ساتھی کے قبول کر لیا ہے"۔

سردار کی بیٹی ساکشی شرماتی ہوئی آگے بڑھ کر کمانڈو عمران کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا...... اس کے ساتھ ہی قبیلے کے لوگوں نے نعرے لگا کر اور نیزے ہوا میں لہرا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا...... سردار نے کہا۔

"اس خوشی میں دعوت شروع کی جاتی ہے"۔

وہاں پھل، بھنی ہوئی مچھلیاں اور ابلے ہوئے موٹے چاول مٹی کے برتنوں اور کیلے کے چوڑے پتوں میں پڑے تھے...... سب لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے...... کمانڈو عمران کو سردار نے کہا۔

"آمو! تم بھی دعوت میں شریک ہو جاؤ...... تم خاموش کیوں کھڑے ہو...... کیا تمہیں یہ شادی قبول نہیں؟"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"کیوں نہیں سردار بھاتو...... مجھے تو یہ شادی دل و جان سے قبول ہے"۔

ساکشی عمران کے ساتھ لگ گئی...... کمانڈو عمران کو یہ سب کچھ کسی فلم کے سین

کی طرح لگ رہا تھا...... وہ ایک فرضی کردار ادا کر رہا تھا، جس کا نام آمو تھا اور جو ایک ویران جزیرے کے سردار کی بیٹی ساکشی سے بیاہ کرنے والا تھا...... اس کے لئے جزیرے پر ہر حالت میں اس وقت تک رہنا ضروری تھا جب تک کہ اسے یہ پتہ نہیں چل جاتا کہ وہاں انڈین آرمی نے کس غرض کے پیش نظر چھاؤنی ڈال رکھی ہے...... سردار کی بیٹی ساکشی بڑی خوش تھی کہ اسے ایک خوبصورت اور بہادر خاوند مل گیا ہے...... کمانڈو عمران نے بھی ان لوگوں کو یہی یقین دلایا تھا کہ اب وہ ان لوگوں کے پاس ہی باقی زندگی گزارے گا...... اسے ان لوگوں کا سادہ اور نیچرل طرز زندگی بہت اچھا لگتا ہے اور اب وہ کبھی شہر کی مصنوعی زندگی کی طرف واپس نہیں جائے گا...... کمانڈو عمران نے یہ سب جھوٹ بولا تھا، مگر یہ جھوٹ بھی بہت ضروری تھا اور اس کے مشن کا حصہ تھا۔

سردار بھاتو نے اعلان کر دیا کہ اگلے ماہ چاند کی پہلی تاریخ کو وہ اپنی بیٹی ساکشی کا بیاہ اپنے بعد سردار بننے والے بہادر نوجوان آمو کے ساتھ کر دے گا۔

پندرہ بیس دن گزر گئے...... اس دوران صرف ایک بار انڈین ملٹری انٹیلی جنس کا سادھو گاؤں میں بھیک مانگتے دیکھا گیا...... وہ یہ تصدیق کرنے آیا تھا کہ گاؤں میں کوئی اجنبی شخص تو موجود نہیں ہے، کیونکہ وہاں پر مقیم بھارتی فوجی یونٹ کا ایک سپاہی غائب ہو گیا تھا جس کا ابھی تک سراغ نہیں مل رہا تھا...... بھارتی فوج کے یونٹ کمانڈر کو شک تھا کہ ان کے سپاہی کو گاؤں کے کسی آدمی نے ہلاک کر کے غائب کر دیا ہے...... اسی وجہ سے انٹیلی جنس نے اپنا ایک آدمی سادھو کے بھیس میں گاؤں میں بھیجا تھا...... گاؤں میں وقفوں وقفوں سے تین چار چکر لگانے کے بعد انٹیلی جنس کے سادھو کو وہاں کوئی اجنبی شخص نظر نہ آیا تو اس نے یونٹ کمانڈر کو جا کر رپورٹ کر دی کہ اپنے فوجی جوان کو گاؤں کے کسی آدمی نے قتل نہیں کیا...... خیال ہے کہ اسے کوئی درندہ اٹھا کر جنگل میں لے گیا ہوگا اور وہیں اسے ہڑپ کر گیا ہوگا۔

جب گاؤں میں ملٹری انٹیلی جنس کے سادھو نے آنا جانا ترک کر دیا تو عمران نے بھی اپنے مشن کے بارے میں پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے...... اس نے اپنے ہونے والے خسر سردار بھاتو کو اس بات کا قائل کر لیا تھا کہ جزیرے میں مقیم انڈین ملٹری کے بارے میں یہ کھوج لگانی بہت ضروری ہے کہ وہ اس جزیرے میں کس لئے تعینات ہیں...... اس نے سردار بھاتو کو یہ کہہ کر بھی ڈرا دیا کہ ہو سکتا ہے بھارتی حکومت اپنی فوج کے ساتھ مل کر جزیرے پر کسی ایٹمی دھماکے کی تیاریاں کر رہی ہو۔

"سردار! اگر اس جزیرے کے آس پاس سمندر میں کسی جگہ بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو اس جزیرے میں ایٹمی تابکاری پھیل جائے گی اور جزیرے کے سارے مرد عورتیں اور بچے اور جانور اذیت ناک موت مر جائیں گے"۔

سردار بھاتو ڈر گیا تھا اور اس نے عمران کو کہہ دیا تھا کہ وہ کسی طریقے سے پتہ لگائے گا انڈین آرمی جزیرے میں کیا کر رہی ہے...... سردار نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں تمہاری جو مدد ہو سکی کروں گا...... یہ ہم سب کی زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا ہے"۔

عمران نے سردار سے کہا۔

"اس کے لئے مجھے کسی طریقے سے بھارتی فوجی چھاؤنی کے اندر جانا ہوگا، اور یہ دیکھنا ہوگا کہ فوجی وہاں کیا کر رہے ہیں اور کیا انڈیا نے وہاں کوئی ایٹمی پلانٹ تو نہیں لگا رکھا"۔

سردار بولا۔

"آمو! یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے اور اس کی کھوج صرف تم ہی لگا سکتے ہو، کیونکہ تم پڑھے لکھے نوجوان ہو اور سب کچھ سمجھتے ہو...... تم جو کہو گے میں تمہارے لئے کروں گا"۔

عمران نے کہا۔

"فوجی کیمپ میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہفتے میں دو تین بار

گاؤں سے جو بیل گاڑی فوجیوں کے لئے سبزی، ترکاری اور تازہ مکھن وغیرہ لے کر جاتی ہے میں کسی طرح اس بیل گاڑی کے ساتھ کیمپ میں چلا جاؤں اور اپنی آنکھوں سے خود دیکھوں کہ کیمپ کے اندر کیا ہو رہا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"یہ کوئی مشکل نہیں ہے...... جزیرے کے فوجی کیمپ میں میں ہی فوج کو دودھ، مکھن اور تازہ سبزیاں وغیرہ سپلائی کرتا ہوں...... میرے دو آدمی بیل گاڑی میں یہ چیزیں لے کر کیمپ میں جاتے ہیں...... اگرچہ انہیں کیمپ کے لنگر خانے سے کہیں ادھر ادھر جانے کی اجازت نہیں ہوتی، لیکن اگر تم بیل گاڑی کے ساتھ چلے جاؤ تو کیمپ کے لنگر کے قریب رہ کر بھی اندازہ لگا سکتے ہو اور بہت کچھ دیکھ سکتے ہو"۔

عمران بولا۔

"کیوں نہیں، مگر سردار کیمپ کے پہرے دار فوجی بیل گاڑی لے جانے والے آدمیوں کو تو پہچانتے ہوں گے...... کسی دوسرے آدمی کی جگہ میں بیل گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا تو انہیں شک پڑ جائے گا کہ یہ اجنبی آدمی کیوں اور کہاں سے آ گیا ہے"۔

سردار نے کہا۔

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے...... وہاں اس قسم کے حالات نہیں ہیں...... ہمارے جو دو آدمی راشن سپلائی کرنے والی بیل گاڑی لے کر کیمپ میں جاتے ہیں وہ آدمی ہفتے دس دن کے بعد بدل دیئے جاتے ہیں، بلکہ خود کیمپ کمانڈر کا حکم ہے کہ ایک ہفتے بعد آدمیوں کی بدلی کر دی جائے...... اس لئے اگلے ہفتے جن آدمیوں کو بدل کر بھیجا جائے گا ان میں ایک تم بھی ہو گے"۔

دوسرے ہفتے جو دو آدمی دودھ، مکھن اور سبزی ترکاری کی تازہ سپلائی والی بیل گاڑی لے کر فوجی کیمپ کی طرف چلے ان میں ایک کمانڈو عمران تھا اور ایک دوسرا آدمی تھا...... عمران تھوڑی تھوڑی قبیلے کے لوگوں کی زبان سمجھنے لگا تھا...... باقی وہ اپنا مفہوم

اشاروں سے سمجھا دیتا تھا۔

بیل گاڑی دوسرا آدمی چلا رہا تھا..... کمانڈو عمران قبیلے کے عام آدمیوں کے حلیے میں سبزی ترکاریوں کے بڑے ٹوکروں کے درمیان بیل گاڑی میں بیٹھا تھا..... بیل گاڑی معمول کے راستے پر سست رفتار کے ساتھ چلی جا رہی تھی..... گاڑی کے آگے صرف ایک بیل جتا ہوا تھا..... قبیلے کے سردار بھاتو نے کمانڈو عمران کو تاکید کر دی تھی کہ وہ کیمپ میں جا کر اپنے آپ کو گونگا ظاہر کرے..... یہ بات اس نے عمران کے ساتھ جانے والے دوسرے آدمی کو بھی سمجھا دی تھی..... یہ احتیاط اس لئے برتی گئی تھی کہ کمانڈو عمران ان لوگوں کی زبان نہیں بول سکتا تھا..... اس سے فوجیوں کو اس پر شک پڑ سکتا تھا کہ یہ اجنبی آدمی کہاں سے آ گیا ہے..... راستے میں عمران اپنے ساتھی سے تھوڑی باتیں کرتا رہا تاکہ اس کی زبان درست ہو جائے اور ان کی بولی اچھی طرح سے سمجھنے لگے..... کیمپ کا گیٹ دور سے نظر آیا تو اس کے ساتھی نے اشارے سے عمران کو منع کر دیا کہ وہ اب نہ بولے اور گونگا بن جائے..... کیمپ کا گیٹ لکڑی اور بانس کے ڈنڈے لگا کر بنایا گیا تھا..... گیٹ کی دونوں جانب خاردار تار والی اونچی دیوار مشرق اور مغرب کی سمت چلی گئی تھی..... کیمپ کے گیٹ پر لکڑی کے تختے جوڑ کر ایک گارڈ روم بنایا گیا تھا جہاں ایک فوجی سنتری رائفل لئے کھڑا تھا..... بیل گاڑی کو آتے دیکھ کر وہ گیٹ کے پاس آ گیا۔

بیل گاڑی گیٹ کے باہر ہی کھڑی ہو گئی..... فوجی سنتری نے ایک نظر دونوں آدمیوں یعنی عمران اور اس کے ساتھی کو دیکھا..... پھر گاڑی کی مختصر سی تلاشی لی..... سبزی ترکاری کے ٹوکروں اور دودھ کے بڑے برتنوں کو اوپر نیچے دیکھا اور آدھا گیٹ کھول دیا..... بیل گاڑی کیمپ میں داخل ہو گئی..... عمران نے فوجی سنتری کی وردی اور اس کے کندھے کو غور سے دیکھا..... سنتری کی وردی انڈیا کی فوج کی سبز وردی تھی اور سنتری کے کندھے پر لانس نائیک کا نشان تھا..... کسی جگہ بھی وہاں رجمنٹ کا نام نہیں

لکھا ہوا تھا..... بیل گاڑی ناریل کے درختوں کے درمیان بنائی ہوئی چھوٹی سی سڑک پر چلی جا رہی تھی..... عمران خاموشی سے ایک ایک چیز کا مشاہدہ کر رہا تھا..... کیونکہ ابھی تک اسے وہاں کسی جگہ مشین گن کا مورچہ دکھائی نہیں دیا تھا..... اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ کیمپ کمانڈر اس خیال سے مطمئن تھا کہ وہ ملک سے دور ایک جزیرے میں ہے اور وہاں کسی تخریب کار کے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا..... اسے کیا خبر تھی کہ اس کے سر پر کمانڈو عمران کی شکل میں قیامت منڈلانے لگی ہے۔

چھوٹی سڑک ایک طرف کو گھومی تو سامنے کھلی جگہ آ گئی جہاں ایک جانب فوجی بارکیں بنی ہوئی تھیں..... دوسری جانب بھی بارکیں تھیں..... کچھ فوجی ادھر ادھر چلتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے..... دو سنتری ایک بارک کے بند دروازے کے باہر پہرے پر کھڑے تھے..... شاید ان بارکوں میں اسلحہ وغیرہ کا ذخیرہ تھا..... بیل گاڑی کیمپ کے لنگر خانے یعنی بڑے کچن کے پاس ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی..... طے شدہ پروگرام کے مطابق عمران اور دوسرا آدمی گاڑی سے اتر کر سبزیوں کے ٹوکرے اٹھا اٹھا کر لنگر خانے کے برآمدے میں رکھنے لگے..... دو لانگری بھی وہاں آ گئے اور عمران کے ساتھی سے ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں باتیں کرنے لگے..... پھر ان میں سے ایک فوجی نے عمران کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"تم کون ہو جوان..... تم کو پہلے نہیں دیکھا"۔

عمران احمقوں کی طرح ہنس پڑا اور گونگوں کی طرح غوں غاں شروع کر دی..... دوسرے آدمی نے فوجیوں کو بتایا کہ یہ سردار کا بھانجہ ہے اور گونگا ہے..... دوسرے جزیرے سے رات کو ہی آیا ہے..... اب یہ ہمارے ساتھ ہی کام کرے گا..... ایک لانگری نے عمران کو بڑا فحش مذاق کیا..... عمران بے وقوفوں کی طرح بس اسے دیکھتا ہی رہا..... اس نے آگے سے کسی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کیا اور اپنے ساتھی کے ساتھ مل کر دودھ کے برتن کچن میں رکھوانے لگا۔

دونوں لانگری اب کچن میں آ گئے تھے...... عمران دوسرا پھیرا لگانے کے بعد طے شدہ منصوبے کے مطابق بیل گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا...... اس کی تیز عقابی نگاہیں کیمپ کی ایک ایک بارک کا جائزہ لے رہی تھیں...... بارکوں کے درمیان ایک لکڑی کے کمرے کے باہر ایک فوجی پہرے پر کھڑا تھا...... یہ شاید کیمپ کمانڈر کا آفس تھا...... اچانک عمران کی نظر ایک طرف گئی تو اس نے دو فوجی جوانوں کو دیکھا جو ایک رولر پر سٹین لیس سٹیل کی چمکیلی مشین سی رکھے اسے کمانڈر کے آفس کی بغلی دیوار کی طرف لے جا رہے تھے...... ان کے ساتھ ایک سفید لمبے کوٹ والا آدمی بھی تھا...... اس سفید لمبے کوٹ والے آدمی کو دیکھ کر عمران کا ماتھا ٹھنکا...... یہ سائنس دان ہی ہو سکتا تھا...... کمانڈر آفس کی دیوار کے ساتھ ایک راستہ نیچے زمین دوز جاتا تھا...... دونوں فوجی جوان چمکتی ہوئی گیند نما چھوٹی سی مشین کو رولر کے ذریعے کھینچتے زمین دوز راستے پر سے گزار کر زمین کے اندر چلے گئے...... سفید کوٹ والا سائنس دان بھی اس کے ساتھ ہی نیچے اتر گیا...... نیچے یقینی طور پر کوئی تہہ خانہ تھا جہاں کسی پراسرار منصوبے پر کام ہو رہا تھا۔

یہ کسی بہت بڑے فوجی راز کا معمولی سا سراغ تھا...... عمران سمجھ گیا کہ جو کچھ ہے زمین کے نیچے ہی ہے اور زمین کے نیچے ہی کسی بہت بڑے پراجیکٹ پر کام ہو رہا ہے...... اسے اس تہہ خانے میں جا کر کھوج لگانا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے...... یہی وہ خفیہ پراجیکٹ تھا جس کی خاطر بھارت کی فوجی ہائی کمان نے اس دور دراز جزیرے میں آ کر کیمپ لگوایا تھا اور اسی پراجیکٹ کی حفاظت کی خاطر کیمپ کے ارد گرد نوکیلے تاروں سے اونچی خاردار دیوار بنائی گئی تھی اور سیکورٹی کا اتنا زیادہ انتظام کیا گیا تھا...... اتنے میں بیل گاڑی کا سارا سامان لنگر خانے کے اندر رکھوا دیا گیا...... بیل گاڑی خالی ہو گئی تو عمران کا ساتھی گاڑی پر آ کر بیٹھ گیا...... اس نے بیل کو پیچھے کی طرف گھمایا اور واپس چل پڑا...... عمران کو اتنی کامیابی ضرور ہوئی تھی کہ اسے کسی خفیہ منصوبے کا ابتدائی سراغ مل گیا تھا...... اس زمین دوز تہہ خانے میں کس قسم کا منصوبہ زیر تکمیل تھا؟ اس فوجی

منصوبے کی نوعیت کیا تھی؟ اور وہاں کتنے سائنس دان کام کر رہے تھے؟ یہ وہ سوال تھے جن کے جواب کمانڈر عمران حاصل کرنا چاہتا تھا اور یہی اب اس کا مشن بن گیا تھا...... وہ ان سوالوں کے جواب حاصل کئے بغیر اور بھارتی فوجی ہائی کمان کے اس پراسرار منصوبے کا پورا سراغ لگائے بغیر اس جزیرے سے واپس نہیں جا سکتا تھا۔

واپس گاؤں میں آ کر اس سے سردار بھاتو نے پوچھا کہ کیا اسے فوجی کیمپ میں کوئی ایسی غیر معمولی شے نظر آئی کہ جو اس گاؤں کی تباہی کا باعث ہو سکتی ہو...... کمانڈو عمران سردار بھاتو کو اس لئے بھی زیادہ ڈرانا چاہتا تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں زیادہ سے زیادہ اس کی مدد کرے اور مکمل رازداری سے کام لے...... صرف اسی صورت میں قبیلے کا سردار اس کے ساتھ بھرپور تعاون کر سکتا تھا...... کمانڈو عمران سردار بھاتو کو لے کر ایک طرف بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔

”میرا شک صحیح نکلا ہے سردار...... اس فوجی کیمپ میں بھارتی فوجی ایک بہت بڑا ایٹمی دھماکہ کرنے کے منصوبے پر کام کر رہے ہیں“ یہ دھماکہ زمین کے اندر کیا جائے گا، جس وقت یہ خفیہ دھماکہ کیا جائے گا تو اس وقت جزیرے سے ساری بھارتی فوج جا چکی ہو“۔

سردار نے فکر مند ہو کر پوچھا۔

”اس دھماکے کا کیا اثر ہو گا؟ وہ تو زمین کے اندر کیا جائے گا...... کیا اس کا اثر زمین کے باہر بھی پڑے گا؟“۔

عمران نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”یہی بھارتی فوجی دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس ایٹمی دھماکے کا زمین کے اوپر کیا اثر ہو گا...... اس مقصد کے لئے وہ خود تو جزیرے کو چھوڑ کر چلے جائیں گے لیکن اس گاؤں کے لوگوں یعنی آپ لوگوں کو یہ نہیں کہیں گے کہ ہم زمین کے اندر دھماکہ کرنے والے ہیں، اس لئے آپ لوگ جزیرے کو چھوڑ کر کسی دوسرے جزیرے میں چلے جاؤ“۔

''کیوں؟'' سردار نے پوچھا...... ''وہ ایسا کیوں کریں گے؟''۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

''وہ آپ لوگوں کو اس طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں جس طرح کوئی نئی دوا چوہوں پر آزمائی جاتی ہے...... اگر اس دوائی سے چوہوں پر برا اثر پڑے یا چوہے مر جائیں تو اس دوائی کو انسانوں کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا...... اسی طرح وہ آپ لوگوں کو گاؤں میں ہی رکھ کر یہ تجربہ کریں گے کہ زیر زمین ایٹمی دھماکے کا زمین کے اوپر رہنے والے انسانوں پر کیا اثر ہوتا ہے''۔

سردار بھاتو نے کچھ خوف زدہ ہو کر کہا۔

''تمہارے خیال میں زمین کے اندر کئے جانے والے دھماکے کا زمین کے اوپر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟''۔

عمران نے کہا۔

''دھماکے کے بعد ایٹمی شعاعیں زمین کے اندر سے نکل کر باہر جزیرے پر بھی آجائیں گی اور اس کا بڑا خطرناک اثر بھی ہو سکتا ہے...... زمین کے اوپر سارے درخت ایک دم سوکھ جائیں...... ندی کا پانی زہر آلود ہو جائے اور انسانوں کے جسم پر آبلے پڑ جائیں، یا ان کی کھال اپنے آپ ادھڑنی شروع ہو جائے...... ایسا نہیں بھی ہو سکتا...... بس کہ فوجی ہائی کمان یہی دیکھنا چاہتی ہے کہ دھماکے کے بعد ایٹمی تابکاری کا اثر زمین کے اوپر کسی مخلوق پر کیا ہوتا ہے...... وہ ایک طرح سے ہمیں چوہوں کی طرح استعمال کرنا چاہتی ہے''۔

سردار بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا تھا...... کہنے لگا۔

''اگر یہ بات ہے تو ہم راتوں رات یہاں سے نکل کر کسی دوسرے جزیرے پر چلے جاتے ہیں''۔

کمانڈو عمران یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ جزیرے سے چلے جائیں، کیونکہ ان

لوگوں کے تعاون ہی سے وہ بھارتی فوجی ہائی کمان کے خفیہ منصوبے کا سراغ لگا سکتا تھا...... اگر گاؤں کے لوگ چلے جاتے ہیں تو وہ وہاں اکیلا رہ کر کچھ نہیں کر سکتا تھا......

اس نے فوراً سردار سے کہا۔

''ابھی ہمیں جزیرہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ابھی یہ لوگ کم از کم دو مہینے تک دھماکہ نہیں کریں گے...... میں ان کی سراغ رسانی کرتا رہوں گا...... جب انہوں نے دھماکے کی تیاریاں شروع کیں ہمیں پتہ چل جائے گا...... سب سے پہلے یہ لوگ خود یہاں سے سمندری جہاز میں بیٹھ کر چلے جائیں گے...... جس وقت فوجیوں نے یہاں سے نکلنا شروع کیا سمجھ لینا کہ یہ دھماکہ کرنے والے ہیں...... اس کے ساتھ ہی ہم لوگ بھی رات کے اندھیرے میں یہ جزیرہ چھوڑ کر دوسرے جزیرے میں چلے جائیں گے...... ابھی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تک بھارتی فوجی یہاں پر ہیں...... یہ لوگ دھماکہ نہیں کر سکتے''۔

یہ بات سردار بھاتو کی سمجھ میں آگئی...... کہنے لگا۔

''اب ہم بے فکر ہو کر یہاں رہ لیں گے...... جس روز یہاں کے فوجیوں نے نکلنا شروع کیا اسی روز رات کو ہم خاموشی سے کشتیوں میں بیٹھ کر دوسرے جزیرے میں چلے جائیں گے جو یہاں سے کافی دور ہے...... یہ لوگ ہمیں وہاں تلاش نہیں کر سکیں گے''۔

سردار بھاتو کی طرف سے کمانڈو عمران مطمئن ہو گیا...... اب وہ سکون کے ساتھ بھارتی فوجی ہائی کمانڈ کے پراسرار منصوبے کی سراغ رسانی کر سکتا تھا، لیکن ایک طرح سے وہ بالکل بے بس تھا...... اس کے پاس سوائے ایک بھرے ہوئے پستول کے اور کچھ بھی نہیں تھا...... اس کے پاس کوئی ایسا دھماکہ خیز مواد بھی نہیں تھا کہ جسے وہ کسی طریقے سے فوجی کیمپ کے زیر زمین تہہ خانے میں لگا کر اسے دھماکے سے اڑا سکتا...... بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ فوجی کیمپ کے تہہ خانے میں جاسوسی کرنے کس

طرح جاسکے گا...... وہ اکیلا تھا اور اس کے پاس کوئی وسیلہ نہیں تھا...... صرف وہاں کے قبیلے کے لوگوں کا حلیہ بنالینے سے کچھ نہیں ہوسکتا تھا...... اگر کچھ ہوسکتا تھا تو یہی ہوسکتا تھا کہ وہ سبزی ترکاری کی سپلائی لے کر فوجی کیمپ میں جائے اور دور سے تہہ خانے میں جانے والے راستے کا مشاہدہ کرسکے کہ اندر کون جاتا ہے اور کون باہر آتا ہے...... یہ کوئی بات نہیں تھی...... اصل میں ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ کسی طریقے سے تہہ خانے میں جائے اور معلوم کرے کہ وہاں کیا ہورہا ہے...... ظاہر ہے وہاں کسی مہلک فوجی مواد یا ہتھیار کی تیاری ہورہی تھی اور یہ مہلک جنگی مواد یا ہتھیار پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے تیار کیا جارہا تھا۔

تین دن کے بعد عمران پھر اپنے ساتھی کے ہمراہ بیل گاڑی میں بیٹھ کر فوجی کیمپ کی سپلائی لے کر گیا...... لنگر خانے میں سبزیوں، ترکاریوں کے ٹوکرے اتارتے ہوئے اس نے بار بار کمانڈر کے آفس کے پہلو میں واقع اس دروازے کو دیکھا جہاں سے زیر زمین تہہ خانے کو سیڑھیاں اترتی تھیں...... وہاں کسی قسم کی کوئی نقل و حرکت نہیں تھی...... صرف ایک فوجی رائفل سنبھالے پہرے پر کھڑا تھا...... کمانڈو عمران دور سے اسے تکتا رہا...... وہ اس کے قریب نہیں جاسکتا تھا...... اس طرف ایک قدم بھی جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی...... اتنے میں سبزیوں کے ٹوکرے خالی کرکے بیل گاڑی میں رکھ دیئے گئے اور وہ بیل گاڑی میں بیٹھ کر جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے واپس چل پڑے۔

اس قسم کی بے بسی اور مجبوری کا کمانڈو عمران کو پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا...... اسے ایسے محسوس ہورہا تھا کہ وہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر آگیا ہے جہاں اس کے سامنے پتھر کی دیوار کھڑی ہے اور وہ آگے نہیں جاسکتا...... صرف واپس آسکتا ہے اور عمران واپس نہیں آنا چاہتا تھا...... آگے بڑھنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا...... اتنا اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس فوجی کیمپ کے زیر زمین تہہ خانے میں پاکستان کے خلاف

کوئی مہلک ہتھیار تیار کیا جا رہا ہے اور یہ اس قدر حساس اور تباہ کن ہتھیار ہے کہ اس کی تیاری بھارت کے کسی شہر کی بجائے ایک دور دراز جزیرے کی فوجی لیبارٹری میں ہو رہی ہے...... بھارت ایٹمی طاقت بن چکا تھا...... وہ جنگ کی صورت میں پاکستان کے کسی شہر پر ایٹم بم تو نہیں گرا سکتا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے پاکستان پر ایٹم بم گرایا تو پاکستان بھی دلی پر ایٹم بم گرا دے گا...... اب بھارت کی فوجی ہائی کمانڈ اس کوشش میں تھی کہ ایٹمی توانائی کی مدد سے کوئی ایسی خطرناک چیز تیار کی جائے جو چھوٹے سے چھوٹے بم کی شکل میں ہو اور جس کے پھٹنے سے زبردست تباہی ہو لیکن ہزار تحقیق کے باوجود ماہر سے ماہر سائنس دان یہ معلوم نہ کر سکے کہ اس مہلک ہتھیار میں ایٹمی جوہر استعمال کیا گیا ہے تاکہ بھارت ایٹم بم چلانے کے الزام سے بچا رہے......

کمانڈو عمران کو یقین تھا کہ اس بھارتی فوجی کیمپ کی آرسنل لیبارٹری میں وارہیڈ قسم کا کوئی انتہائی تباہ کن جوہری بم تیار کیا جا رہا ہے، جو دیکھنے میں چاول کے دانے کے سائز کا ہو گا، لیکن جب اسے عام روایتی میزائل کے آگے لگا کر فائر کیا جائے گا تو وہ ٹارگٹ پر پھٹنے کے بعد ایک ہزار دستی بموں کے برابر تباہی مچائے گا...... ضابطہ جنگ کی رو سے یہ ایک انتہائی کمینی حرکت تھی، مگر بھارت سے اس قسم کی حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔

سب سے پہلے کمانڈو عمران کو اس منصوبے کی تصدیق کی ضرورت تھی...... یعنی اسے اس بات کا یقینی ثبوت مل جانا چاہئے تھا کہ کیمپ کے زمین دوز تہہ خانے یا لیبارٹری میں اسی قسم کا چھوٹے سے چھوٹا جوہری بم تیار کیا جا رہا ہے...... اس کے بعد اسے زیر زمین لیبارٹری کو تباہ و برباد کرنے کی منصوبہ بندی کرنی تھی...... کمال کی بات یہ تھی کہ کمانڈو عمران کے پاس ٹائم بم تو بڑی دور کی بات ہے ایک عام پٹاخہ بھی نہیں تھا...... اتنی بے بسی کی حالت اس کی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی...... اس نے جس ٹارگٹ کو مارنا تھا اس تک پہنچنے کا بھی اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

وہ اسی الجھن میں جزیرے میں اکیلا ادھر ادھر نکل جاتا اور کسی جگہ بیٹھ کر سوچنے

لگتا کہ اسے کیا کرنا چاہئے اور وہ کیا کر سکتا ہے...... کوئی غیبی امداد ہی اس کا مسئلہ حل کر سکتی تھی اور آخر یہ غیبی امداد اس کو مل گئی...... ایک دن وہ اپنے خیالات میں الجھا ہوا ٹہلتا ٹہلتا جزیرے کے اس جانب نکل گیا جہاں فوجی کیمپ کی خاردار دیوار سوڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر تھی...... اس طرف بڑے بڑے درخت تھے اور سمندر کا کنارا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا...... وہ ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی...... یہ آواز درختوں کے پیچھے سے آ رہی تھی اور قریب ہوتی جا رہی تھی...... یہ آدمی انگریزی اور اردو میں باتیں کر رہے تھے۔

عمران سمجھ گیا کہ یہ فوجی کیمپ کے پڑھے لکھے آدمی ہیں اور پڑھے لکھے آدمی وہاں سائنس دان یا فوجی آفیسر ہی تھے...... باقی سارے عام سپاہی تھے...... عمران درخت کی اوٹ سے نکل کر جھاڑیوں کے پیچھے ہو گیا۔ جس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں اس طرف دیکھنے لگا...... اسے دو آدمی نظر آئے جنہوں نے ڈاکٹروں اور سائنس دانوں والے کپڑے کے سفید لمبے کوٹ پہن رکھے تھے...... دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک چھڑی تھی اور وہ آرام آرام سے ٹہلتے چلے آ رہے تھے...... وہ اسی طرف آ رہے تھے جہاں عمران جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا...... عمران فوراً سمجھ گیا کہ یہ فوجی کیمپ کی لیبارٹری کے سائنس دان ہیں...... جب وہ ذرا قریب آئے تو عمران نے دیکھا کہ دونوں بوڑھے آدمی تھے...... آنکھوں پر نظر کی عینکیں لگی تھیں اور چھڑی ہاتھ میں لئے آرام آرام سے چہل قدمی کر رہے تھے...... وہ انگریزی میں بات چیت کر رہے تھے...... جب وہ عمران کے قریب سے گزرے تو ان میں سے ایک سائنس دان دوسرے کو کہہ رہا تھا...... وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ کلکتہ ہیڈ آفس کی جانب سے ہماری نگرانی کے لئے مسٹر داس گپتا نام کا ایک ملٹری انٹیلی جنس آفیسر کیوں بھیجا جا رہا ہے"۔

دوسرے سائنس دان نے کہا۔

"میرا خیال ہے چونکہ یہ ٹاپ سیکرٹ پراجیکٹ ہے اس لئے فوج زیادہ سے زیادہ سیکیورٹی سے کام لے رہی ہے...... میرا خیال ہے یہاں تھوڑی دیر بیٹھا جائے...... بڑی خوشگوار تازہ ہوا چل رہی ہے"۔

دوسرے بوڑھے سائنس دان نے انگریزی میں کہا۔

"ہاں...... یہاں بیٹھ جاتے ہیں...... تہہ خانے کے مقابلے میں یہاں ہوا بڑی تازہ ہے"۔

اور وہ دونوں ایک گنجان درخت کے نیچے بیٹھ گئے...... کمانڈو عمران وہیں جھاڑیوں کی آڑ لے کر چھپا رہا...... یہاں وہ دونوں سائنس دانوں کو دیکھ بھی سکتا تھا اور ان کی آواز بھی انہیں پوری سنائی دے رہی تھی...... جزیرے کی فضا ویسے بھی بڑی خاموش تھی، جس سائنس دان نے ملٹری انٹیلی جنس کے افسر مسٹر داس گپتا کی بات کی تھی وہ بولا۔

"یہ مسٹر داس گپتا کوئی کوالی فائیڈ سائنس دان تو ہے نہیں...... یہ ہماری نگرانی کیا کرے گا؟"۔

دوسرے سائنس دان نے کہا۔

"بس ملٹری انٹیلی جنس والوں نے بھی خانہ پری کرنی ہے...... سو وہ کر رہے ہیں؟"۔

پہلا سائنس دان بولا۔

"سنا ہے یہ انٹیلی جنس آفیسر مسٹر داس گپتا پنجاب کا رہنے والا ہے اور چندی گڑھ کے نیوکلر سائنس کالج میں ایک سال لگا چکا ہے"۔

دوسرے بوڑھے سائنس دان نے اپنی ایک ٹانگ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"چندی گڑھ کے نیوکلر سائنس کالج میں ایک سال لگانے سے آدمی نیوکلر فزکس کا سائنس دان تو نہیں بن جاتا"۔

پہلے والا بوڑھا سائنس دان بولا۔

"تمہیں کہا نا کہ یہ خانہ پری کی جا رہی ہے...... ویسے بھی کیمپ کی نگرانی اور سیکیورٹی کے لئے ایک انٹیلی جنس آفیسر کی موجودگی ضروری ہے"۔

"یہ کب آ رہا ہے؟" دوسرے سائنس دان نے پوچھا...... پہلا سائنس دان عینک کے شیشے صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"پرسوں دوپہر کے بعد جو سٹیمر انڈیمان سے سپلائی لے کر جزیرے کی دوسری طرف جو فوجی جیٹی ہے وہاں آ رہا ہے اسی میں سوار ہو کر وہ خفیہ طریقے سے آئے گا"۔

دوسرا سائنس دان کہنے لگا۔

"مجھے تو اس جزیرے کی آب و ہوا موافق نہیں آئی...... ہو سکتا ہے میں اگلے مہینے واپس کلکتے چلا جاؤں"۔

"پراجیکٹ پر کام مکمل ہونے سے پہلے میرا خیال ہے ہماری چھٹی منظور نہیں ہو گی"۔

پہلے سائنس دان نے کہا اور پھر وہ دونوں ملٹری کینٹین پر ملنے والی ناقص غذا کی شکایت کرنے لگے...... عمران بالکل ساکت جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھا انہیں دیکھ بھی رہا تھا اور ان کی گفتگو بھی سن رہا تھا...... اس نے سوچا کہ اگر وہ انگریزی زبان سے واقف نہ ہوتا تو ان سائنس دانوں کی باتیں بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا اور کلکتے سے کسی مسٹر داس گپتا نام کے ملٹری انٹیلی جنس آفیسر کی آمد کا سن کر اچانک اس کے ذہن میں جو منصوبہ اپنے آپ تیار ہو گیا تھا وہ اس سے بے خبر رہتا...... یہ ایک غیبی امداد تھی جس نے اس کے ذہن میں امید کی شمع روشن کر دی تھی...... دونوں بوڑھے سائنس دان کچھ دیر بیٹھے اپنے گھربار اور بچوں کی باتیں کرتے رہے اور پھر آہستہ سے اٹھے اور فوجی کیمپ کی طرف واپس چل پڑے...... اس وقت کمانڈو عمران کے چہرے پر امید کی روشنی آ گئی تھی...... اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ مایوسی کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا کہ

کسی نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندھیروں میں سے باہر نکال لیا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھا اور گاؤں کی طرف چل دیا وہ جنگلی قبیلے کے آدمی کے حلیے میں تھا۔۔۔۔۔اب اسے یہ حلیہ بدلنے کی اشد ضرورت تھی۔۔۔۔۔وہ گاؤں میں سیدھا سردار بھاتو کے جھونپڑے میں گیا۔۔۔۔۔سردار بھاتو اس وقت اکیلا بیٹھا تھا۔۔۔۔۔اس نے سردار بھاتو کو اصل منصوبہ نہ بتایا۔۔۔۔۔صرف اتنا کہا۔

"سردار! مجھے فوجی کیمپ کے اندر جا کر ایٹم بم کی تیاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ایک ذریعہ مل گیا ہے۔۔۔۔۔میں تمہیں ابھی اس ذریعے کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا، لیکن یقین کرو کہ اگر تم نے میرا ساتھ دیا اور میں فوجی کیمپ کی لیبارٹری میں جانے میں کامیاب ہو گیا تو میں ایسا کام کروں گا کہ یہ لوگ تمہارے جزیرے میں کبھی ایٹمی دھماکہ نہ کر سکیں گے اور تم اور تمہارے جزیرے کی ساری مخلوق زندہ سلامت رہے گی"۔

سردار بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔۔۔۔۔مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"۔

عمران نے کہا۔

"ابھی جو کچھ بھی کرنا ہے مجھے اکیلے ہی کرنا ہو گا، جس وقت تمہاری مدد کی ضرورت ہو گی تمہیں بتا دوں گا"۔

عمران نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس کے جسم پر جس سانولے رنگ کی مالش کی گئی تھی اسے سردار کی مدد سے بالکل صاف کر دیا۔۔۔۔۔اب اس کے جسم کا رنگ گورا یعنی اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔۔۔۔۔ساتھ ہی اس نے قبیلے کے لوگوں کا لہنگا اتار کر اس کی جگہ پتلون قمیض پہن لی۔۔۔۔۔پستول اس نے سردار کے پاس ہی رکھوا دیا ہوا تھا۔۔۔۔۔یہاں اسے پستول کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس پر سائی لینسر نہیں چڑھا ہوا تھا اور عمران فائر کا دھماکہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ایک پلان اس نے پورے کا پورا اپنے ذہن

میں تیار کر لیا تھا۔۔۔۔۔اس پلان کی کامیابی پر اس کے مشن کی کامیابی کا دارومدار تھا۔۔۔۔۔یہ منصوبہ یا پلان اتنا آسان نہیں تھا۔۔۔۔۔اس میں ہر قدم پر پکڑے جانے کا امکان تھا، لیکن عمران کے سامنے یہی ایک راستہ تھا۔۔۔۔۔دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔۔۔۔۔اسے ہر حالت میں اس منصوبے کو کامیاب بنانا تھا۔۔۔۔۔پستول کی جگہ اسے ایک گز لمبی پتلی مگر بڑی مضبوط رسی کی ضرورت تھی جو اس کو سردار بھاتو نے مہیا کر دی۔۔۔۔۔اس رسی کی چھوٹی گچھی بنا کر اس نے اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لی۔۔۔۔۔جزیرے کی گھاٹ کے پاس ایک بال کاٹنے اور شیو بنانے والا بیٹھتا تھا۔۔۔۔۔عمران نے دوسرے دن صبح صبح اس سے اپنے بال ترشوائے اور شیو بنوائی۔۔۔۔۔وہ اپنا حلیہ ایسا بنانا چاہتا تھا کہ اسے دیکھ کر یہی لگے کہ وہ کلکتے کا شہری اور انٹیلی جنس کا عہدے دار ہے۔

ملٹری انٹیلی جنس کا مسٹر داس گپتا دوسرے روز دوپہر کے بعد انڈیمان سے سپلائی کے سٹیمر پر سوار ہو کر آ رہا تھا۔۔۔۔۔عمران نے اپنے منصوبے کے مطابق مسٹر داس گپتا کو گھاٹ پر لینے جانا تھا۔۔۔۔۔گھاٹ پر سے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ سٹیمر سپلائی لے کر کس وقت آ رہا ہے۔۔۔۔۔دوسرے روز وہ ایک گھنٹہ پہلے گھاٹ پر پہنچ گیا اور جیٹی کے گیٹ پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور مسٹر داس گپتا کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔۔۔۔۔اس روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی۔۔۔۔۔جیٹی کے گیٹ کے اوپر ایک چھوٹا گول کلاک لگا ہوا تھا جو دوپہر کے ڈھائی بجا رہا تھا۔۔۔۔۔سوا تین بجے سٹیمر نے پہنچنا تھا۔۔۔۔۔مسٹر داس گپتا کو جس راستے سے کمانڈو عمران نے لے جانا تھا وہ راستہ اس نے پہلے سے طے کر رکھا تھا۔۔۔۔۔یہ راستہ ایک جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد عمران اٹھ کر ٹہلنے لگا۔۔۔۔۔جیٹی پر مزدور اِدھر اُدھر اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔۔۔۔۔منصوبہ بڑا نازک تھا۔۔۔۔۔یوں سمجھ لیں کہ عمران کو مسٹر گپتا کو لے کر تنی ہوئی رسی پر چلنا تھا۔۔۔۔۔ہر قدم پر پاؤں کے پھسلنے کا خطرہ موجود تھا، لیکن عمران پُرامید تھا۔۔۔۔۔اس نے اپنے اندر بھرپور اعتماد پیدا کر لیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اپنے

منصوبے میں ضرور کامیاب ہو گا...... ناکامیاب ہونے کی صورت میں عمران کی موت یقینی تھی۔

ساڑھے تین بجے انڈیمان سے سپلائی اور مسٹر داس گپتا کو لانے والا سٹیمر جیٹی کے ساتھ آکر لگ گیا...... عمران مسٹر داس گپتا کی شکل سے ناواقف تھا...... اس نے داس گپتا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، لیکن اسے ہر حالت میں جیسے بھی ممکن ہو بھارت کے اس انٹیلی جنس آفیسر کو پہچاننا تھا اور اسے اس کا خیر مقدم کرنا تھا...... عمران کو یقین تھا کہ وہ داس گپتا کو ضرور پہچان لے گا...... اس کی وجہ یہ تھی کہ داس گپتا پنجابی تھا اور پنجابی دور سے پہچانے جاتے ہیں...... دوسری یہ وجہ تھی کہ سٹیمر پر زیادہ سواریاں نہیں بیٹھتیں اور یہ سپلائی لانے والا سٹیمر تھا اور شہری آدمی سب سے الگ نظر آجاتا ہے۔

کمانڈو عمران ذہنی طور پر پوری طرح سے تیار ہو کر جیٹی کے گیٹ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا...... سٹیمر پر سے چند ایک سواریاں ہی اتری تھیں...... ان میں عمران کو ایک درمیانے قد مگر ذرا بھاری بدن والا آدمی نظر آیا جس نے پتلون اور بش شرٹ پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا...... اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا...... یہ آدمی گیٹ سے باہر نکل کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا...... جیسے اسے متوقع ہو کہ کوئی گاڑی اسے لینے آتی ہو گی...... کمانڈو عمران جلدی سے اس کے پاس گیا اور ہاتھ جوڑ کر پرنام کرنے کے بعد پنجابی میں کہا۔

"سر! آپ مسٹر داس گپتا ہیں؟"۔

اس آدمی نے عمران کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا۔

"تم کون ہو؟"۔

عمران نے فوراً جواب دیا۔

"سر! میرا نام کیپٹن سریندر مہتہ ہے...... میں بھی پنجابی ہوں اور آپ کے شہر چندی گڑھ کا ہی رہنے والا ہوں...... میں یہاں سنٹرل ملٹری انٹیلی جنس کی طرف سے

ملٹری کیمپ میں تعینات ہوں اور کیمپ کمانڈر کی طرف سے میں آپ کو لینے آیا ہوں"۔

داس گپتا نے کہا۔

"گاڑی کہاں ہے؟"۔

کمانڈو عمران نے مسٹر داس گپتا کی طرف جھک کر بڑے رازدارانداز میں کہا...... اب عمران نے انگریزی میں بولنا شروع کر دیا۔

"سر! انتہائی سیکورٹی کی خاطر ہم نے آپ کی آمد صیغہ راز میں رکھی ہے...... کیندری سی آئی اے کی طرف سے ہمیں خفیہ لیٹر ملا ہے کہ جزیرے میں دو تخریب کار داخل ہو چکے ہیں...... سر! یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں...... آپ میرے ساتھ آئیں...... میں آپ کو راستے میں سب کچھ بتاتا ہوں"۔

کمانڈو عمران نے محسوس کیا کہ مسٹر داس گپتا اس کی انگریزی سے کافی متاثر ہوا ہے...... وہ عمران کے ساتھ چل پڑا...... کہنے لگا۔

"کیمپ یہاں سے کتنی دُور ہے؟"۔

اب وہ بھی انگریزی میں بات کر رہا تھا...... عمران نے انگریزی میں ہی جواب دیا۔

"سر! زیادہ دُور نہیں ہے...... میں آپ کو جنگل کے ایک شارٹ کٹ راستے سے لے جاؤں گا"۔

سر! کیمپ کمانڈر اس تکلیف کے لئے آپ سے معذرت طلب کر رہا تھا...... ورنہ آپ کو لینے وہ خود گاڑی لے کر یہاں آتا...... سر! کیمپ میں پہنچ کر آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ہم نے یہاں سیکورٹی کا کس قدر سخت انتظام کیا ہوا ہے...... سر! پچھلے دنوں اس جیٹی پر مشتبہ آدمی گھومتے دیکھا گیا تھا، وہ پاکستانی تخریب کار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا...... پولیس نے اس کو حراست میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ روپوش ہونے میں کامیاب ہو گیا...... سر! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ جزیرے کی پولیس ہماری

پنجاب کی پولیس کے مقابلے میں کس قدر نکمی ہے"۔

داس گپتا نے عمران سے پوچھا۔

"تم یہاں کب سے تعینات ہو؟اور چندی گڑھ میں تمہارا گھر کہاں تھا؟"۔

کمانڈو عمران نے اپنے آپ کو داس گپتا کا ہم وطن یعنی چندی گڑھ کا رہنے والا ظاہر کر کے اس کی خوشنودی اور اعتماد حاصل کر لیا تھا...... پردیس میں کوئی ہم وطن خاص طور پر پنجابی کو پنجابی مل جائے تو دونوں بہت خوش ہوتے ہیں اور بڑی جلدی دوست بن جاتے ہیں، لیکن عمران اپنی گفتگو میں بڑا محتاط تھا...... کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مسٹر داس گپتا کوئی عام پنجابی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بھارت کی سنٹرل انٹیلی جنس سے ہے اور یہ لوگ بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں۔

عمران نے کہا۔

"سر! چندی گڑھ کے سیکٹر نمبر 7 میں آریہ سماجل ٹمپل کے قریب ہی ہمارا گھر تھا"۔

داس گپتا نے خوش ہو کر کہا۔

"ہمارا گھر سیکٹر 8 میں کتھولک چرچ کے پاس ہی تھا...... حیرانی کی بات ہے کہ مسٹر سریندر آپ سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا"۔

عمران نے فوراً کہا۔

"دراصل میں پڑھائی ختم کرتے ہی فوج میں چلا گیا تھا"۔

عمران نے چندی گڑھ کے بارے میں بھارت کے محکمہ سیاحت کی طرف سے چھپی ہوئی ایک کتاب پڑھ رکھی تھی...... اس نے چندی گڑھ کے محلوں، پارکوں، سینما گھروں وغیرہ کے نام ضرور لینے شروع کر دیئے...... مسٹر داس گپتا اپنے شہر کی تعریف سن سن کر خوش ہو رہا تھا...... اس دوران عمران اسے پیدل چلاتا گھاٹ کے عقبی علاقے سے ہوتا ہوا جنگل کے قدرے دشوار گزار حصے میں لے آیا تھا...... ان

دونوں میں اب پنجابی میں باتیں ہو رہی تھیں۔

داس گپتا کہنے لگا۔

"یار اتنی مدت کے بعد اپنے شہر کا پنجابی ملا ہے...... انگریزی کو چھوڑو پنجابی میں باتیں کرو...... یہ بتاؤ کہ نیوکلر میزائل کے پراجیکٹ میں کام ٹھیک ہو رہا ہے۔

عمران نے کہا۔

"سائنس دان لگے ہوئے ہیں...... بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں"۔

داس گپتا نے کہا۔

"اگر وادیوں (تخریب کاروں) کا یہاں پہنچنا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے...... ہمیں کیمپ میں بڑا الرٹ ہو کر رہنا ہوگا"۔

عمران بولا۔

"سر! ہماری سیکیورٹی بڑی سخت ہے اور انٹیلی جنس سارے جزیرے میں پھیلی ہوئی ہے...... ہمیں پل پل کی خبر مل جاتی ہے...... باتیں کرتے کرتے عمران مسٹر داس گپتا کو جنگل میں اس جگہ پر لے آیا جہاں نیچے گھاٹی میں ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا جس میں بے شمار نوکیلے پتھر پڑے تھے...... یہ نالہ کوئی دو منزل کی گہرائی میں تھا...... یہاں پہنچ کر عمران نے کہا۔

"سر! پچھلے سال ہم نے ایک اگروادی (تخریب کار) کو نیچے اس نالے کے پاس پکڑا تھا"۔

"کہاں کہاں؟"۔

مسٹر داس گپتا نے رُک کر پوچھا...... عمران نے نیچے نالے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہاں سر...... اس نالے کے پاس وہ ایک غار میں چھپ کر بیٹھا تھا"۔

"تم لوگوں نے ابھی اس غار کی تلاشی نہیں لی؟"۔

داس گپتا نے ایک ذمے دار انٹیلی جنس افسر کی طرح پوچھا...... عمران بولا۔

"سر! آپ خود نیچے دیکھیں...... ہمارا ایک آدمی یہاں ہر وقت پہرے پر موجود ہوتا ہے...... اس وقت بھی دیکھ لیں...... وہ دیکھیں...... کنارے کے بڑے پتھر کے پیچھے بیٹھا ہے"۔

"کہاں ہے؟ مجھے تو نظر نہیں آرہا"۔

مسٹر داس گپتا نے نیچے گھاٹی میں جھانکتے ہوئے کہا...... عمران نے کہا۔

"سر! وہ دیکھیں...... ذرا آگے ہو کر دیکھیں...... ہمارا آدمی جنگلی قبیلے کے آدمی کے بھیس میں بیٹھا ہوا ہے"۔

داس گپتا ذرا آگے ہو کر نیچے گھاٹی میں جھانکنے لگا...... عمران ذرا پیچھے ہو گیا...... داس گپتا اپنا آدھا دھڑ آگے کیے گھاٹی میں جھک کر دیکھ رہا تھا...... یہی وہ لمحہ تھا جس کا کمانڈو عمران کو انتظار تھا اور جس کی خاطر وہ بھارت کی مرکزی انٹیلی جنس کے افسر داس گپتا کو اس جنگل میں لایا تھا...... عمران نے پیچھے ہٹتے ہی داس گپتا کو نیچے دھکا دے دیا...... بمشکل ایک سیکنڈ لگا ہو گا...... عمران نیچے دیکھ رہا تھا...... داس گپتا نے ایک قلابازی کھائی اور نالے کے نوکیلے پتھروں پر میدے کی بوری کی طرح گرا اور لڑھک کر پتھروں کے درمیان پھنس کر بے حس ہو گیا۔

عمران تیز تیز قدم اٹھاتا اوپر سے ایک چکر لگا کر نیچے گھاٹی میں نالے کے کنارے آ گیا...... داس گپتا کا سر کھل گیا تھا اور بھیجا باہر نکل آیا تھا...... اس کا بریف کیس ایک طرف چھوٹے پتھروں پر پڑا تھا...... وہیں چند گز کے فاصلے پر اس کا آنکھوں کا سیاہ چشمہ بھی پڑا تھا...... پتھروں پر سے داس گپتا کا خون بہہ بہہ کر نالے کے پانی میں شامل ہو رہا تھا...... عمران نے قریب جا کر گپتا کی لاش کو غور سے دیکھا...... وہ مر چکا تھا...... اس نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی...... ایک بٹوہ نکلا...... ایک رومال بھی تھا جس کے کونے پر سرخ دھاگے سے انگریزی میں ڈی اور جی کے حروف کاڑھے ہوئے تھے...... بٹوے

میں کچھ روپے تھے اور سٹیمر کا ٹکٹ تھا اور بریف کیس کی چابی تھی...... عمران نے بٹوے کو اپنی جیب میں رکھ لیا اور داس گپتا کی لاش کو پتھروں میں سے کھینچ کر نالے کے پانی میں پھینک دیا...... پہاڑی نالے کے پانی کا بہاؤ تیز تھا...... اس کی لاش آہستہ آہستہ آگے کو چل پڑی...... یہ نالہ آگے ایک دریا سے جا کر مل جاتا تھا اور دریا سمندر میں جا گرتا تھا۔

عمران کو باریک رسی استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی...... اس کا خیال تھا کہ مسٹر داس گپتا نیچے گرنے کے بعد اتنی جلدی مرے گا نہیں بلکہ بے ہوش ہو جائے گا اور وہ رسی سے اس کی گردن پھندے میں لے کر توڑ دے گا، مگر اب رسی کی ضرورت نہیں تھی...... عمران نے چابی لگا کر جلدی سے بریف کیس کھول کر دیکھا...... اس میں کلکتہ ہیڈ آفس کا ایک خط تھا جس میں اس کی عارضی طور پر جزیرے میں تبدیلی کر دی گئی تھی...... یہ خط کیمپ کمانڈو کو دکھا کر مسٹر داس گپتا نے اپنی آمد کی رپورٹ کرنی تھی...... یہ خط اور دوسرے کاغذات ایک فائل میں لگے ہوئے تھے...... عمران نے بریف کیس اسی طرح بند کر دیا اور اسے لے کر اس راستے پر جلدی جلدی چلنے لگا جو جنگل جنگل ہی سے سردار بھاتو کے گاؤں کی طرف چلا جاتا تھا...... اس نے داس گپتا کا سیاہ چشمہ اٹھا کر اپنی آنکھوں پر لگا لیا۔

گاؤں پہنچ کر جب وہ سردار کے جھونپڑے میں گیا تو سردار نے اس کا چشمہ اور بریف کیس دیکھ کر پوچھا۔

"یہ سب کچھ کہاں سے آ گیا ہے؟"۔

کمانڈو عمران جانتا تھا کہ اگر اس نے سردار کو اس راز سے آگاہ کر دیا کہ اس نے داس گپتا کو ہلاک کر دیا اور اب اس کی جگہ خود داس گپتا بن کر فوجی کیمپ میں جا رہا ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ اس راز کو اپنے تک نہیں رکھ سکے گا اور کسی نہ کسی کے آگے ضرور اس کا ذکر کر دے گا اور اس کے بعد نہ صرف یہ کہ عمران کا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا بلکہ خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی...... چنانچہ اس نے سردار کو

اصل بات بالکل نہ بتائی...... صرف اتنا کہا۔

"بھاتو! میں نے تم لوگوں کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا ہے...... بھارت سرکار تم لوگوں کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہے اور زمین کے اندر ایٹمی دھماکہ کر کے تم لوگوں پر اس کے اثرات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو...... فوجی خود تو کیمپ چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں گے لیکن تمہیں یہاں سے چلے جانے کے لئے بالکل نہیں کہیں گے...... وہ زمین کے اندر ایٹم بم لگا کر جائیں گے اور اس جزیرے سے کم از کم سو میل دور کسی جگہ بیٹھ کر ریموٹ کنٹرول کی مدد سے ایٹم بم چلا دیں گے...... زمین کے اندر بم کے پھٹنے سے جو تباہی مچے گی وہ تو اپنی جگہ پر ہو گی لیکن زمین کے اوپر جزیرے میں زبردست زلزلہ آئے گا اور ایٹمی تابکاری کی شعاعیں زمین کے اندر سے نکل کر سارے جزیرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور جانوروں اور انسانوں کے جسموں پر بڑے بڑے آبلے پڑ جائیں گے اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں جھڑنا شروع ہو جائیں گے اور جزیرے کے سارے انسان اذیت ناک موت مر جائیں گے"۔

سردار بھاتو کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا...... اس نے کہا۔

"اگر ہم یہ جزیرہ چھوڑ کر کسی دوسرے جزیرے پر چلے جائیں تو کیا وہاں بھی ہمارے ساتھ یہی ہو گا؟"۔

عمران نے اسے مزید ڈراتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے قریبی جزیرہ پچاس میل کے فاصلے پر ہے...... ایٹم بم کا اثر کم از کم سو میل تک جائے گا...... اس لئے میں نے جزیرے کے لوگوں کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی ہے"۔

میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ میرا منصوبہ کیا ہے...... صرف اتنا بتاؤں گا کہ میں کچھ دنوں کے لئے فوجی کیمپ میں جا رہا ہوں...... کیسے جا رہا ہوں؟ یہ بھی میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گا...... یہاں اگر کوئی پوچھے تو تم اسے یہی کہنا کہ میں ایک ضروری

کام سے دوسرے جزیرے پر گیا ہوں"۔

سردار بھاتو کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد کمانڈو عمران نے بریف کیس سنبھالا...... آنکھوں پر چشمہ لگایا اور جھونپڑے سے نکل کر اس چھوٹی سی پگڈنڈی پر چل پڑا...... جو آگے جا کر فوجی کیمپ کی طرف جانے والی سڑک سے مل جاتی تھی...... سڑک بالکل خالی پڑی تھی...... یہ ایک کم آباد چھوٹا سا گمنام قسم کا جزیرہ تھا جہاں نہ کوئی ٹیکسی چلتی تھی نہ کوئی بس چلتی تھی...... صرف فوجی کیمپ سے نکلتی اور فوجی کیمپ کی طرف جاتی...... فوجی گاڑیاں کہیں کہیں نظر آ جاتی تھیں۔

فوجی کیمپ کے گیٹ پر پہرہ دیتے سنتری نے اسے روک لیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے...... عمران نے بڑے رعب دار اور پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"ٹیلی فون پر میری کیمپ کمانڈر صاحب سے بات کراؤ"۔

لکڑی کا چھوٹا سا کھوکھا ساتھ ہی بنا ہوا تھا جس میں ٹیلی فون پڑا تھا...... سنتری سمجھ گیا کہ یہ کوئی افسر ہے جو کسی بڑے شہر سے آیا ہے...... اس نے فوراً کیمپ کمانڈر سے رابطہ پیدا کر کے کہا۔

"سر! صاحب سے بات کریں"۔

اور سنتری نے ریسیور عمران کو دے دیا...... عمران نے پہلے سے بھی زیادہ پر اعتماد لہجے میں انگریزی میں کہا۔

"سر! میں داس گپتا ہوں...... داس گپتا...... فرام سنٹرل ملٹری انٹیلی جنس...... میں کلکتے سے ابھی پہنچا ہوں...... یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے میرے لئے جیٹی پر گاڑی نہیں بھیجی"۔

دوسری طرف کیمپ کمانڈر نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سر! ہم نے گاڑی بھیجی تھی، مگر پتہ چلا کہ آپ جیٹی پر نہیں ہیں...... تھوڑی دیر ہوئی گاڑی واپس آ گئی ہے...... آپ فوراً آ جائیں...... ہمیں آپ کا انتظار ہے"۔

عمران نے کہا۔

"سیکورٹی گارڈ کو آرڈر کریں"۔

اور عمران نے ریسیور سنتری کو دے دیا...... سنتری نے اٹن شن ہو کر کہا۔

"یس سر! ٹھیک ہے سر!"۔

سنتری نے ریسیور رکھ کر عمران سے کہا۔

"سر! ٹھیک ہے"۔

اور اس نے جلدی سے گیٹ کی رکاوٹ پیچھے ہٹا دی...... عمران کیمپ کی حدود میں داخل ہو گیا...... فوجی بارکیں اور کیمپ کمانڈر کا آفس اس نے دیکھ رکھا تھا، جب وہ گاؤں کے آدمی کے ساتھ سبزیاں، ترکاریاں وغیرہ لے کر کیمپ میں کچھ روز پہلے آیا تھا...... اس وقت عمران کو صرف لنگر خانے کے دو تین سپاہیوں نے ہی دیکھا تھا...... وہ بھی اب اسے نہیں پہچان سکتے تھے، کیونکہ اس وقت اس کے جسم اور چہرے کا رنگ نسواری تھا اور اس نے جسم پر صرف ایک تہہ بند لپیٹ رکھا تھا اور سر پر جانور کے پروں والی ٹوپی تھی، جبکہ اب وہ کلین شیو تھا...... اس نے قمیض پتلون پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا اور بال بڑے سلیقے سے بنائے ہوئے تھے اور ہاتھ میں بریف کیس تھا۔

عمران لنگر خانے کے سامنے سے گزرتا ہوا بارکوں کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک فوجی افسر فوجی چال چلتا اس کی طرف بڑھ رہا ہے...... عمران رُک گیا...... فوجی افسر تیز تیز قدم اٹھاتا عمران کے پاس آیا اور ہاتھ آگے بڑھا کر انگریزی میں کہنے لگا۔

"سر! میں کیپٹن چندر شیکھر کیمپ کمانڈر آپ کو اپنے کیمپ میں خوش آمدید کہتا ہوں"۔

عمران نے ہاتھ ملاتے ہوئے بڑے وقار کے ساتھ کہا۔

"میں داس گپتا ہوں...... چیف آفیسر سنٹرل ملٹری انٹیلی جنس سروس آف

انڈیا"۔

کیمپ کمانڈر چندر شیکھر نے بڑے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

"سر! آئی ایم سوری کہ ہماری گاڑی جیٹی پر لیٹ پہنچی اور آپ کو یہاں تک پیدل آنا پڑا"۔

کمانڈو عمران نے کہا۔

"نو پرابلم! یہ بتائیں کہ نیوکلر لیبارٹری کا کام کیسا جا رہا ہے؟"۔

کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر عمران کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور بڑے رکھ رکھاؤ اور ادب آداب سے گفتگو کر رہا تھا...... اس کی ایک وجہ تھی...... وجہ یہ تھی کہ انڈیا کی سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی والوں سے تمام فوجی اور سول افسر ڈرتے تھے...... انٹیلی جنس سروس والوں کو حکومت نے وہی اختیارات دے رکھے تھے جو کسی زمانے میں ہٹلر نے گستاپو پولیس کو دے رکھے تھے...... ان لوگوں سے وزیر بھی اندر سے خوف کھاتے تھے، کیونکہ یہ لوگ جس کے خلاف ذرا سی بھی رپورٹ لکھ دیتے تھے اس کے خلاف حکومت فوراً ایکشن لے لیتی تھی اور اسے معطل کر کے اس کے خلاف محکمانہ تحقیقات شروع ہو جاتی تھی اور بعض حالتوں میں زیر عتاب افسروں کو نیشنل سیکورٹی کے پیش نظر گرفتار بھی کر لیا جاتا تھا، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر عمران سے دب کر اور بڑے ادب سے گفتگو کر رہا تھا...... اس کے طرز عمل سے کمانڈو عمران کو یہ فائدہ پہنچ رہا تھا کہ اس پر شک شبہ کرنے کی طرف کیپٹن شیکھر کا خیال تک نہیں جا رہا تھا...... کیمپ کمانڈر کے آفس میں جاتے ہی کمانڈو عمران نے بریف کیس کھول کر کیپٹن شیکھر کو اپنی تقرری کے کاغذات دکھائے...... یہ انڈیا کی مرکزی حکومت کے انتہائی حساس شعبے یعنی سنٹرل انٹیلی جنس کے کاغذات تھے جن پر باقاعدہ سرکاری مہریں لگی ہوئی تھیں اور مرکزی سیکرٹری ڈیفنس کے دستخطوں کے علاوہ کلکتہ ہیڈ آفس کے افسر اعلیٰ کے دستخط مع سرکاری مہر کے ثبت تھے...... کیپٹن

شیکھر کو کیسے شک پڑ سکتا تھا کہ یہ شخص داس گپتا نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ ایک کشمیری مجاہد کمانڈو ہے...... کیمپ کمانڈر نے اسی وقت ضروری کاغذی کارروائی مکمل کرتے ہوئے عمران سے کہا۔

"سر! ہمارے کیمپ میں آپ کی شان کے لائق تو رہائش کا انتظام نہیں ہے...... پھر بھی میں نے آپ کے رہنے کے لئے ایک بارک میں سپیشل بستر وغیرہ لگوا دیا ہے...... آپ چل کر معائنہ کر لیجئے"۔

عمران بڑا ہوشیار کمانڈو تھا...... اس نے کہا۔

"یہ باتیں بعد میں ہو جائیں گی سب سے پہلے میں نیوکلر لیبارٹری کے سائنس دانوں سے ملنا چاہتا ہوں...... آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ ہمیں خاص طور پر اس لیبارٹری کی سیکورٹی اور نگرانی کے لئے یہاں تعینات کیا گیا ہے"۔

کیپٹن چندر شیکھر بولا۔

"یس سر! آیئے...... میں آپ کو لیبارٹری لئے چلتا ہوں...... اس وقت ہمارے پاس چھ سائنس دان اور تین اسسٹنٹ نیوکلر میزائل کے پراجیکٹ پر کام کر رہے ہیں...... ان کے لئے"۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی زور سے بج اٹھی۔

کیپٹن شیکھر نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"ہیلو...... کیمپ کمانڈر سپیکنگ"۔

کیپٹن شیکھر نے ٹیلی فون پر ہی کہا۔

"یس میڈم! مسٹر داس گپتا یہاں پہنچ گئے ہیں...... ان سے بات کیجئے"۔

کیپٹن شیکھر نے ٹیلی فون کا ریسیور عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سر! کلکتے سے آپ کی بیگم صاحبہ کا فون ہے...... وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں"۔

ایک لمحے کے لئے عمران کا ذہن جیسے رُک سا گیا...... لیکن دوسرے لمحے وہ داس گپتا کی بیوی سے اس کا خاوند بن کر بات کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا...... اس نے ریسیور قریب لاتے ہوئے اور جان بوجھ کر ذرا کھانستے ہوئے کہا۔

”ہیلو ڈارلنگ! میں تھوڑی دیر پہلے پہنچا ہوں“۔

دوسری طرف سے داس گپتا کی بیوی کی آواز آئی۔

”کیا بات ہے گپتا جی! آپ کی آواز کیوں بدلی ہوئی ہے؟“۔

عمران نے تھوڑا اور کھانس کر کہا۔

”سفر میں الٹ پلٹ چیزیں کھانے سے گلا تھوڑا خراب ہو گیا ہے...... تم سناؤ گھر میں سب ٹھیک ٹھاک ہے؟“۔

عمران کو نہ تو داس گپتا کی بیوی کا نام معلوم تھا اور نہ یہ پتا تھا کہ ان کے بچے بھی ہیں یا نہیں ہیں...... وہ بڑا محتاط ہو کر بات کر رہا تھا...... ذرا سی بھول چوک سے وہ فوراً پکڑا جا سکتا تھا...... اس کی ”بیوی“ نے کہا۔

”ماتا جی امرتسر سے چندی گڑھ آ گئی ہیں...... میں تمہیں یاد کرتی ہوں...... میں بھی دو چار دن کے لئے کلکتے سے چندی گڑھ جا رہا ہوں...... مجھے آج ہی خط لکھنا اور اپنے گلے کا خیال رکھنا...... تمہاری آواز بالکل پہچانی نہیں جاتی“۔

عمران نے ایک بار پھر کھانستے ہوئے بیٹھی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

”میں یہاں ڈاکٹر کو دکھا رہا ہوں...... تم فکر نہ کرنا...... او کے ڈارلنگ! اس وقت میں میٹنگ میں ہوں...... پھر فون کروں گا“۔

دوسری طرف سے داس گپتا کی بیوی نے کہا۔

”خط ضرور لکھنا...... تمہارا گلا بہت خراب لگتا ہے...... آواز بالکل بدلی ہوئی ہے“۔

عمران نے کہا۔

”چنتا نہ کرو ڈیئر...... میں ٹھیک ہو جاؤں گا...... بائی“۔

اور عمران نے فون بند کر دیا...... کیپٹن شیکھر نے کہا۔

”سر! میرے ساتھ چلئے...... کیمپ کا ڈاکٹر شرما گلا چیک کر کے ابھی دوائی دے دے گا“۔

کمانڈو عمران نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

”ابھی میں نیوکلر پراجیکٹ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ سیکورٹی کا انتظام چیک کر سکوں...... ڈاکٹر شرما کے پاس اس کے بعد جائیں گے“۔

اور کیمپ کمانڈر کیپٹن چندر شیکھر عمران کو ساتھ لے کر نیوکلر لیبارٹری کے تہہ خانے کی طرف چلا جو چند قدموں کے فاصلے پر تھا...... عمران ابھی تک داس گپتا کی بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے عمران پر شک تو نہیں پڑ گیا؟ اس کی آواز داس گپتا کی آواز سے کافی مختلف تھی...... وہ یہ سوچ کر ایک لمحے کے لئے پریشان ہو گیا کہ اگر داس گپتا کی بیوی اپنے خاوند کی بیماری کی وجہ سے اس کی تیمارداری کے خیال سے وہاں پہنچ گئی تو پھر کیا ہو گا؟ وہ تو نقلی داس گپتا ہے...... اس کا راز فاش ہو جائے گا اور اسے وہاں سے شاید فرار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔

اس کے بعد کے ہوش ربا سنسنی خیز
واقعات کتاب

ضربِ مجاہد

میں ملاحظہ فرمائیں۔

